ناول
ویدراہی
اندھی سُرنگ
Meer Zaheer Abass Rustmani
کتاب دار

PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO :+92 307 2128068 - +92 308 3502081

-----◈◈◈◈◈◈◈◈◈◈-----

ویدراہی

اندھی سُرنگ

کتاب دار

ویدراہی

اندھی سُرنگ

(ناول)

کتاب دار

۱۰۸/۱۱۰، جلال منزل ٹیمکر اسٹریٹ، ممبئی-۸

Andheri Surang
(Novel)
By
Ved Rahi

Year of Edition 2005
Price Rs. 150/-

نام کتاب	اندھیری سُرنگ (ناول)
مصنف	وید راہی
پتہ	۲-۳۵، سروتم ہاؤسنگ سوسائٹی، ارلا برج، اندھیری، ممبئی-۵۸
سن اشاعت	۲۰۰۵ء
قیمت	۱۵۰ / روپے
مطبع	تریموورتی پرنٹرس، ممبئی

Published By : *KITAB DAAR,* 108/110, Jalal Manzil,
Ground Floor, Temkar Street, Mumbai - 400 008.
Tel. No. 2341 1854 / E-mail : nayawaraq@yahoo.com

ساجد رشید کے نام

ڈرامے کا دوسرا ایکٹ ختم ہوتے ہی چرن اسٹیج سے اتر کر اس خالی کونے میں جا کھڑا ہو جہاں اُسے اپنا میک اپ ٹھیک کر رہی کملا صاف نظر آ رہی تھی۔

اس نے جیب سے ایک مڑا تڑا سگریٹ نکال کر سلگایا۔ لمبا کش لگانے سے کھانسی شروع ہوگئی لیکن کوشش کر کے اس نے کھانسی کی آواز کو دور نہیں جانے دیا کہیں کملا یہ نہ سمجھ لے کہ میں جان بوجھ کر اس کا دھیان اپنی طرف کھینچنے کے لئے آواز کر رہا ہوں۔ یہ سوچ کر اس نے کھانسی تو روک لی لیکن دہانس چڑھنے کی وجہ سے آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

اسٹیج پر پردے کے آگے چار پانچ کرسیاں رکھ دی گئیں۔ اب وہاں تقریریں شروع ہوں گی۔ چرن کا دھیان تقریروں کی طرف نہیں تھا، اس وقت وہ کملا کو دیکھتا ہوا اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ابھی ابھی ڈرامے کے جس ایکٹ پر پردہ پڑا تھا اس میں ڈائلاگ ادا کرتے ہوئے کملا نے اچانک اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔ حیرت میں پڑا وہ اپنا ڈائلاگ بھول گیا۔ ونگ کے پیچھے سے آ رہی ہیرا میٹر کی آواز بھی آنی بند ہوگئی۔ جیسے لمحہ بھر کے لئے اس کی عقل بھی ماری گئی ہو۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ کملا نے ریہرسل کرتے ہوئے اسے کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ کملا کی یہ جرات حیرت پیدا کرنے والی تھی۔

پردے کے آگے رکھی کرسیوں پر وہ سبھی لوگ آ کر بیٹھ گئے جو اس ڈرامے کے اصلی سوتر دھار تھے۔ نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکرٹری، پرائم منسٹر صاحب کے پرائیوٹ سیکرٹری، ناری کلیان کیندر کی شریمتی راج دیو (کملا کی ماں) کلچرل اکیڈمی کے صدر اور آرٹس کالج کے پرنسپل۔

چرن کا دھیان اس طرف بالکل نہیں تھا۔ وہ کملا کی طرف دیکھتے ہوئے اس طرح لمبے کش لگا رہا تھا جیسے کملا کو ہی پی رہا ہو۔ میک اپ روم میں سے نکل کر کملا تقریر سننے کے لئے چرن کے سامنے ونگ کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ چرن کی طرف دیکھ کر وہ تھوڑا مسکرائی۔ اس مسکراہٹ میں کچھ

نہیں تھا نہ کوئی اشارہ نہ کوئی کنایہ لیکن وہ موقعہ کے مطابق تھی۔

اپنائیت کی گرمی تھی اس میں۔ وہ بھی مسکرایا اور تقریر سننے کا بہانہ کرتے ہوئے دھیرے دھیرے کملا کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔

مسز راج دیوا پنی کڑک دار آواز میں کہہ رہی تھیں۔ ''ہماری سنسکرتی ہمارا کلچر بڑا مہان ہے بڑا رچ ہے اور ہم نے اسے اور بھی رچ بنا دیا ہے۔ اس کام کا بوجھ ہمارے۔ جن نوجوانوں نے انھار کیا ہے انکا یہ ناٹک دیکھ کر ہم ان پر مان کر سکتے ہیں ناز کر سکتے ہیں۔ دیش کا مستقبل سنوارنا ان کے ہاتھوں میں ہے۔ انکا جوش بڑھانے کی ضرورت ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ ہماری لوک سرکار نے ہماری عوامی حکومت نے اپنا دھیان اس طرف دیا ہے اور...''

کملا کے جوڑے میں ٹکے پھولوں کی خوشبو چرن کے نتھنوں تک پہنچی تو اسے خیال آیا کہ یہ خوشبو اسٹیج پر پارٹ کرتے ہوئے کیوں نہیں آتی؟ وہ تھوڑا اور بھی نزدیک سرک آیا۔ اب اس کے اور کملا کے درمیان اتنا ہی فاصلہ تھا کہ اگر وہ چاہتا تو اس کے جوڑے میں ٹکے پھولوں کو ناک سے چھو کر سونگھ لیتا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ کملا کی سگائی ہو چکی ہے۔ ایک روز ریہرسل کرتے ہوئے دوسری لڑکیوں نے باتوں باتوں میں یہ بات ظاہر کر دی تھی اور کملا شرما گئی تھی۔ سب نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔ چرن کو بھی آج اتنے دنوں کے بعد اچانک ہی اس بات کی یاد آئی تھی۔ سگریٹ کا لمبا اور آخری کش لگا کر اس نے اسے پیر کے نیچے مسل ڈالا۔ سامنے دیکھا تو اب جنرل سیکریٹری صاحب کی تقریر ہو رہی تھی۔ ترچھی ٹوپی پہنے ہوئے اور خوبصورت منقش کشمیری چھڑی پکڑے ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔ میرے عزیز دوستو ہماری ریاست میں پہلی کلاس سے لے کر ایم اے تک کی پڑھائی مفت ہوگئی ہے اور نوجوانوں کو نئے نئے روزگار مہیا کیے جا رہے ہیں۔ ان کے سامنے ترقی کے زینے کھول دیئے گئے ہیں۔ یہ سب عوامی راج کی برکتیں ہیں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے۔ لیکن کوئی بھی راج تب تک صحیح معنی میں کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اسے عام لوگوں کا تعاون نہیں ملتا۔ خاص طور پر نوجوانوں کو اس کے متعلق اپنی ذمے داریوں کا احساس ضرور ہونا چاہیے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آج کے اس ڈرامے میں ان نوجوانوں نے سماج سدھار کا پہلو پیش کر کے اپنا فرض پورا کیا ہے۔ میں انہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ میں مسز راج دیو کو بھی مبارک دیتا ہوں جنکی کوششوں سے یہ ڈراما کھیلا گیا۔

شور شرابے اور تالیوں کی کان پھاڑنے والی گونج کے ساتھ تقریریں ختم ہوئیں۔ کملا کو تالیاں بجاتے دیکھ کر چرن بھی زور زور سے تالیاں بجانے لگا اصلی سوتر دھار اسٹیج سے نیچے اتر گئے۔ وہاں سے کرسیاں بھی اٹھالی گئیں تیسرا اور آخری ایکٹ شروع ہوا۔ ڈائرکٹر کا اشارہ ہوتے ہی چرن اسٹیج پر

چڑھ گیا۔ وہاں جا کر اسے خیال آیا کہ اس نے شیشے میں اپنا میک اپ تو دیکھا ہی نہیں۔ پھر بھی وہ گھبرایا نہیں۔ بالوں پر اپنے ہاتھ پھرا کر اس نے اپنی تسلی کر لی۔

ڈرامے کے آخر میں ہیرو نے زہر کھا لیا ہے لیکن ڈاکٹر کی دوا اور ہیروئن کی دعا سے وہ بچ جاتا ہے۔ آنکھیں کھول کر وہ سب سے پہلے اپنی بیوی ہیروئن کو دیکھتا ہے۔ ہیروئن اس کے اوپر جھکتی ہے اور وہ اس سے معافی مانگتا ہے۔ وچن دیتا ہے کہ آئندہ وہ کبھی بھی شراب نہیں پیئے گا اور جوا نہیں کھیلے گا۔ وہ اپنے بچے کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ اب وہ بھلا مانس بننے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت کملا اس کی طرف اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو" مجھے تو ڈائریکٹر نے یہاں کچھ کرنے لئے بتلایا ہی نہیں۔"

چرن جس وقت معافی مانگ رہا تھا اس وقت اس کا من ہوا کہ وہ کملا کا ہاتھ پکڑ لے لیکن ہمت نہیں ہوئی۔ اس کے ہاتھ کانپ کر رہ گئے۔ اسے لگا کہ وہ ڈائلاگ بھول جائے گا لیکن کسی طرح اس نے موقع سنبھال لیا۔ اس کے آخری الفاظ پر لوگوں کے منہ سے واہ واہ نکل گیا اور کبھی نہ ختم ہونے والی تالیوں کی آواز گونج اٹھی۔

پردہ گرتے ہی ڈرامے کے مصنف اور ڈائرکٹر پروفیسر گوپال دھون نے اسٹیج کے اوپر آکر چرن اور کملا کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر انہیں شاباش دی۔ اس وقت مسز راج دیو بھی وہاں پہنچ گئیں۔ انہوں نے بھی دونوں کی بڑی تعریف کی اور کہا" سیکرٹری صاحب بہت خوش ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ جلد ہی اس ڈرامے کو اور جگہوں پر پیش کرنے کا انتظام کریں گے۔ پھر مسز راج دیو کملا کو لے کر جانے لگیں تو مڑ کر انہوں نے چرن سے کہا۔" میں نے سیکرٹری صاحب سے بات کر لی ہے۔ ایک دو بار پھر سے انہیں یاد کرانا ہوگا۔ آپ کسی وقت بھی گھر آجانا۔ میں آپکا کام ضرور کروا دوں گی۔"

کملا بھی ساتھ جا رہی تھی۔ اس نے کملا کی طرف دیکھا لیکن کملا اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

سب سے آخر میں پنڈال سے نکلنے والے چار لوگ تھے۔ پروفیسر گوپال، چرن، مدن اور پرویز۔ باہر نکلتے ہی چاروں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سب نے ایک دوسرے کا مطلب سمجھ لیا اور پندرہ منٹ بعد چاروں کاسمو ہوٹل کے ایک کیبن میں بیٹھے تھے۔

چرن بڑے موڈ میں بولا۔" دوستو میں نے ناٹک کے آخر میں شراب نہ پینے کی قسم اٹھائی ہے اور اس لئے مجھے بڑی بے چینی محسوس ہو رہی ہے۔ مجھ پر رحم کرو۔ جلدی کرو۔ وہسکی کا آرڈر دو اور میرے کلیجے کو ٹھنڈا کرو۔ مجھے روکنا نہیں۔ میں پہلے ہی بتا دوں میں نے آج بہت زیادہ پینی ہے۔"

پروفیسر گوپال بولا'' تو نے جو قسم اٹھائی تھی وہ بالکل جھوٹی تھی۔ اس بات کا مجھ سے بڑا گواہ اور کوئی نہیں کیونکہ ناٹک میرا لکھا ہوا ہے۔ میں تو سب کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں نے یہ ناٹک اس لیے نہیں لکھا کہ لوگ شراب پینا چھوڑ دیں۔ میرا مطلب تو یہ ہے کہ میں کچھ بڑے لوگوں کی نظر میں آجاؤں اور اس سال ڈبل انکریمنٹ لے سکوں۔ میرا خیال ہے میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہوں کیونکہ میرے پرنسپل صاحب بہت خوش ہوکر گئے ہیں۔ وہ بھی نیشنل کانفرنس کے سیکرٹری صاحب کو کہہ سکتے ہیں کہ ان کی نوکری ایک سال کے لئے اور بڑھا دی جائے۔''

''سب نے اپنا اپنا الو سیدھا کرنا ہے۔'' مدن جس نے ڈرامے میں بیک گراؤنڈ میوزک دیا تھا بولا۔'' یارو یہ تو ایک سوشل پلے تھا۔ میں تو رام لیلا میں بھی صرف اس لئے گاتا ہوں کہ پینے کے لئے پیسے ہاتھ لگ جائیں۔ میں حیران ہوں کہ بیرا سامنے بوتل رکھ گیا ہے اور تم سب ابھی خالی باتیں ہی کر رہے ہو۔''

پرویز نے کہا۔'' میں نے پہلے ہی اکاونٹینٹ سے تم سب کے پیسے رکھوا لیے نہیں تو شو کے بعد اس محفل کا جمنا مشکل تھا''

چاروں کے گلاس ایک دوسرے کے گلاس سے ٹکرائے تو چرن بولا۔'' کملا کے نام۔'' سب آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ چرن مسکرایا تو سبھی ہنس دیئے اور پہلا پہلا گھونٹ پینے لگے۔

پرویز نے دس دس کے سولہ نوٹ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔'' یہ ہم چاروں کی کمائی ہے۔'' پھر اس نے چار نوٹ اٹھا کر اپنے کوٹ کی باہر والی جیب میں ٹھونسے۔ ان سے آج کا ہوٹل کا بل دیا جائے گا۔ پھر سب نے تین نوٹ اٹھا کر اپنی اپنی جیب میں ڈال لیے۔

چرن نے اپنا گلاس باٹم اپ کرتے ہوئے کہا۔ مجھے تو آج میرے کام کا معاوضہ اس وقت ہی مل گیا تھا جب اچانک کملا نے میرا بازو تھام لیا تھا۔''

'' میں نے ہی کملا کو کہا تھا۔'' گوپال بولا۔'' اس مقام پر بازو پکڑنا بہت ضروری تھا۔ ایک روز ریہرسل کرتے ہوئے میں نے اسے بازو پکڑنے کے لئے کہا تھا تو اس نے میرا کہا نہیں مانا تھا۔ دوسری بار پھر میں نے اسے کبھی نہیں کہا لیکن آج دوسرا ایکٹ شروع ہونے سے پہلے میں نے سوچا کیوں نہ اسے اس موقع پر ایک بار پھر سے کہہ کر دیکھوں کیا معلوم مان ہی جائے میرا ٹوٹکا کام کر گیا۔ پہلے ایکٹ کی کامیابی کی وجہ سے وہ موڈ میں تھی اور لہر میں آکر اس نے تیرا بازو پکڑ ہی لیا۔''

''تو اسے نہ کہتا تو اچھا تھا۔'' چرن نے کہا۔

کیوں؟ گوپال نے پوچھا۔

''میرا بازو ہی سن ہو گیا ہے۔ رگوں میں خون جم گیا ہے۔''

''یار تو یہ کون سے چکروں میں پھنس گیا۔'' مدن نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں تو کملا کو نہیں جانتا۔''

''میں آج تک کسی بھی عورت کو نہیں جان سکا۔'' چرن نے نشے سے بوجھل آنکھوں سے سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ عورت چیز کیا ہے؟ کچھ معلوم تو ہو کہ کملا کا ہاتھ لگنے سے میرا بازو سن کیوں ہو گیا ہے۔ لہو کیوں جم گیا ہے۔''

''تیری یہ بھوک بہت بڑھ گئی ہے۔'' گوپال نے کہا۔ ''پرویز اسے کسی ٹھکانے کا پتا بتلا۔ اس کی آگ تب ٹھنڈی ہو گی۔''

''ہاں پرویز آج میں تیرے ساتھ ضرور چلوں گا۔ تیرا خرچہ بھی آج میرے ذمے'' چرن بولا۔

''تو پھر گلاس میں بچ رہی جلدی اٹھا ورنہ دیر ہو جائے گی۔'' پرویز نے اپنا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔ چرن نے ایک ہی سانس میں ساری غٹک لی۔

گلی میں گھستے ہی دونوں گھپ اندھیرے میں گم ہو گئے۔ نشے میں سرور کے جھونکے کھاتے چرن نے پرویز کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔ ''یہاں تو کچھ نظر ہی نہیں آتا۔''

پرویز نے کہا۔ ''اگر اس گلی میں اندھیرا نہیں ہو گا تو یہاں آئے گا کون؟''

دونوں کے پاؤں اینٹوں پتھروں کو ٹٹولتے آگے بڑھ رہے تھے۔ نالیوں کا دھیان بھی رکھنا پڑ رہا تھا۔ نشے میں گہرا اترتا چرن اپنے دماغ کو جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آج تو وہ آخری حد تک جانے کو تیار تھا۔

ایک مدت سے وہ جس کیچڑ میں لت پت کلبلا تا رہا تھا وہ آج اس کی تہہ میں پہنچنا چاہتا تھا۔

''ٹھہر جا'' پرویز نے آہستہ سے کہا۔ چرن نے آنکھوں پر زور ڈال کر دیکھا ایک دروازہ سا تھا سامنے۔ اندھیرے میں بھی اسے کم اونچی سی کچی دیوار نظر آ رہی تھی۔ اس کوٹھے کے آگے شاید گلی بند تھی۔ پرویز نے آہستہ سے دو بار دروازے کو اسطرح کھٹکھٹایا جیسے ہوا نے چھیڑ خانی کی ہو۔ اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ سناٹا اتنا گہرا تھا کہ دونوں کو بس ایک دوسرے کی سانسوں کی آواز ہی سنائی دے رہی تھی چرن کو ایسا محسوس ہوا کہ اگر تھوڑی دیر اور اسے اس خاموشی اور تیرگی میں کھڑا رہنا پڑا تو اسکی سانس گھٹ جائے گی۔ اس نے پرویز کو پھر سے زور سے دروازہ کھٹکھٹانے کے لئے کہنا چاہا لیکن اس

سے کچھ بولا نہیں گیا۔ پرویز کی خاموشی سے لگتا تھا کہ وہ پوری طرح سے اس اندھیرے کا جانکار ہے۔

چرن کی خماری پل پل گھٹتی جارہی تھی۔ ایک کوارٹر ساتھ لے آتے تو اچھا تھا۔ اس نے سوچا۔ کچھ دیر بعد پرویز نے پھر سے اس طرح دروازے پر دستک کی۔ اندر کچھ آہٹ سی ہوئی۔ کھاٹ کی چولوں نے چیس چیس کیا جیسے کوئی لیٹا ہوا اٹھا ہو۔ پھر دروازے کے قریب آنے والے پیروں کی آواز اور پھر کوئی دروازے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

چرن کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی پر اسرار کہانی کا کردار بن گیا ہے۔ اس کی نظریں دروازے کے ساتھ چپک کر رہ گئی تھیں۔ ابھی دروازہ کھلے گا۔ اسکا رواں رواں بول رہا تھا۔

چٹخنی کھلنے کی آواز ہوئی اور پھر دھیرے سے کسی نے دروازہ کھول دیا۔

پرویز جھٹ سے اندر گھس گیا۔ پیچھے پیچھے چرن بھی۔ گھر والی نے دروازہ پھر سے بند کر دیا اور چٹخنی چڑھا دی۔ اندر بڑی مدھم روشنی تھی۔ لالٹین کی اس روشنی میں اس کا چہرہ بھی ٹھیک طرح سے نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر بھی اتنا تو نظر آہی رہا تھا کہ وہ کوئی لڑکی نہیں بلکہ کم عمر عورت ہے۔ لمبی قمیض اور سُتھن پہن رکھی تھی اس نے۔ دوپٹا نہیں لے رکھا تھا۔ ماتھے پر لال بندی تھی۔ آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔

''بیٹھ جاؤ۔ اس نے چرن کو کھاٹ کے پاس پڑی ایک ٹوٹی پھوٹی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ چرن بیٹھ گیا۔ پھر اس نے پرویز سے ''چلو'' کہا۔ اور اندر کی کوٹھری کا دروازہ کھولنے لگی۔ پرویز نے گردن ہلا کر چرن کو اشارہ کیا کہ پہلے وہ اندر چلا جائے۔ لیکن چرن نے اسی طرح سر ہلا کر نہ کر دی۔ پرویز اندر گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ بند ہو گیا۔

باہر بیٹھا چرن اندر اندھیرے میں ہو رہے کاروبار کے بارے میں اندازے لگانے لگا۔ سوچنے لگا اب تک وہ ننگی ہو چکی ہوگی اور پرویز اس کی کھاٹ پر بیٹھ گیا ہوگا۔ اب پرویز نے اسے کس کر... اس کے آگے وہ کچھ نہیں سوچ سکا۔ دل گھبرانے لگا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں چھوٹتا جارہا ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا جارہا ہے۔ بکھرتا جارہا ہے۔ وہاں پڑی ہر چیز اسے ہلتی، چلتی گھیرے ڈالتی محسوس ہونے لگی۔ سانس تیز ہو گئی۔ اور سارے بدن میں سوئیاں سی چبھنے لگیں۔

اس نے کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہیں سکا۔ اسے محسوس ہوا کہ اگر وہ اٹھے گا تو گر جائے گا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے کئی چہرے ابھر آئے۔ کملا کا چہرہ نظر آیا تو اسے محسوس ہوا کہ اسے دیکھکر وہ ہنس رہی ہے۔ اسکی مسکراہٹ بڑی اجلی اور نئی تھی۔ پھر کملا کے چہرے کے نیچے سے چنچل کا چہرہ ابھر آیا۔ چنچل اسکی چھوٹی بہن توشی کی سہیلی ہے۔ چنچل نے کئی بار اکیلے میں چرن کا ہاتھ پکڑا ہے۔ ایک بار سیڑھیوں میں اکیلا دیکھ کر اس نے چنچل کو کس کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا لیکن ڈر کر

پھر جلدی ہی چھوڑ دیا تھا۔ اپنی نشے سے بوجھل آنکھوں میں اسے چنچل کا چہرہ ڈوبا ڈوبا سا نظر آیا۔ پھر چنچل کی جگہ آنکھوں کے سامنے اس کی بہن توشی آ کھڑی ہوئی۔ اسے زور سے جھٹکا لگا اور اس نے پوری طاقت سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھا نہیں گیا۔ وہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔ جیب میں سے رومال نکال کر منہ پونچھنے لگا۔

اب اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ہی چہرہ تھا اس عورت کا جو ابھی ابھی پرویز کے ساتھ اس اندھیری کوٹھری میں چلی گئی تھی۔ اور اس وقت دونوں اندھیرے میں.... اپنے ریزہ ریزہ ہوئے وجود کو اس وقت سنبھالنا چرن کے لئے مشکل تھا۔

پرویز باہر نکلا۔

''جا چلا جا اندر'' اس نے چرن سے کہا۔

چرن بڑے غور سے پرویز کی طرف دیکھتا ہوا اٹھا۔ پرویز اسے لڑھک جانے سے خالی ہو گئے برتن کی طرح اپنے سے بھی زیادہ ریزہ ریزہ۔ ٹوٹا ہوا۔ بکھرا ہوا نظر آ رہا تھا جیسے اندر سے اور بھی پی کر آیا ہو۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ کوٹ کی ایک بانہہ پہنی ہوئی ایک نکلی ہوئی تھی اور ایک ہاتھ سے پینٹ کی زیپ چڑھا رہا تھا لیکن وہ چڑھ نہیں رہی تھی۔

''جا بھئی'' پرویز نے زپ چڑھاتے ہوئے پھر سے کہا۔

چرن نے اندر وٹھی کے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک کواڑ کھلا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر جھجک گیا۔ پرویز نے پھر پیچھے سے آواز دی ''دیکھ کیا رہا ہے جا اندر۔''

اندر پیر رکھتے ہی اس عورت کی آواز کانوں میں پڑی ''دروازہ بند کر دے۔''

دروازہ بند کر کے وہ مڑا تو گھپ اندھیرے میں اسے کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرف آگے بڑھے اور یہ کوٹھری کس طرف آگے بڑھتی ہے۔ جس سمت اس کا منہ تھا وہ اس طرف آگے بڑھنے لگا۔ ابھی دو قدم ہی بڑھائے ہوں گے کہ گھٹنوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اسے اپنا کوٹ بھی کھینچا جاتا محسوس ہوا۔ ساتھ ہی آواز آئی ''یہاں بیٹھ جا۔''

کوٹ اتار کر اس نے ایک طرف رکھا۔ لیکن اسے معلوم نہیں ہوا کہ اندھیرے میں اس نے کوٹ کو کس جگہ رکھا ہے۔ پھر وہ کھاٹ پر بیٹھ کر بوٹ کھولنے لگا۔ بوٹ کھول کر وہ سیدھا ہونے ہی لگا تھا کہ لیٹی ہوئی اس عورت نے اسے کھینچ لیا۔ اسے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ چرن کو اپنے ہاتھ اس کے ننگے بدن پر محسوس ہوئے تو وہ چونک اٹھا اور پھر دھیرے دھیرے وہ کسی گہری گپھا میں اترتا چلا گیا۔

نیند کھل گئی تھی اور رضائی میں گھسے چرن کا من سگریٹ پینے کا ہو رہا تھا۔ رات سونے سے پہلے ہی سگریٹ کی ڈبی خالی کر کے اس نے پھینک دی تھی۔ اب طلب محسوس ہو رہی تھی لیکن لحاف کی گرمی اور ٹوٹے خمار کا آلس اسے اٹھنے نہیں دے رہا تھا۔ آخر طلب اتنی بڑھ گئی کہ اس سے رہا نہیں گیا۔ ایک جھٹکے سے اس نے رضائی سر کے نیچے سے نکالی اور پیر مار کر اسے پیروں کی طرف اچھال دیا۔ سردی کی ایک لہر جھرجھری سی پیدا کر گئی۔ جمائی لیتے لیتے رک گیا۔ فوراً سوئٹر پہن کر وہ کھاٹ سے نیچے اترا اور چپلیں پہننے لگا۔ اسی وقت ''رام رام سیارام'' جپتی ماں مندر سے لوٹی اس کے ایک ہاتھ میں چھوٹا سا کرنڈو تھا جس میں کچھ پھول تھے۔ پرساد تھا اور دھوپ دانی تھی۔ دھوپ سلگ رہا تھا۔ ماں کو دیکھتے ہی چرن نے جان لیا کہ ساڑھے آٹھ بج گئے ہیں ماں رسوئی کے پاس پہنچی تو چرن باہر نکلنے لگا۔ ماں نے آواز دی۔ پرساد تو لیتا جا۔''

وہ رک گیا کلا کرنے کے لئے غسل خانہ میں گیا تو دیکھا توشی پہلے ہی وہاں بیٹھی برش کر رہی تھی۔ جس طرح سے وہ برش کر رہی تھی وہ سمجھ گیا کہ آج وہ دیر سے اٹھی ہے اور کالج لیٹ پہنچنے کا ڈر ہے اسے۔ اس کے ہاتھ مشین کی طرح چل رہے تھے۔

''ڈراما ختم ہونے کے بعد تم کہاں چلے گئے تھے بھیا؟ توشی نے پوچھا۔ ''کام تھا۔ سارا حساب کتاب باقی تھا۔'' کہہ کر اس نے کلا کیا اور منہ پر چھینٹے مارنے لگا۔

''اچھا ناٹک تھا'' سب تعریف کر رہے تھے۔ چنچل کو تو بہت پسند آیا خاص طور پر تمہاری ایکٹنگ''۔ پھر توشی کو جیسے خیال آیا کہ وہ لیٹ ہو چکی ہے۔ اور پھر سے جلدی جلدی برش کرنے لگی۔

غسل خانے سے نکل کر چرن انگوچھے سے ہاتھ پونچھنے کے لئے دالان کے پاس پہنچا تو باؤجی اسی وقت باہر آرہے تھے۔ چرن کو دیکھ کر انہوں نے منہ پھیر لیا۔ چرن کو معلوم ہے کہ وہ کسی ڈرامے میں پارٹ کر کے آتا ہے باؤجی اس سے دو تین دن بات نہیں کرتے۔ ساری برائیوں کی جڑ وہ ڈرامے کو مانتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ چرن اگر ان کاموں میں نہیں پڑا ہوتا تو اس نے پڑھائی نہیں چھوڑی ہوتی۔ کالج کے پہلے سال میں پڑھائی چھوڑ دینا بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟ لیکن یہ سارا جھگڑا اب پرانا ہو چکا ہے۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ چرن کسی کام پر لگ جائے لیکن انہیں معلوم ہے کہ کام پر لگنا اتنا آسان نہیں۔ انہوں نے خود بھی بڑی کوشش کی تھی لیکن کچھ نہیں بنا۔ چرن بھی کوشش کر رہا ہے۔ وہ جانتے ہیں پھر بھی چرن کے ڈرامے سے انہیں بڑی چڑ ہے۔

چرن دوسری بار باؤجی کی طرف نہیں دیکھ سکا۔ جلدی جلدی ہاتھ منہ پونچھ کر وہ پرساد لینے کے لئے ماں کے پاس جا کھڑا ہوا۔

''رات تو نے روٹی بھی نہیں کھائی'' ماں نے کشمش کے کچھ دانے اسکی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔'' میں کہیں کھا آیا تھا۔'' چرن نے جواب دیا اور کشمش منہ میں ڈال کر باہر نکل گیا۔'' بھلّے دی ہٹی'' پہنچتے ہی اس نے سگرٹ کی ڈبی ایک کپ چائے اور دو ابلے ہوئے انڈوں کا آرڈر دیا۔ رات روٹی نہ کھانے کے سبب اس وقت بھوک لگی ہوئی تھی۔ اس کے آڈر دینے کے ڈھنگ سے ہی بھلاّ سمجھ گیا کہ آج مال مل سکتا ہے۔ سگرٹ کی ڈبی دیتے ہوئے نرمی سے عرض گذاری۔'' چرن جی آج کچھ امید ہے؟''

'' کیوں نہیں'' کہہ کر چرن نے سگرٹ سلگایا اور جیب میں سے پانچ کا نوٹ نکال کر بھلّے کے آگے اس طرح بڑھایا جیسے اس کے لئے یہ نوٹ کسی گنتی میں نہیں۔

ریڈیو سیلون پر بج رہے فلمی گیت بھلّے دی ہٹی کی چائے اور چار مینار کے کش۔ عجیب نشہ ہے ان تینوں چیزوں کے کمبینشن میں۔ اس کے ہونٹ بھی ساتھ ساتھ گانے لگے۔ پیروں نے تال دینا شروع کر دیا۔ رانی کی یادیں دھیرے دھیرے ابھرنے لگیں۔ اسے لگا کہ رات اس نے کوئی خواب دیکھا تھا۔'' کیسی عجیب بات ہے'' وہ سوچنے لگا بیتی ہوئی بھی کیسے نہ بیتی ہوئی لگتی ہے۔ اندھیرے کے اس سورگ کا گواہ کوئی نہیں تھا۔ اس کی اپنی آنکھوں نے بھی تو کچھ نہیں دیکھا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ ابھی اتنے پیسے تھے کہ وہ آج پھر اس اندھیری گلی میں جا سکتا تھا۔

'' سنا بھئی چرن؟ مدن نے آتے ہی پوچھا۔'' رات تیرا کام سر چڑھا کہ نہیں؟

چرن نے مسکرا کر سگرٹ کا دھواں اس کے منہ پر مارتے ہوئے کہا'' میں آج پھر وہاں جا رہا ہوں۔''

'' واہ جواب نہیں تیرا زندگی کی پہلی سہاگ رات تو نے منالی۔ چل اس خوشی میں آج چائے پلا۔''

چرن نے آواز دے کر بھلّے کو چائے کا آڈر دیا اور اسے پوچھا۔ تو اس وقت کہاں سے آ رہا ہے؟ آج بڑا بنا ٹھنا ہوا ہے''

'' میں اپنے مکہ شریف گیا تھا۔ حج کر کے آ رہا ہوں''

'' خدائے وقت کے دیدار ہوئے؟''

'' دیدار کئے بغیر میں واپس کیسے آ سکتا تھا۔ آج تو کمال ہو گیا''

'' کیا ہوا؟''

'' پرائم منسٹر کی کوٹھی پر آج زیادہ لوگ نہیں تھے۔ میں بھی لیٹ ہو گیا تھا۔ ادھر میں پہنچا ادھر

پرائم منسٹر صاحب اندر سے باہر نکلے۔ میں نے سلام گذارا۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ میں جھٹ آگے ہوا۔ مجھے کندھے سے پکڑ کے انہوں نے زور سے میری پیٹھ پر گھونسا مارا۔''

''گھونسا مارا؟ بخشی صاحب نے؟'' چرن حیران ہوا۔

''ہاں یار اتنے زور سے مارا کہ وہاں جتنے لوگ تھے وہ سارے میری قسمت پر عش عش کر اٹھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری پیٹھ میں کوئی کھونٹا گڑ گیا ہے لیکن میں نے اپنا درد کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا سب کی آنکھوں میں یہی خواہش تھی کہ ایسا ایک گھونسا ان کی پیٹھ پر بھی پڑے۔ گھونسا مار کر پرائم منسٹر صاحب نے مجھے تھپکی دی۔ آج میں بہت خوش ہوں۔''

اتنی دیر میں چائے آگئی۔ مدن نے چائے کا گھونٹ بھرا اور پھر سے بولنا شروع کیا۔'' میں اس لئے خوش ہوں کہ آخر پرائم منسٹر صاحب نے مجھے پہچاننا شروع کر دیا ہے۔ میری تپسیا سپھل ہونے لگی ہے۔ نوکری ملی کہ ملی ہی سمجھو۔''

''وہاں اور بھی تو امیدوار ہوتے ہوں گے؟''

''بہت۔ لیکن میرا ڈھنگ سب سے الگ ہے۔ دوسرے لوگ یہ سوچ کر جاتے ہیں کہ انہیں ابھی نوکری مل جائے گی۔ بخشی صاحب کو آگے بڑھ بڑھ کر اپنی کوالیفکیشن بتاتے ہیں۔ بخشی صاحب انہیں ٹالنے بہلانے کے لئے جو بہانے بناتے ہیں انہیں جمع کر کے ایک دلچسپ کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ میرے بارے میں انہیں کچھ معلوم ہی نہیں۔ ہاں اتنا تو وہ بھی ضرور جان گئے ہوں گے کہ میں بھی کوئی مقصد لے کر روز صبح سویرے ان کے آستانے پر سجدہ کرنے جاتا ہوں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ میں کب تک اپنا مقصد انہیں نہیں بتلاتا اور میں انتظار کر رہا ہوں کہ وہ کب تک نہیں پوچھتے۔''

چرن کو معلوم ہے کہ مدن کو نوکری حاصل کرنے کا یہ ڈھنگ ایس۔ پی کھجوریا نے بتایا ہے جس نے خود بھی اس طرح حاضریاں دے دے کر اور سلام کر کر کے نوکری پکی کی ہے۔ آج یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ اس نے گھونسے بھی کھائے ہوں گے تب ہی تو وہ بات بات پر غریب کمزور پر ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ پہلے مدن نے چرن کو بھی الجھانا چاہا لیکن چرن کو یہ طریقہ کچھ جچا نہیں وہ تو بس سرکاری دفتروں کا چکر لگا آتا ہے اور پوچھ لیتا ہے کہ کوئی جگہ خالی ہے یا نہیں۔ دل ہی دل میں وہ جانتا ہے کہ صرف پوچھنے سے خالی جگہ کی جانکاری نہیں مل سکتی۔ اس لئے دوسروں کے منہ سے یہ سن کر کہ کوئی جگہ خالی نہیں'' اسے کبھی افسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی بات سچ ثابت ہونے پر اسے تسلی ملتی ہے۔

مدن نے چائے کا آخری گھونٹ پیا اور بولا۔'' میں آج ایک قدم اور آگے بڑھا رہا ہوں۔

مجھے پتہ لگا ہے کہ پرائم منسٹر صاحب آج آر ایس پورہ جا رہے ہیں۔ یہاں سے ایک گھنٹے کا راستہ ہے۔ اگر میں ان سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں اور ان کے پہنچتے ہی سلام ٹھونک دوں تو وہ میری مستعدی اور وفاداری سے اور بھی خوش ہوں گے۔ میں ان کی نظروں میں اور بھی چڑھ جاؤں گا۔ تیرا کیا خیال ہے۔ میں جاؤں کہ نہیں؟

''مجھے تو یہ سب کھیل تماشا لگتا ہے۔'' چرن بولا۔

''میں اس میں ایڈونچر فیل کرتا ہوں۔''

''تو جا پھر۔''

''ابھی ٹائم ہے۔''

پھر وہ دونوں فلمی گانوں کا پروگرام سنتے رہے۔ دیر بعد وہ وہاں سے نکلے تو مدن نے پوچھا۔

''تیرا کیا پروگرام ہے؟''

''دوپہر میں پرویز کے پاس جانا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کا چاچا غلام محمد کوئی جگت بھڑا کر کہیں اٹکا ہی دے۔ نہیں تو لارے تو لگا ہی رہا ہے۔''

گلی کے موڑ پر پہنچ کر چرن گھر کی طرف چل دیا اور مدن گھڑی دیکھتے ہوئے سوچنے لگا کہ اب آر ایس پورہ کی بس پکڑ لینی چاہئے۔''

☆

توشی نے چوٹی کر کے آخری بار پھر سے شیشے میں دیکھا۔ ''سب کچھ ٹھیک ہے۔'' سوچ کر اس نے کتابیں اٹھالیں۔ اسی وقت رسوئی میں سے ماں کے پکارنے کی آواز سنائی دی۔''

''توشی روٹی ڈالی ہوئی ہے۔''

اس نے کتابیں پھر سے میز پر رکھ دیں۔ سامنے گھڑی کی طرف دیکھا دس بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔ جلدی سے وہ رسوئی میں پہنچی۔ لالہ ہردیال روٹی کھانے بیٹھے ہوئے تھے اور چرن کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ ''لڑکے کے رنگ ڈھنگ ٹھیک نہیں۔''

ساوتری پھلکے پر گھی لگاتے ہوئے بولی '' آپ نے کیوں نہیں اس کے لئے کہیں نوکری کا بندوبست کیا؟''

''اگر میرے ہاتھ میں کچھ ہوتا تو کیا میں کرتا نہیں۔ ایک دو جگہ پتہ چلا تھا۔ تو کیا میں نے اسے بھیجا نہیں۔ بے پرواہ اگر کچھ دھیان دیا ہوتا تب نہ۔ چاروں پہر ڈرامے کی پڑی رہتی ہے۔ اسے۔''

''روز شام کو آپ کا بھی تو سارا وقت ٹھیکدار کی بیٹھک میں برباد ہوتا ہے۔ چاہو تو اس وقت چرن کے لئے یہاں وہاں نہیں جا سکتے؟ لیکن آپ کو بھی ایسا چسکا لگا ہوا ہے کہ...'' ساوتری سے آگے کچھ کہا نہیں گیا۔ توشی کی تھالی میں سبزی ڈالتے ہوئے اس نے توشی کی طرف دیکھا تو اسے توشی کے کانوں کے پاس اس کے کچھ بال کٹے ہوئے نظر آئے۔ ادھر ہی غور سے دیکھتے دیکھتے وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گئی۔

توشی نے جان لیا کہ ماں کیا دیکھ رہی ہے۔ منہ موڑ کر وہ اور بھی جلدی جلدی روٹی کھانے لگی۔ ٹھیکدار کی بات آنے پر لالہ ہردیال نے گھبرا کر لڑکی کی طرف دیکھا اور اسے گردن جھکائے بیٹھی دیکھ کر انہیں تھوڑی تسلی ہوئی کہ لڑکی کا دھیان ماں کی باتوں کی طرف نہیں تھا۔

کسی طرح دو روٹیاں نگل کر توشی جھٹ سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ لالہ ہردیال ناراض ہوتے ہوئے بولے۔ ''جوان بیٹی کے سامنے تو کچھ سوچ سمجھ کر بولا کر۔''

''میں نے کیا کہا؟'' ساوتری نے تڑاق سے جواب دیا۔ ''اگر آپ کو بیٹی کے سامنے ٹھیکدار کا نام لینا بھی پسند نہیں تو روز وہاں پھیرے کیوں لگاتے ہو؟''

''لوگوں نے خوانخواہ باتیں بنالی ہیں۔'' ہردیال جھنجھلا کر بولے۔

☆

توشی گلی میں پہنچی۔ چنچل کھڑکی میں کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ دیکھتے ہی باہر آ گئی۔

''آج پھر دیر کر دی تو نے؟''

''کیا کروں؟''

''نہ جانے کیا کرتی رہتی ہے۔''

''رات ناٹک دیکھ کر آئے تو مجھے نیند نہیں آئی۔ اور جب نیند آنے لگی تو چرن بھیا نے دروازہ کھٹکھٹا دیا۔''

''اتنی دیر کہاں رہا وہ؟''

''مجھے کیا معلوم۔ اس وقت دو تو بجے ہوں گے۔''

''اچھا ہم تو گیارہ بجے ہی پہنچ گئے تھے۔ لیکن ڈراما بہت اچھا تھا۔ تمہارے بھیا نے تو کمال ہی کر دیا۔''

''میں نے تو بھیا کو کہہ دیا ہے کہ چنچل کو تیرا پارٹ بہت اچھا لگا۔ بڑی تعریفیں کر رہی تھی۔''

کیا ضرورت تھی کہنے کی؟'' یہ کہتے ہوئے چنچل مسکرا دی اور ساتھ ہی توشی بھی چنچل کو اچھا لگتا

ہے جب توشی کوئی ایسی بات کرتی ہے جس میں اس کے اور چرن کے انجان اور بے نام رشتے کا اشارہ ہو۔ یہ بات توشی کو معلوم ہے اور اسی لئے وہ موقع دیکھ کر ایسی باتیں ضرور کرتی ہے۔

دونوں گلی میں سے نکل کر سڑک پر آ پہنچیں کالج دور تھا۔ چنچل بولی ''تو ہر وقت اپنے بھیا کے ساتھ میری ہی بات کیوں کرتی ہے۔''

''اس لیے کہ وہ ہمیشہ میرے ساتھ تیری ہی بات کرتا ہے۔'' کہہ کر توشی نے چنچل کی طرف بڑے غور سے دیکھا۔

''جھوٹی کہیں کی'' چنچل ہنس دی۔

توشی کو اچانک کچھ یاد آ گیا۔ ''اری تو نے دیکھا ناٹک کے دوسرے ایکٹ میں کملا نے کیسے بھیا کا بازو پکڑ لیا تھا۔''

''ہاں امی'' چنچل کو بھی یاد آیا مجھے تو بڑی ہی شرم آئی۔ کتنی بے حیا نکلی وہ تو نے دیکھا نہیں چرن بھیا بھی کیسے شرما گیا تھا۔''

''وہ تو ہے ہی ایسے گھر کی'' توشی کو سچ ہی بڑا غصہ آ رہا تھا۔ ''اس کی ماں کو نہیں دیکھا نیشنل کانفرنس کے سکرٹری کے ساتھ لگی بیٹھی کیسے چپڑ چپڑ باتیں کر رہی تھی۔ اسے خوش کرنے کے لیے ہی تو اس نے یہ ڈراما کروایا ہے تاکہ ممبر اسمبلی بن سکے۔ شرم بھی نہیں آتی اپنی بیٹی کو اسٹیج پر نچاتے۔''

''تجھے یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہیں؟

''کل شام جب میں ڈراما دیکھنے جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی اس وقت باؤجی کا پارا بہت چڑھا ہوا تھا۔ نہ جانے کس کس کا نام لے کر گالیاں دے رہے تھے۔ جب انہوں نے وملا رازدان دیو کا نام لیا تو میں سمجھ گئی کہ یہ سب کچھ کس کے بارے میں ہے۔'' پل بھر چپ رہنے کے بعد توشی پھر بولی۔

''اری آج ماں پھر ٹھیکیدار کی بات کرتے کرتے رک گئی کیونکہ میں سامنے تھی۔ باؤجی کو بھی بہت غصہ آیا۔ ماں کو باؤجی کا ہر روز ٹھیکیدار کی بیٹھک میں جانا پسند نہیں اور باؤجی وہاں جائے بغیر نہیں رہ سکتے۔''

دفتر سے گھر آ کر چائے پیتے ہیں اور پھر سیدھے ٹھیکیدار کی بیٹھک میں رات کہیں دس گیارہ بجے لوٹتے ہیں۔ نہ جانے وہاں کیا کرتے رہتے ہیں۔ تاش واش کھیلتے ہوں گے۔''

''میری بے جی کسی سے بات کر رہی تھیں کہ وہاں سب لوگ شراب پیتے ہیں۔''

''میرے جاؤجی تو نہیں پیتے۔''

تب ہی کالج کا پھاٹک آ گیا۔

''ادھر دیکھ۔'' توشی نے کہنی مارتے ہوئے دور کھڑے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔'' آج پھر کھڑا ہے۔''

چینچل بولی۔'' روز تیرا انتظار کرتا ہے۔ کچھ سوچ اس کے بارے میں۔''
''سوچتی ہے میری جوتی! شکل تو دیکھ۔ روٹھا ہوا بندر کہیں کا۔''
چینچل ہنس دی۔ پھر دونوں پھاٹک کے اندر داخل ہو گئیں۔

☆

مدن سے الگ ہو کر چرن جب گھر کے پاس پہنچا تب گلی کے دوسرے سرے پر اسے توشی اور چینچل کالج جاتی نظر آئیں۔ افسوس ہوا کہ دو منٹ پہلے کیوں نہیں یہاں پہنچا۔ چینچل سے ملاقات ہو جاتی۔ اس نے ضرورات کے ناٹک کی بات کرنی تھی۔ اچانک ہی اسے خیال آیا کہ جب اسٹیج پر کملا نے اس کا بازو پکڑا تھا تو چینچل نے بھی دیکھا ہوگا۔ کیا سوچا ہوگا اس نے؟ انہیں خیالات میں گم وہ گھر میں گھسا تو ساوتری کی آواز کانوں میں پڑی۔
'' بیٹے جلدی نہا لے۔ پھر پانی نہیں رہے گا۔''
'' نہا لیتا ہوں۔'' کہکر وہ غسل خانے میں گھس گیا۔ نہانے کا من ہو رہا تھا۔ کپڑے اتار کر ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ اچانک ہی اسے رات کا ان دیکھا نظارہ یاد آیا۔ ہاتھ میں لوٹا پکڑا ہی رہ گیا اور وہ ایک تناؤ میں جکڑ گیا۔ جیسے دورہ پڑنے سے ہاتھ پیر جکڑ گئے ہوں۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ پھر اسی گہری گھپا میں ڈوبتا جا رہا ہے۔ گھبرا کر اس نے سر پر لوٹے سے ٹھنڈا پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ نہا کر باہر نکلا تو وہ خود کو پھول جیسا ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ ٹھنڈے پانی نے جیسے بدن میں ٹھنڈک بھر دی تھی۔ رسوئی میں موڑھے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھا تو ساوتری نے اس کے آگے تھالی سرکائی۔
'' تیرے باؤجی کا مزاج زیادہ ہی گرم ہو گیا ہے۔ کتنی بار کہا کہ تیرے اوپر اتنا ناراض نہ ہوا کریں لیکن.....''
'' اصل میں وہ مجھے کام نہ کرتے دیکھ کر جھنجھنا اٹھتے ہیں۔'' چرن بولا۔'' وہ سمجھتے ہیں کہ میں ڈرامے کے چکر میں نوکری نہیں کرتا۔''
'' مجھے بھی یہی کہہ رہے تھے۔''
''نہیں ماں نوکری ملتی کہاں ہے۔ ڈرامے تو میں اس لیے کرتا ہوں کہ دل لگا رہے۔ نوکری کے لیے بہت بڑی سفارش کی ضرورت پڑتی ہے۔''

''کون کرے گا تیری سفارش؟''

''ہے ایک مسز راج دیو جس کی لڑکی نے کل میرے ساتھ ڈرامے میں ہیروئن کا پارٹ کیا تھا۔ اسی نے کل کہا تھا۔ اوپر تک اس کی پہنچ ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ مجھے جلدی ہی نوکری دلا دے گی۔

''بیٹا میں نے تو سنا ہے کہ وہ بڑی بدچلن اور بدنام عورت ہے۔''

''تجھے کس نے بتایا؟''

''تیرے باؤجی ہی بتا رہے تھے۔''

''باؤجی کو دوسرے کی بدنامی جلدی نظر آجاتی ہے۔'' نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے چرن جھنجھلا گیا۔'' وہ بدنام ہے بھی تو کیا۔ مجھے تو نوکری چاہیے جو بغیر رشوت دیئے یا بڑی سفارش کے بنا نہیں ملتی۔''

''تو نے ٹھیک کہا۔ تیرے باؤجی کو ویسے بھی ایسی عورتوں کے بارے میں جلد خبر مل جاتی ہے۔'' ماں کی بھولپن سے بھری بات سن کر چرن کا ہنسنے کو من ہوا لیکن اس نے ہنسی کو اندر ہی روک لیا۔

☆

فائلوں کے ڈھیر کے نیچے دبے ہوئے پرویز کو سانس لینے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ جب بھی اسے اپنی کچھ خاص فائلیں اوپر سے پاس کروانی ہوتی ہیں۔ اسے کئی طرح کی بے کار فائلیں بھی ہینڈل کرنی پڑتی ہیں۔ اگر وہ فائلوں کا ڈھیر میڈم کے سامنے نہیں رکھے گا تو خاص طور پر آگے بڑھائی گئی فائلیں صاف نظر میں آجائیں گی۔

چپراسی نے آکر کہا۔'' میڈم آپ کو بلا رہی ہیں۔''

وہ اٹھا۔ اسی وقت دروازے میں سے گوپال آتا نظر آیا۔

'' آؤ پروفیسر صاحب میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ آپ بیٹھو میں دو منٹ میں اندر سے ہو کر آتا ہوں۔'' کہہ کر وہ میڈم کے کمرے کی طرف چل دیا۔

گوپال کرسی پر بیٹھ گیا۔

نہ جانے کیسے اندر داخل ہوتے ہی پرویز نے محسوس کر لیا کہ اس وقت میڈم نے اسے کسی خاص بات کے لیے بلایا ہے۔

وہ بیٹھ گیا میڈم وہی فائل دیکھنے میں مصروف تھی جو آدھا گھنٹا پہلے اس نے اندر بھیجی تھی۔ وہ جانتا تھا اس فائل میں ان کے اگلے دورے کی تفصیل تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی ہو سکتا ہے

اسے بھی دورے پر ساتھ جانے کے لیے کہا جائے۔ وہ بڑے غور سے میڈم کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ دودھ جیسا سفید رنگ سرخ گال صرف دو چھوٹی سی جھریاں ہیں جو اصل عمر کی چغلی کھا رہی ہیں۔ لیکن چھوٹی سی طوطے کی چونچ جیسی ناک اور بڑی بڑی آنکھوں نے بڑھاپے کو نہ ماننے کی قسم کھا رکھی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے سارے خدوخال آپس میں سر ملا کر بات چیت کر رہے ہوں۔ کوئی عمر چھپا رہا ہے کوئی جوانی ابھار رہا ہے۔ کانوں میں بڑے بڑے جھمکے ہیں۔ ساڑی کا پلو ڈھلکا ہوا ہے اور بلاوز کا گلا اتنا کچھ چھپا نہیں رہا جتنا ظاہر کر رہا ہے۔

اچانک میڈم نے فائل بند کر کے جھکے سر کو اوپر اٹھایا اور پرویز سے کہنے لگی۔ ''کل صبح میں نوشہرہ کو دورے پر جا رہی ہوں۔ تمہیں ساتھ چلنا پڑے گا کچھ کیسوں کا فیصلہ موقع پر ہی ہو جائے تو اچھا ہے رات ہونے سے پہلے ہی آ جائیں گے۔''

''او.کے. میں کل دفتر آتے ہوئے اپنا سامان بھی ساتھ لے آؤں گا۔'' کہہ کر پرویز اپنے کمرے میں آیا تو دیکھا گوپال کے ساتھ چرن بھی بیٹھا ہوا ہے۔

''کیا بات ہے اپنے آپ ہی مسکراتا جا رہا ہے؟'' گوپال نے پرویز سے پوچھا۔

''کچھ نہیں'' کہہ کر پرویز بیٹھ گیا۔ گوپال اور چرن دونوں پرویز کے کچھ نہیں کہنے پر راضی نہیں ہوئے۔ انہیں پرویز کی مسکراہٹ صاف نظر آ رہی تھی اور مسکراہٹ میں کسی راز کا اشارہ تھا۔ دائیں بائیں دیکھتے ہوئے پرویز دھیرے سے بولا'' میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ ایک دن میڈم مجھے اپنے ساتھ دورے پر لے جائے گی۔ کل وہ نوشہرہ جا رہی ہے مجھے ساتھ لے کر۔ ایک رات وہاں رہنے کا پروگرام ہے۔''

چرن اور گوپال بھی مسکرانے لگے۔ ان کے من کی اتھل پتھل ختم ہو گئی۔ لیکن دونوں اندر ہی اندر جل بھن کر رہ گئے۔ بھلے ہی وہ پرویز سے میڈم کے بارے میں سنتے رہتے تھے اور چٹخارے بھی لیتے رہتے تھے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک دن اس کے دل کی مراد سچ مچ پوری ہو جائے گی۔ پھر بھی اوپر سے ''جی او جی'' کہہ کر گوپال نے پرویز کی پیٹھ پر تھپکی دی اور چرن نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا جیسے مبارکباد دے رہا ہو۔

''ایک نقصان بھی ہو گیا۔'' پرویز بولا۔

''کیا؟'' گوپال نے پوچھا۔

''کل شام اس کے ساتھ اپنا ٹائم فکس ہو گیا تھا۔''

''کس کے ساتھ؟ چرن پوچھا۔

پرویز نے پھر سے آواز دھیمی کر لی۔ ''آشا لتا کے ساتھ۔ اس کی ٹرانسفر کا آرڈر میں نے نکلوادیا ہے۔ اب وہ اپنے گاؤں کے اسکول میں ہی پڑھایا کرے گی۔ آج صبح ہی اس کا سندیسا ملا تھا کہ وہ کل یہاں پہنچ رہی ہے اور پرسوں اپنے گاؤں چلی جائے گی کل رات کا کھانا میرا اس کے گھر تھا۔ لیکن کل رات تو ہم نوشہرہ میں ہوں گے۔ مطلب یہ کہ اب ہم کبھی بھی اس گنگا میں غوطہ نہیں لگا سکیں گے۔''

''گنگا نہیں تو کیا ہوا دریائے جہلم میں ڈبکی لگاؤ۔ لطف اٹھاؤ موج کرو۔ خوش رہو۔'' کہہ کر گوپال ہنس دیا چرن بھی ہنسا لیکن اس کی ہنسی کچھ بجھی بجھی تھی۔ پرویز نے اس کی طرف دیکھا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس نے چرن کو ابھی پہلی بار دیکھا ہے۔ اسکا ہاتھ پکڑ کر بولا ''ہیلو مائی ڈیر چرن ہاؤ آر یو؟ رات کا نشہ ابھی باقی ہے یا نہیں؟

''ایسا چڑھا ہوا ہے کہ پوچھ نہیں۔'' گوپال نے جواب دیا۔ ''حضرت کہہ رہیں کہ آج پھر اس کوچے کی خاک چھاننی ہے۔''

پرویز نے تعریف بھری نظروں سے چرن کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیوں چرن صاحب آج ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کا اردہ ہے کہ نہیں؟''

''بالکل نہیں آج مابدولت اکیلے ہی وہ دریا پار کریں گے۔''

تینوں ہنس دیئے۔ ہنسی تھمی تو گوپال نے کھسر پھسر کرتے ہوئے کہا۔ پرویز تو دورے پر جا رہا ہے وہاں میڈم کے ساتھ ناٹک کے بارے میں بات کرنے کا اچھا موقع ملے گا۔ سوشل پلے ہے۔ لڑکیوں کے لیے اچھی ایجوکیشنل ویلیوز ہیں اس میں اگر میڈم چار پانچ شو کا انتظام کر دے تو موج بہار ہو جائے گی۔ سب کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔''

''بات کروں گا'' پرویز نے کہا

''میں چلتا ہوں۔'' گوپال اٹھ کھڑا ہوا۔ شام کوئی اسٹال پر ملیں گے کیوں چرن صاحب آپ کے درشن ہوں گے یا نہیں؟''

''کوشش کروں گا۔'' چرن نے ویسے ہی ایکٹنگ کرتے ہوئے جواب دیا۔

گوپال چلا گیا۔ پرویز نے پوچھا۔ ''تو سچ ہی آج جا رہا ہے؟''

''ہاں۔'' چرن نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یار عجیب حالت ہوگئی ہے اس کا خیال دماغ سے نکلتا ہی نہیں میں ابھی وہاں اسی کوٹھے میں ہوں۔ میرا دماغ سن ہو گیا ہے۔ آنکھوں کو کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا۔''

''تیرا تو علاج ہونا چاہیے۔''

''بس اسی لیے تو آج بھی وہاں جا رہا ہوں۔ زہر کا علاج زہر ہی ہے۔''

''یہ علاج بھی تب ہوتا ہے جب پیسے ہوں۔''

''آج تو ہیں۔ کل دیکھا جائے گا۔'' اچانک ہی چرن کو کچھ یاد آ گیا۔ یار وہ میری اپلی کیشن کا کیا بنا؟''

''میں خود اوپر پہنچا کر آیا تھا۔ دو چار دن اور لگیں گے پتا لگنے میں مجھے کچھ اتنی امید نہیں۔''

''کیوں؟''

''کوئی سفارش بھی تو چاہیے ہوتی ہے۔''

''میں نے مسٹر راج دیو سے بات کی تھی۔''

''اگر وہ نیشنل کانفرنس کے سکرٹری کو کہہ دے اور سکریٹری صاحب کو اشارہ بھی کر دیں تو فورا کام بن سکتا ہے۔''

''کوشش تو کر رہا ہوں۔'' چرن ناامیدی کے موڈ میں بولا۔ ''نیشنل کانفرنس کا سکرٹری اس افسر کو کہے گا اور افسر نوکری دے گا۔ یار گورنمنٹ چل کیسے رہی ہے؟''

''ایسی باتیں سوچے گا تو دماغ خراب ہو جائے گا۔''

اسی وقت چپراسی نے آ کر پرویز سے کہا۔ ''میڈم بلا رہی ہے۔''

''اچھا میں چلتا ہوں۔'' چرن اٹھ کھڑا ہوا۔

☆

مدن سوچ رہا تھا۔ وہ ایسے ہی نیا سوٹ پہن کر آر۔ ایس پورہ چلا آیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہاں اتنی دھول اڑتی ہے۔ اس نے آج پہلی بار اس قصبہ کو دیکھا تھا۔ بے شک جموں سے کوئی بیس میل ہی دور تھا۔

رومال سے کوٹ کے کالر اور کندھے جھاڑتا ہوا وہ بس کے اڈے سے باہر نکل کر سیدھی سڑک پر چل دیا۔ اکا دکا جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں دروازے بھی بنے ہوئے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ پرائم منسٹر کے سواگت کی تیاری ہے۔

تھوڑی دور آگے دکانیں شروع ہو گئیں۔ یہ پوچھنے کے لئے کہ جلسہ کس جگہ ہوتا ہے وہ ایک چائے والے ڈھابے میں گھس گیا۔ داخل ہوتے ہی محسوس ہوا جیسے وہ کسی ڈبے میں بند ہو گیا ہے۔ ایک کونے میں تین آدمی پہلے سے ہی بیٹھے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ چائے پینے کے لیے نہیں بلکہ لوگوں

سے ڈر کر وہاں چھپے ہوئے تھے۔ مدن کو ان کے سامنے ہی ایک طرف بیٹھنا پڑا۔ ایک لڑکے نے آ کر پوچھا۔ ''کیا لاؤں؟''

''چائے کا ایک کپ لے آ۔''

''ساتھ کچھ؟''

''کچھ نہیں۔''

لڑکا چلا گیا۔ یہ دیکھ کر کہ سامنے بیٹھے ہوئے لوگ جلسے کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ وہ کان لگا کر ان کی باتیں سننے لگا۔

ان میں سے سب سے سیانا نظر آنے والا آدمی کہہ رہا تھا۔

''پرائم منسٹر صاحب کی ہاں میں ہاں ملا کر ہی ہم اپنا کام نکال سکتے ہیں۔ سنگت رام تو ناحق جوش میں آ کر ان سے الجھ رہا ہے۔ بھلا سرکار سے ٹکر لے کر بھی کوئی کچھ کر سکتا ہے؟''

''میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں۔'' دوسرا بولا۔ اس نے اپنی مٹھی میں ایک طرف سگرٹ دبا رکھی تھی۔ بات کر کے دوسری طرف منہ کر کے کش لگانے لگا جیسے چلم پی رہا ہو۔ تیسرا آدمی جو ابھی جوان تھا اور مدن کے قریب بیٹھا تھا بولا۔ ''مجھے آپ کی باتوں میں کوئی دم نہیں لگتا۔ ہمیں ہی تو اپنے حقوق کے لئے لڑنا ہے۔ پرائم منسٹر صاحب کے کہنے پر ہم نے اگر رام سرن کو اپنا لیڈر چن لیا تو کچھ ہونے والا نہیں۔ وہ تو اول درجے کا خوشامدی ٹٹو ہے۔ اس نے صرف اپنا الو سیدھا کرنا سیکھا ہے۔ سنگت رام بھی تو آخر نیشنل کانفرنس ہے پرائم منسٹر صاحب اس سے ڈرتے ہیں۔ انہیں پتا ہے کہ اگر سنگت رام منسٹر بن گیا تو بے جھجک ہو کر لوگوں کی بھلائی کے لیے لڑے گا۔ موقع پڑے گا تو انہیں ہی کھری کھری سنائے گا۔ ہم مورکھ لوگ ہیں۔ اپنے خیر خواہ کو نہیں پہچانتے اور جو دم چھلے ہیں انہیں آگے بڑھاتے ہیں۔ آپ چاہے کچھ بھی کہیں۔ میں تو سنگت رام کو ہی ووٹ دوں گا۔''

مدن سمجھ گیا کہ یہ تینوں لوگ تحصیلی نیشنل کانفرنس کے ہونے والے اجلاس میں ڈیلیکیٹ ہیں اور اپنے چنے جانے والے صدر کے بارے میں صلاح مشورہ کر رہے ہیں۔ اسے یاد آیا کہ اس کے ساتھ رنبیر ہائی اسکول میں اسی تحصیل کا سنگت رام پڑھتا تھا۔ کہیں یہ اسی سنگت رام کی بات تو نہیں کر رہے۔ وہی لیڈر بن گیا ہوگا۔ ان لوگوں میں کتنے لوگ پڑھائی لکھائی کرتے ہیں جو پڑھ لکھ گیا وہی لیڈر۔

چائے ختم کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ بیٹھے ہوئے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے ایک بولا۔ ''اڈے پر پہنچنا چاہیے۔ بخشی صاحب کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔''

دکان دار کو چائے کے پیسے پکڑا کر وہ باہر نکلا سڑک پر پہلے سے زیادہ گہما گہمی تھی ۔ بہت سے لوگ اڈے کی طرف جا رہے تھے ۔ مدن بھی ادھر ہی چل دیا ۔ اس کے آنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ سب سے آگے رہے اور بخشی صاحب کی نظر سب سے پہلے اسی پر پڑے ۔ اس وقت اسے اڑ رہی دھول کا بھی خیال نہیں تھا۔

سڑک کے دونوں طرف اسکولوں کے لڑکے کھڑے تھے ۔ ان کے ایک ہاتھ میں ترنگی جھنڈی اور دوسرے ہاتھ میں ہل والی جھنڈی تھی ۔

اڈے کے آس پاس بہت بھیڑ تھی ۔ ایک دو نوجوان کارکن بھیڑ کو شانت رکھنے کی کوشش کر رہے تھے ۔

''بخشی صاحب آ گئے ۔'' کسی نے آواز لگائی ۔

ہر طرف بھگدڑ مچ گئی ۔ کسی نے گلا پھاڑ کر نعرہ لگایا۔'' خالد کشمیر'' اور باقی کے لوگوں نے ''زندہ باد'' کا جوابی نعرہ لگایا پھر نعروں پر نعرے لگنے لگے۔

''نیشنل کانفرنس.....زندہ باد۔''

''پنڈت نہرو.....زندہ باد۔''

''خالد کشمیر.....زندہ باد۔''

مدن سے رہا نہ گیا ۔ بھیڑ کو چیر کر وہ ان کارکنوں میں شامل ہو گیا جو بھیڑ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے ۔ اور گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگا رہے تھے ۔ پرائم منسٹر صاحب کی بڑی لمبی اور کھلی کار بھیڑ کے درمیان آ کر کھڑی ہو گئی ۔ ان کے ساتھ نیشنل کانفرنس کے جنرل سکرٹری بھی تھے تحصیل نیشنل کانفرنس کے عہدے دار آگے بڑھ بڑھ کر دونوں کو پھولوں کے ہار ڈالنے لگے ۔

مدن نے پورا زور لگا کر تان لگائی '' خالد کشمیر'' اور لوگوں نے اسی جوش کے ساتھ جواب دیا ۔

''زندہ باد۔''

پھولوں کے ہاروں میں سے بخشی صاحب کی نظر مدن پر پڑی ۔ پل بھر کے لیے تو وہ دنگ رہ گئے ۔ اسی وقت مدن نے بھی دیکھا نظر ملتے ہی وہ بے ساختہ چلایا۔'' خالد کشمیر۔''

''زندہ باد''

بخشی صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی ۔ جلوس چل دیا ۔ ہر طرف نعرے لگ رہے تھے ۔ سڑک کے دونوں کناروں پر کھڑے لڑکے جھنڈیاں ہلا ہلا کر کوئی استقبالیہ گیت گا رہے تھے ۔ ان کے پیچھے کھڑے بے حساب لوگ بے حساب سلام کر رہے تھے اور بخشی صاحب ہاتھ اٹھا کر

سلاموں کا جواب دیتے جا رہے تھے۔ مدن ان کی چلتی کار کے چاروں طرف دوڑ دوڑ کر گھیرے ڈال رہا تھا اور گلا پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگاتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی بار بار دیکھتا جا رہا تھا کہ بخشی صاحب اس کا نوٹس لے رہے یا نہیں۔

جلوس جس وقت پنڈال کے پاس پہنچا جہاں کانفرنس ہوئی تھی تو پرائم منسٹر صاحب کار سے نیچے اتر آئے مدن دوڑ کر آگے ہوا اور بھیڑ میں ان کے لیے راستہ بنانے لگا۔ پھر خود بھی ان کے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔ آخر جب بند کمرے میں ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہونے لگی جس میں عہدے داروں کا چناؤ ہونا تھا تو وہ بازار میں آ کر پھر چائے والے ڈھابے میں بیٹھ گیا۔ دو تین گھنٹے بعد پھر سے پنڈال میں آ گیا۔ پہلی خبر ملی کہ سنگت رام چناؤ ہار گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد سنگت رام بند کمرے سے باہر نکلا۔ ساتھ اس کے دو چار طرف دار بھی تھے۔ مدن نے پہچان لیا کہ یہی سنگت رام اس کا ہم جماعت تھا۔ اسے حیرانی ہوئی کہ سنگت رام اتنا بڑا لیڈر بن چکا ہے اور وہ خود ابھی نوکری کا سلسلہ جوڑنے میں ہی لگا ہوا ہے۔ مدن کو سنگت رام کے ہارنے کا افسوس ہوا۔ دل نے چاہا کہ آگے جا کر اسے ملے فوراً ہی اس نے اپنے آپ کو روک لیا۔ وہ ایک خوددار آدمی ہے مدن سوچنے لگا کیا سوچے گا جب اسے پتا لگے گا کہ میں کس لیے اور کیسے کیسے پرائم منسٹر کے پیچھے دم ہلاتا ہلاتا گھوم رہا ہوں۔

شام ڈھلنے سے پہلے جب بخشی صاحب اپنا دورہ کامیاب کر کے لوٹنے لگے تو مدن دوڑ کر ان کی کار کے دو گز آگے آ کھڑا ہو گیا۔ آگے سے گزرتے ہوئے بخشی صاحب نے اس کی سلام کا دو بار خاص طور پر ہاتھ اٹھا کر جواب دیا اور کھل مسکرا دیے۔

کار دھول اڑاتی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو مدن بھی اپنی کامیابی پر خوشی محسوس کرتا اڈے کی طرف چل دیا۔

☆

رات ڈرامے کے دوسرے ایکٹ میں اس نے چرن کا بازو پکڑ لیا تھا۔ اس بات پر کملا کو اب تک حیرانی ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس میں اتنی ہمت کہاں سے آ گئی تھی۔ اسے کئی بار خیال آیا کہ شاید ماں اس بارے میں اسے پوچھے گی۔ لیکن ماں کو اپنی سیاست سے فرصت نہیں تھی۔ ڈرامے کی کامیابی کے سبب سکرٹری صاحب اور دوسرے سرکاری عہدے داروں پر اتنا شاندار اثر پڑا تھا کہ اس کی خوشی میں اور جوش میں انہیں کچھ اور سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔

صبح اٹھ کر کملا کو رات کی بات یاد آئی تو وہ مسکرانے لگی۔ اس کے ڈیڈی خاص طور پر اس کے

پاس آئے پوچھنے لگے۔ رات شو کیسا رہا؟''
''ونڈرفل'' کملا نے کہا پھر وہ ناراض ہوتی ہوئی بولی۔ ''ڈیڈی میں نے اب آپ کے ساتھ نہیں بولنا۔ آپ کیوں نہیں آئے وہاں؟''
''بیٹی تجھے تو معلوم ہی ہے کہ مجھے تیری ماں کے کسی کام میں کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں اگر تو چاہے مجھے ابھی یہاں ایکٹنگ کر کے دکھا سکتی ہے۔''
''انہہ'' کملا نے بناوٹی غصہ ظاہر کرتے ہوئے منہ پھیر لیا۔ اور کرنل صاحب ہنستے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ باہر باغیچہ میں آ کر وہ باغبانی کے کام میں مصروف ہو گئے۔

کرنل صاحب پنشن یافتہ فوجی ہیں۔ خاندان بھرا پورا اور اونچے نام والا ہے۔ وضع دار اور باوقار صبر اور انا والے آدمی ہیں۔ عورت کا ہر وقت اس سے باتیں کرنا اور یہاں وہاں گھومنا انہیں بالکل پسند نہیں۔ گھر گرہستی کی ذمے داریوں کو پس پشت ڈال کر سماج سیوا کے نام پر غیروں میں شامل ہونا ان کی نظر میں فقط دکھاوا ہے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی بیوی کے کاموں سے کوئی واسطہ نہیں رکھا۔ ابتداء میں سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی اثر نہیں ہوا تو چپ ہو رہے۔ اب چپ میں ہی خیر سمجھ لی ہے۔

راجپوت سبھا کا تھوڑا بہت کام کرتے ہیں۔ زیادہ وقت وہ باغیچے میں پھول پودوں کو دیکھتے ہیں۔ گھر میں جتنی ساگ سبزی کی ضرورت پڑتی ہے وہ خود ہی اگا لیتے ہیں۔ پھول کھلتے ہیں تو ان کا چہرہ کھل اٹھتا ہے ان کے پاس گلابوں کی کچھ ایسی قسمیں ہیں جو ڈھونڈنے سے کہیں اور نہیں ملتیں۔

کملا کھڑکی میں کھڑی ہو کر کرنل صاحب کو گلاب کے پھولوں پر ہاتھ پھیرتے دیکھنے لگی۔ ایسے موقع پر اسے اپنے ڈیڈی پر پیار آ جاتا ہے۔ ان کے من کا دکھ وہ جانتی ہے۔ ممی کے ساتھ انکی نہ کبھی بنی نہ بنتی ہے۔ جب بھی دل اداس ہوتا ہے۔ اپنے اگائے ہوئے پھلوں پر ہاتھ پھیرنے لگتے ہیں۔ ابھی وہ کملا کے ساتھ بات کر کے گئے ہیں ہو سکتا ہے انہیں کملا کا ڈرامے میں کام کرنا ناپسند ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کملا کے پارٹ کرنے پر اعتراض نہ ہو اور سوچ رہے ہوں ممی نے انہیں ڈراما دیکھنے کے لیے خاص طور پر کیوں نہیں بلایا کوئی ایسی بات ضرور ہے۔

انہیں خیالات میں گھری کملا نے باغیچے کے اس سرے پر کوٹھی کا پھاٹک کھلتے اور چرن کو اندر آتے دیکھا وہ حیران ہوئی۔ اسے معلوم تھا چرن آئے گا۔ لیکن آج ہی؟ اس نے یہ نہیں سوچا تھا۔ وہ کھڑکی سے پیچھے ہٹ گئی۔

چرن نے اندر آ کر پھاٹک بند کر دیا۔ پھولوں کے درمیان بنے گھاس کے راستے پر چلتا ہوا

کرنل صاحب کے پاس پہنچا اور پوچھنے لگا۔ ''مسز راج دیو گھر پر ہیں؟'' کرنل صاحب نے کوٹھی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہاں اندر چلے جاؤ'' یہ کہہ کر وہ پھر اپنا کام کرنے لگے۔

چرن برآمدے میں پہنچا تو اسی وقت کملا نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نمستے کی وہ اندر داخل ہوا تو کملا بولی ''بیٹھ جائیے ممی تیار ہو رہی ہیں۔'' چرن نے بیٹھتے ہوئے پوچھا ''کہیں جا رہی ہیں؟''

''ہاں'' کملا بولی۔ ''کسی میٹنگ میں جا رہی ہیں۔''

چرن صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر ہنسی کی باریک سی لکیر تھی۔ وہ سوچ رہی تھی چرن بھی رات کو بانہہ پکڑنے والی بات کو یاد کر رہا ہوگا۔ لیکن چرن کو اس وقت وہ بات یاد نہیں تھی۔ اس وقت کملا کی طرف دیکھتے ہوئے اسے رانی کی یاد آ رہی تھی۔ رانی والا تجربہ ایک انہونی بات لگ رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا سامنے بیٹھی ہوئی کملا اور رات والی کملا کا آپس میں کوئی میل ہی نہیں۔ کل تک اس کی نظروں میں کملا ہی کملا تھی لیکن آج... کملا کی آواز سن کر چونکا۔

''رات میں بہت ڈر گئی تھی۔''

''کیوں؟'' چرن نے پوچھا۔

''میں نے پہلی بار ناٹک میں کام کیا تھا اس لیے۔''

''بڑا اچھا ہوا سب بڑے خوش تھے۔ کسی کو یہ لگا ہی نہیں کہ یہ آپ کی پہلی پرفارمینس تھی۔ آپ نے تو ایسا کام کیا کہ آگے بھی آپ کو ایکٹنگ کرتے رہنا چاہیے۔''

''کہاں چانس ملتا ہے۔ اب تو میں دہلی جا رہی ہوں۔''

چرن اس کی بات سن کر حیران ہوا۔ کملا نے اس کی حیرانی دور کرتے ہوئے بتایا۔ ''مجھے وہاں میڈیکل میں داخلہ مل گیا ہے۔ اگر آپ کبھی دہلی آئیں تو مجھے ضرور ملنا۔''

اسی وقت مسز راج دیو اندر آ پہنچیں گہرا میک اپ کیے ہوئے بڑی فریش لگ رہی تھیں۔ ہاتھ میں پرس پکڑنے کے ڈھنگ سے نظر آ رہا تھا کہ وہ باہر نکل رہی ہیں۔ چرن نے کھڑے ہو کر نمستے کی۔

''اچھا ہوا جو آپ آ گئے۔ اس وقت میں ناری کلیان کیندر کی میٹنگ میں جا رہی ہوں۔ وہاں سیکرٹری صاحب بھی آنے والے ہیں۔ آپ میرے ساتھ چلو ہو سکتا ہے وہاں ہی بات کرنے کا موقع مل جائے۔''

چرن بھی باہر نکلنے لگا۔ کملا کی طرف دیکھ کر دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے

جیسے کہہ رہے ہوں۔ ''پھر ملیں گے۔''

باہر کرنل صاحب ایک نئی کیاری بنا رہے تھے۔ ان سے کوئی بات کیے بغیر ہی مسز راج دیوان کے آگے سے نکل گئیں۔ کرنل صاحب نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ چرن کو یہ بات بڑی عجیب لگی۔

پھاٹک سے باہر نکلنے سے پہلے چرن نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کملا کھڑکی میں کھڑی ان کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ کملا نے ہاتھ اٹھا کر ''وش'' کیا۔ چرن نے بھی ہاتھ ہلایا اور پھر پھاٹک بند کر کے مسز راج دیو کے پیچھے چل دیا۔

سیکریٹریٹ پہنچ کر مسز راج دیو نے کہا۔ ''آپ یہاں ہی باہر انتظار کریں میں اندر جا کر دیکھتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' چرن بولا ابھی مسز راج دیو مڑنے ہی والی تھیں اسی وقت سامنے سے سکرٹری صاحب کی کار آئی۔ ''وہ تو اب آ رہے ہیں۔''

ان کے منہ سے نکلا اور ہونٹوں پر ہنسی بکھر گئی۔ وہ کار کی طرف آگے ہوئیں۔ چرن کو محسوس ہوا کہ پلک جھپکتے میں ہی مسز راج دیو کی شخصیت بدل گئی۔ ابھی جو مسز راج دیو اپنے گھر سے آئی تھیں وہ کوئی اور تھیں اور یہ کوئی اور ہیں۔

سیکرٹری صاحب کار سے باہر نکلے۔ مسز راج دیو نے قریب ہو کر ہاتھ جوڑ کر نمستے کی اور سیکرٹری صاحب نے دائیں ہاتھ کو تھوڑا اوپر اٹھا کر ''آداب'' کے انداز میں نمستے کا جواب دیا پھر وہ دونوں باتیں کرتے کرتے سیڑھیوں کی طرف آگے بڑھے۔ چرن کے کانوں میں سیکرٹری صاحب کا یہ جملہ پڑا۔ ''بخشی صاحب بھی میٹنگ میں آ رہے ہیں۔''

جب وہ دونوں چرن کے پاس پہنچے تو مسز راج دیو نے چرن کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ مسٹر چرن ہیں۔ انہوں نے رات ناٹک میں ہیرو کا پارٹ کیا تھا۔'' سیکرٹری صاحب نے ایک لمحہ بھر کے لیے اس کی طرف دیکھا اور جیسے پہچان لیا ہو۔ بولے۔ ''شرابی کی ایکٹنگ آپ نے کمال کی کی تھی۔''

چرن مسکرا کر بولا۔ ''جناب صرف ایکٹنگ ہی ویسے میں شراب نہیں پیتا۔''

اس کی بات سن کر سیکرٹری صاحب نے قہقہہ لگایا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے شاباشی دی۔ مسز راج دیو نے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ جھٹ بولیں۔ ''ان کے لیے ہی میں نے آپ کو کہا تھا۔ ایک اپنے پاس ہیں اور میونسپلٹی کے دفتر میں ایک کلرک کی پوسٹ کے لیے درخواست دی ہوئی ہے۔''

''آپ مجھے کل دو بجے نیشنل کانفرنس کے دفتر میں ملو۔'' سیکرٹری صاحب نے چرن سے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ مسز راج دیو بھی ساتھ ساتھ چل دیں۔ انہیں مڑ کر چرن کی طرف دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔

چرن بہت خوش تھا۔ چبوترے کے پاس پہنچ کر اسے سامنے سے مدن آتا نظر آیا۔

''کیا ہوا آر ایس پورہ میں؟''

''کمال ہی ہو گیا۔'' مدن خوشی کے جھولے میں چڑھا ہوا تھا۔

''پرائم منسٹر صاحب اب مجھے کبھی نہیں بھول سکتے۔ میرے جیسا ضدی اور ہمت والا بھی انہیں کوئی نہیں مل سکتا۔ میرا خیال ہے اب مجھے کم از کم گزٹ پوسٹ ضرور ملے گی۔ تو کہاں سے آ رہا ہے؟'' چرن نے جواب دیا۔ ''مجھے گزٹ پوسٹ نہیں کوئی چھوٹی موٹی نوکری چاہیے۔ مسز راج دیو نے ابھی سیکرٹری صاحب سے ملوایا ہے۔''

''کیا کہا انہوں نے؟''

''کل دو بجے نیشنل کانفرنس کے دفتر میں بلایا ہے۔'' پھر چرن نے پوچھا۔ ''تو کہاں جا رہا ہے؟''

مجھے ابھی پتا چلا ہے کہ ناری کلیان کیندر کی میٹنگ بخشی صاحب آ رہے ہیں۔ سوچا آج تیسری بار بھی سلام کر آتا ہوں۔ جتنی سلامیں اتنی ہی بڑی نوکری۔''

''میں بھلے کی دوکان پر بیٹھ کر چائے پیتا ہوں تو ڈیوٹی دے کر آ۔'' چرن نے کہا۔

☆

بھارت ٹی اسٹال کے پچھلے کونے میں بڑی گرم گرم محفل جمی ہوئی تھی۔ ہر کوئی دوسرے کی کم سن رہا تھا اور اپنی زیادہ سنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ آس پاس بیٹھے لوگوں کو صرف شور ہی سنائی دے رہا تھا بات کوئی نہیں۔

بہت سے لوگ ''سویرا'' ویکلی کے اڈیٹر اجاگر کے پیچھے پڑے ہوئے تھے، جس نے چائے کا دسواں کپ پینا شروع کیا ہوا تھا۔ گوپال نے شرارت کرتے ہوئے کہا ''اجاگر صاحب آجکل جس طرح آپ سرکاری افسروں کے پرخچے اُڑا رہے ہیں اسے دیکھتے ہوئے داد دینی پڑتی ہے۔''

''ہمارے اخبار کا بنیادی کریکٹر ہے۔'' اجاگر نے جواب دیا۔ رشوت خور، نالائق اور بے ایمان افسروں کے خلاف اگر ہم نہیں لکھیں گے تو اور کون لکھے گا؟

مدن نے پوچھا ''کتنی بار آپ پہلے کسی کے خلاف لکھ کر پھر دوسرے شمارے میں اس کے حق

میں لکھ دیتے ہیں۔ وہ کیوں؟

''سچائی کا جب پتہ چلتا ہے تو میں چھپا کر نہیں رکھتا۔''

''آپ سچے گاندھی وادی ہیں۔'' گوپال نے چٹکی لی۔

''نہیں میں گاندھی وادی نہیں۔ سچائی کا طرف دار ہوں۔''

''لیکن اجاگر صاحب سچائی کی اتنی طرفداری کر کے آپ کو ملتا کیا ہے؟''

اب پرویز بھی چپ نہیں رہ سکا۔'' آپ کے اخبار کی چار کاپیاں بھی شہر میں نہیں بکتیں۔ لوگ پڑھتے تو دہلی کے اخبار ہیں۔''......

''یہی تو ساری گڑبڑ ہے۔ تب ہی تو ہمیں کئی چالیں کھیلنی پڑتی ہیں۔''

''یہ تو آپ کا ہی جگر ہے اجاگر صاحب۔ اخبار بکتا نہیں۔ لیکن آپ اسے باقاعدہ نکالتے جا رہے ہو۔ کوئی وسیلہ تو ہوگا ہی۔''

''وسیلے بغیر کوئی بات بنتی ہے بھلا'' اجاگر نے کوٹ کے کندھے جھاڑتے ہوئے کہا۔'' اسے آپ ہمارے کاروباری بھید کہہ سکتے ہیں۔''

مدن نے شرارت کی'' اخبار'' ہمت'' کا اڈیٹر کمار تو اپنا کوئی بھی راز چھپا کر نہیں رکھتا۔ وہ تو صاف کہتا ہے کہ وہ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے پیسے وصولتا ہے۔''

''انہیں لوگوں نے جرنلزم کا نام بدنام کر رکھا ہے۔'' اجاگر جوش میں آ کر بولا'' روپ کمار جیسے اڈیٹر تو گلی محلے کی لڑکیوں کی سچی جھوٹی پریم کہانیاں چھاپ دینے کی دھمکی دے کر ان کے غریب ماں باپ سے بھی پیسے ٹھگ لیتے ہیں۔ نہ جانے کیوں سرکار ایسے لوگوں کو کچھ کہتی کیوں نہیں۔''

''یہ لوک راج ہے بھائی'' کوئی پیچھے سے بولا۔

''اس لوک راج کی ایسی کی تیسی۔ اسٹوڈنٹ لیڈر ارجن سنگھ نے اپنے لمبے لمبے اور الجھے بالوں کو ماتھے پر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ یہ لوک راج ہے۔ بھوکے ننگے موقع پرست لوگ بڑی بڑی کرسیوں پر جا براجے ہیں اور وہ سکھ آرام جو انہوں نے خواب میں بھی کبھی نہیں دیکھے تھے آج وہ سچ مچ بھوگ رہے ہیں۔ جموں کشمیر کے لوگوں کی حالت تو اور بھی بدتر ہے۔ بھارت سرکار اس بات کا شور مچاتی ہے کہ اس کی وجہ سے یہاں لوک راج قائم ہے۔ ریاستی سرکار اس بات کا فائدہ اٹھاتی ہے اور من مانی کرتی ہے۔ اسے پوچھنے روکنے والا کوئی نہیں آپ دیکھتے نہیں ہمارے پرائم منسٹر کے پاس اتنے اختیارات ہیں جتنے سینتالیس سے پہلے مہاراجہ ہری سنگھ کے پاس بھی نہیں تھے۔''

''جے کارا پہاڑی والی کا۔ بول سانچے دربار کی جے۔ مدن نے پنچم سر میں جے کارا بولا

اور سب چپ ہو گئے جب بحث و مباحثہ کا پارا زیادہ اوپر چڑھ جاتا ہے تو مدن جے کارا بول کر چپ کر دیتا ہے۔ ارجن سنگھ کو یہ جے کارا زہر لگا۔ اس نے تیوری چڑھا کر مدن کی طرف دیکھا۔

پرویز نے بات کو پنچم سر سے مدھم سر پر لانے کے لیے بولنا شروع کیا۔ ''دوستوں ارجن کا یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے کہ یہ لوک راج نہیں بھوگ راج ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ ہم سب کو اپنی اپنی جگہ جو ملتا ہے جیسے ملتا ہے اسے زیادہ بھوگنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جیسے میں کرتا ہوں۔ میں تو اپنی کہانیوں میں ہمیشہ یہی سب کچھ بتانے کی کوشش کرتا ہوں۔''

ارجن سے رہا نہیں گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے نکل گیا۔ ''اس لیے ہی تیری کہانیوں میں وہ سستاپن ہے جو تیرے وچاروں میں ہے۔''

''اور تیری شاعری میں وہی خشکی اور گندگی ہے جو تیرے سر کے بالوں میں ہے۔'' پرویز بھی منہ میں آئی بات کو روک نہیں سکا۔

''جے کارا پہاڑیں والی کا۔'' مدن پھر بول پڑا اور بہت سے لوگوں نے جواب دیا۔ ''بول سانچے دربار کی جے۔''

چرن آہستہ سے اٹھا اور دکان سے باہر نکل آیا۔ آج اس کا من ان بیکار کی باتوں میں بالکل نہیں تھا۔ ویسے وہ روز اس طرح کے بھاشن خود بھی دیتا تھا۔ سات بج چکے تھے۔ وہ فٹ پاتھ پر کھڑا ہو گیا رگھوناتھ بازار کی رونق چاروں طرف گہما گہمی۔ لوگوں کی بھیڑ کاروں ٹانگوں کی ریل پیل۔ وہاں کھڑے ہو کر وہ آخری بار سوچنا چاہتا تھا کہ وہ اس اندھیری گلی میں جائے کہ نہ جائے۔ پل بھر کے لیے اسے محسوس ہوا کہ اس کی خواہش کمزور پڑ گئی ہے وہ اس کمزوری کو دور کرنا چاہتا تھا۔ جیب میں سے ایک سگرٹ نکال کر سلگایا اور پھر آہستہ آہستہ ریزیڈنس روڈ کی طرف چل دیا۔ جس وقت وہ ضلع نیشنل کے دفتر کے سامنے پہنچا تو اسے یاد آیا کہ کل شام چار بجے اسے یہیں سیکرٹری صاحب سے ملنے کے لیے آنا ہے ہو سکتا ہے نوکری کا سلسلہ بن ہی جائے۔ اس سوچ نے اس کے من میں ایک جوش بھر دیا۔ اسے معلوم ہے کہ اگر اس کی نوکری لگ گئی تو وہ کتنی بھاری مشکلات سے نکل آئے گا۔ اس پر باؤجی کا جو خوف حاوی ہو چکا ہے اس سے جان چھوٹے گی۔ ماں کی ہتھیلی پر تنخواہ کے روپے رکھ کر وہ اسے سارے جہاں کی خوشیاں دے دے گا۔ پھر اس کے اپنے خرچے۔ چائے سگرٹ کا ادھار۔ گوپال پرویز جیسے اس کے یار بیلی جو بہت بار اس کی چائے بیئر اور وہسکی کا خرچ اٹھاتے رہتے ہیں۔ نوکری ملنے کے بعد وہ ان کے حساب بھی چکائے گا۔

انہیں سوچوں میں پڑا جب کھٹکوں کے تالاب کو پار کر کے وہ اس اندھیری گلی کے سرے پر

پہنچا تو اچانک ہی رک گیا۔ وہ گلی ایک اندھیری گپھا کی طرح نظر آرہی تھی جس کا دوسرا کون جانے کہیں ہے بھی یا نہیں ایک بار من ہوا کہ لوٹ جائے۔ اس گھپ اندھیرے کو دیکھتے ہوئے اسے وہ چہرہ نظر آیا۔ مدھم روشنی میں کم کم نظر آتا چہرہ اور پھر اس کے پاؤں بے ساختہ آگے بڑھ گئے۔

اندازے لگاتا اور ہاتھوں پیروں اور نظروں سے اندھیرے میں راستہ ٹٹولتا آخر وہ اس دروازے کے پاس آکھڑا ہوا۔ من کی اتھل پتھل اسے سانس نہیں لینے دے رہی تھی۔ اس نے روازے پر دوبارویسے ہی دستک دی جیسے کل پرویز نے دی تھی۔ کل کی طرح بھی کوئی آہٹ سنائی نہیں دی تو اسنے پھر دوبارہ ویسے ہی دستک دی۔ اس کے بعد پھر وہی خاموشی۔

اندر کسی نے آہستہ سے چٹخنی کھولی۔ پھر دروازہ کھلا لیکن سامنے کوئی نہیں تھا۔ وہ دھیرے دھیرے اندر داخل ہوگیا۔ وہ دروازہ کے پیچھے تھی۔ اس نے دروازہ بند کر کے پھر چٹخنی چڑھادی۔ دونوں نے اس مدھم مدھم روشنی میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا آج وہ بہت زیادہ سنوری ہوئی تھی۔ بال سنوارے ہوئے۔ ماتھے پر بندی۔ آنکھوں میں کاجل۔ ہونٹوں پر گہری لال لپ اسٹک۔ لمبی زہر ہرے کے رنگ کی قمیض کے نیچے سرخ ستھن ۔ چرن دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ تھوڑا مسکرائی۔ مسکراتے ہوئے اس کے گالوں میں دوگڑھے پڑتے نظر آتے وہ بولی ''میں کہیں جارہی ہوں۔ کل آئے نا؟''

''کل کا کیا بھروسا؟ چرن نے جواب دیا۔

وہ ہنس دی۔ گالوں کے گڑھے ہنسے۔ چرن کو ایسے لگا جیسے اسطرح کے ہنستے ہونٹ وہ پہلی بار دیکھ رہا ہے۔ ہنسی کی ایسی کھنک بھی اس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔

''اتنی بے یقینی اچھی نہیں ہوتی۔'' وہ بولی اور اس کے قریب آگئی۔ مجھے آٹھ بجے کسی نے لینے آنا ہے آتے ہی ہونگے۔''

''ابھی آٹھ نہیں بجے۔''

''چلو۔ اگر آپ کہتے ہیں تو...لیکن...جلدی...'' کہتے ہوئے وہ اندر والی کوٹھری کا دروازہ کھولنے لگی چرن اس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوا اور اندر جاتے ہوئے ہی اس نے اس کو اپنی بانہوں کے گھیرے میں کس لیا اور دیوانہ وار اسے چومنے لگا۔

''اتنی کیا جلدی ہے۔ لیٹ تو لینے دے۔'' وہ بولی۔ لیکن اس کے لہجہ میں ترشی نہیں مٹھاس تھی۔ چرن نے پھر بھی اسے نہیں چھوڑا اسے اور بھی کستا رہا اور ہونٹوں میں ہونٹ لے کر چوستا رہا۔ پھر اس نے زور لگا کر خود کو اس کی بانہوں کے گھیرے سے چھڑایا اور کھاٹ پر بیٹھ کر کپڑے اتارنے لگی۔ پھر۔ گنوار نہ ہو تو...ایک دم اناڑی۔'' وہ بولی اور کھاٹ پر لیٹتے ہوئے اس نے چرن کو بھی کھینچ کر

اپنے اوپر کھینچ لیا۔
چرن کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایک پاگل ریچھ کی طرح ایک اونچے ٹیلے پر دوڑتا جا رہا ہے۔ بڑی بڑی چٹانیں اس کے پیروں کے نیچے لڑھکتی جا رہی ہیں اور اس کی چیخوں سے آسمان پھٹ رہا ہے۔
چرن کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک سمندر کو بنا تھکے بلوتا جا رہا ہے بھنور پڑ رہے ہیں۔ چکیاں چل رہی ہیں ایک ناؤ چکر میں پھنس گئی ہے اور چکر کھانے لگی۔
''جانور'' آہستہ سے چیختے ہوئے بولی۔ اب اس کی آنکھیں بھی بند ہو گئی تھیں اور بدن کسی پہاڑی پر سے لڑھک رہا تھا۔
چرن کی ناؤ بھنور میں پھنسی نیچے۔ ایک دم نیچے اور نیچے۔ اور نیچے ڈوبتی جا رہی تھی۔ پاتال کے انجان کناروں انجان چٹانوں سے وہ ٹکرائی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔
''ڈاکو'' کہتے ہوئے رانی نے چرن کو اپنی چھاتیوں میں بھر لیا۔ تیز تیز سانس لیتا اور پسینے پسینے ہوتا چرن ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کے ننگے بدن پر دو ہاتھ پھسل رہے تھے جیسے آگ بجھا رہے ہوں۔
''کیا نام ہے تیرا؟'' رانی نے پوچھا۔
''چرن'' اس کی چھاتیوں میں منہ دیے ہوئے بولا۔ آہستہ آہستہ وہ بھی اس کی ننگی جانگھوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ رانی جھٹ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''مجھے جانا ہے۔''
کپڑے پہن کر دونوں نکل آئے۔ چرن نے دس کا نوٹ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ ایک کونے میں رکھے پٹارے میں نوٹ رکھ کر وہ اپنی لپ اسٹک ٹھیک کرنے لگی۔
چرن کو باہر نکل جانا چاہیے تھا لیکن اس سے قدم ہی اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔
بالوں میں کلپ لگا کر اس نے چرن کو وہیں کھڑے دیکھا تو بولی۔ ''ابھی بھوک نہیں مٹی؟''
''نہیں'' چرن کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ وہ ہنس دی۔ بولی۔ ''مجھے جانا ہے۔ وہ آ رہے ہوں گے۔''
''ایک بات پوچھوں؟''
''کیا؟'' وہ بڑے غور سے چرن کی طرف دیکھنے لگی۔
''میں کبھی ساری رات یہاں نہیں رہ سکتا؟''
''ہاں۔''
چرن باہر نکلنے لگا لیکن پھر رک گیا۔ اسے پھر رکتے دیکھ کر وہ اس طرح اس کی طرف دیکھنے

لگی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ ''تو جاتا کیوں نہیں؟''

''ایک اور بات پوچھنی ہے۔''

''کیا؟''

''تیرا نام کیا ہے؟''

''کیا کرے گا جان کر؟''

''تو نے بھی تو پوچھا ہے میرا نام۔''

اسے یاد آیا سچ ہے اس نے اس کا نام پوچھا تھا۔ آج تک اس نے کبھی کسی کا نام نہیں پوچھا تھا۔ پھر اس کا نام پوچھنے کی بے وقوفی اس نے کیسے کی؟ اسے جب دیکھ کر چرن نے پھر پوچھا۔ ''نہیں بتانا؟''

''پہلے یہ بتا کہ میرا نام جان کر کیا کرے گا۔''

''یاد کروں گا۔''

وہ ایک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ پھر مسکرائی اور آہستہ سے بولی۔ ''رانی ہے میرا نام۔'' پل بھر وہ چپ رہ کر وہ پھر بولی ''امیں یاد رکھنے لائق کچھ بھی نہیں۔''

چرن ایک ٹک اسے دیکھ رہا تا۔ بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی اسے ایسے اپنی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے دیکھ کر رانی پھر مسکرانے لگی اور چرن اس کے گالوں کے گڑھوں میں سے خود کو کھینچتا گھسیٹتا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

گلی کے اندھیرے میں آکر اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ابھی ابھی جو تجربہ لے کر وہ آرہا ہے وہ سچ مچ اُس میں سے ہو کر گزرا ہے۔ کون سی لہر تھی وہ جو اسے اس ٹاپو پر لے گئی جہاں اسے اپنا ایک اور ہی روپ نظر آیا اور جہاں سے لوٹنے پر اسے اپنا آپ کچھ اور ہی ہو گیا محسوس ہو رہا ہے۔ اس کے وجود ہی سے کچھ ٹوٹ کر الگ جا گرا ہے اور کچھ نیا اندر سے اگ کر باہر آ گیا ہے۔

گلی کے باہر چرن ابھی نکلا ہی تھا کہ سامنے سڑک پر ایک کار آتی نظر آئی۔ کار ٹھیک اس گلی کے سرے پر آکر کھڑی ہو گئی۔ ایک آدمی اس میں سے باہر نکلا اور گلی کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔

من میں اندیشہ جاگا اور چرن کار کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کار میں اور کوئی نہیں تھا۔ نہ جانے اسے کیا خیال آیا کہ وہ بائیں طرف دو چار گز کی دوری پر ایک بند دکان کے چبوترے پر جا بیٹھا۔ دور سے آتی کھمبے کی روشنی وہاں تک پہنچتے پہنچتے اتنی مدھم ہو گئی تھی کہ اسے روشنی کی پرچھائیں بھی نہیں کہا جا سکتا تھا وہاں بیٹھا ہوا وہ کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ اور اگر آ بھی جاتا تو کسی نے

اس کا کیا کرنا تھا۔

بہت انتظار نہیں کرنا پڑا اسے۔ جلدی ہی رانی اسی آدمی کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی گلی سے باہر آئی اور کار میں بیٹھ گئی ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر۔ پل بھر میں کار وہاں سے چل دی۔

چرن بھی تھڑے سے اٹھا اور رگھوناتھ بازار کی طرف چل دیا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اب بھی رانی اس کی ننگی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھ رہی ہے۔ ''تیرا نام کیا ہے؟'' پھر اس کے گالوں کے گڑھے یاد آئے جیسے رانی کہہ رہی ہو۔ ''رانی ہے میرا نام اس میں یاد رکھنے لائق کچھ بھی نہیں۔''

☆

ٹھیکیدار چوہدری فرنگی مل نے نوکر کو وسکی کی دوسری بوتل لانے کے لیے کہا اور پھر انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوا نو بجے تھے۔ انہوں نے حساب لگایا کہ رانی دس منٹ میں یہاں پہنچ جائے گی اور تب تک منسٹر صاحب کو باتوں میں لگائے رکھنا ضروری ہے۔ نشے میں دھت تو وہ ہو ہی چکے ہیں اور ریڈیو پر بج رہے فلمی گانے کے ساتھ ساتھ اپنے گھڑے جیسے پیٹ پر ہاتھ مار مار کر تال دے رہے ہیں۔ ٹوپی اتار کر انہوں نے ایک طرف رکھ دی ہوئی ہے اور سر پر جہاں پیپل کے پتے کی طرح گنج پڑا ہوا ہے وہاں کبھی کبھی کھجلا بھی لیتے ہیں۔

نئی بوتل آئی تو فرنگی مل نے چاروں گلاسوں میں ایک ایک اور پٹیالہ پیگ ڈالا۔ پہلا گلاس سوڈا ڈال کر منسٹر صاحب کے ہاتھ میں پکڑا دیا کباب اور تکوں کی پلیٹیں بھی آگے کھسکائیں۔ پھر لالہ ہردیال اور پنڈت رام سروپ کے گلاس ان کے آگے رکھے۔

منسٹر صاحب نے آدھا گلاس غٹا غٹ پی ڈالا اور پھر کباب کی پلیٹ میں ہاتھ ڈال کر دو بڑے لمبے کباب اٹھا کر اپنے غار جیسے منہ میں ٹھونسے۔ کباب ابھی پوری طرح چبائے بھی نہیں تھے کہ وہسکی کا گلاس منہ کے ساتھ لگا لیا۔ وہسکی اور کباب ایک ساتھ ہی گلے سے نیچے اترے تو نشے کی ترنگ میں آ کر انہوں نے منہ سے چیخنے جیسی آواز نکالی۔ سرور کے لمبے لمبے جھولے جھولتے ہوئے بولے۔ ''چودھری جی جموں میں آپ جیسا ایک بھی دل گردے والا آدمی نہیں۔ میں تو کہتا ہوں آپ ڈپٹی منسٹر بن جاؤ۔ بولو اگر مرضی ہو تو؟''

فرنگی مل بھی کم سرور میں نہیں تھا۔ گھونٹ بھر کر گلاس میز پر ٹکایا اور ڈکار مار کر بولا۔ ''جناب ہم تو آپ کے خادم ہیں۔ ٹھیکیداری پر رہنے دو گے تو ٹھیکیداری کریں گے اور اگر کچھ اور کرنے کو کہو گے تو بھی حکم کی تعمیل ہوگی۔ ویسے منسٹری تو صاحبوں کو ہی زیب دیتی ہے۔''

''ہم تو کشمیر کے نمائندے ہیں۔ کیبنٹ میں جموں کی ترجمانی بھی اچھی طرح سے ہونی

چاہیے۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ منسٹر بنیں۔ ویسے بھی آپ منسٹر سے کم کہاں ہیں۔ ہم تو ویسے بھی آپ کی محبت کے طلب گار رہتے ہیں۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں جناب؟ ہم تو آپ کے تابعدار ہیں۔ فرنگی مل خوش ہو کر بچھ گیا۔'' اگر آپ پرائم منسٹر صاحب کو نہیں کہتے تو مجھے جنگلات کا وہ ٹھیکہ کبھی نہیں مل سکتا تھا۔ آپ کی خدمت کرنا تو ہمارا فرض ہے۔ یہ تو ویسے بھی ہمارے لیے فخر کی بات ہے کہ آپ کبھی کبھی ہمارے غریب خانے پر تشریف لے آتے ہیں۔''

لالہ ہردیال بھی نشے کی جھونک میں بولا'' جناب آپ کے آجانے سے ہماری شان بڑھ جاتی ہے۔'' پنڈت رام سروپ شروع سے ہی اس محفل کے خاص نگینے ہیں۔ یہاں ایک خاص مقام ہے ان کا اپنا یہ مقام بنائے رکھنے کے لیے وہ کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ درباداری کی باتوں میں طاق ہیں۔ ہردیال بولے تو وہ کیسے چپ رہ سکتے ہیں۔ انہوں نے تو راجے کا دربار بھی دیکھا ہوا ہے کرسی پر سے اٹھ کر وہ ویسے ہی جھکے جیسے راجے کے دربار میں لوگ جھکتے ہیں اور منسٹر صاحب کو فرشی سلام گزار کر اونچی آواز میں بولے'' حضور پرنور پہلے مہاراجا بہادر راج کرتے تھے اب آپ راج کرتے ہیں ہمارے لیے تو آپ ہی راجا ہیں ہم آپ کی پرجا ہیں۔ آپ کی خدمت گزاری ہمارا فرض اولین ہے۔''

منسٹر صاحب خوشی کے جھونکے میں گرتے پڑتے کھڑے ہوگئے۔ پہلے انہوں نے پنڈت رام سروپ سے ہاتھ ملایا اور پھر انہیں گلے لگالیا۔ پنڈت رام سروپ نہال ہوگئے۔

جب وہ گلے مل رہے تھے تو فرنگی مل نے ہردیال کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔ اسی وقت کار کی آواز آئی۔ فرنگی مل جلدی جلدی اٹھ کر ڈرائنگ روم کے پیچھے خاص طور پر بنائے گئے چھوٹے سے کمرے میں چلا گیا اور پیچھے کھڈ میں کھلنے والے چھوٹے سے چور دروازے کو کھولنے لگا۔ رانی کار میں سے نکل کر تیزی سے اندر آگئی۔ فرنگی مل نے دروازہ پھر سے بند کردیا۔

''بیٹھ جا۔'' فرنگی مل نے رانی سے کہا۔

رانی صوفے پر بیٹھ گئی۔ فرنگی مل بھی اس کے پاس آبیٹھا نشے سے بوجھل آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔'' بڑی خوبصورت لگ رہی ہے؟'' رانی مسکرائی تو فرنگی مل نے اسے بانہوں میں بھینچ کر اس کے گال پر کاٹنا شروع کردیا۔ رانی نے اسے پرے دھکیلتے ہوئے کہا۔'' مجھے بھی کباب تکا سمجھ لیا ہے کیا؟''

فرنگی مل دانت نکالنے لگا۔'' تو کباب تکوں سے زیادہ لذیذ ہے۔ تجھے جو بھی ایک بار چکھ لیتا

ہے پھر اور سوادوں میں نہیں پڑتا۔ آج بڑا بھاری کام تیرے سپرد کررہا ہوں۔ پیسے جتنے کہے گی دوں گا۔''

''کونسا مہمان ہے؟'' رانی نے پوچھا۔

''نیا ہے۔ ہماری ریاست کا منسٹر ہے۔ تو اسے خوش کردے میں تجھے خوش کردوں گا میری مرغابی۔'' کہتے ہوئے فرنگی مل نے اٹھتے ہوئے رانی کے دائیں گال پر زور سے چٹکی کاٹی۔ رانی نے ہاتھ مار کر اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا۔

منسٹر صاحب کی آنکھیں ایک دم چڑھی ہوئی تھیں۔ ان کا کوٹا پورا ہو گیا تھا اور جنت کے جھولے میں جھولتے ہوئے وہ فلمی گانے کے ساتھ ساتھ اپنی توند پر تال دیتے جارہے تھے۔

فرنگی مل نے آکر کہا۔ ''جناب آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔''

''مجھ سے؟'' منسٹر صاحب چونکے۔ ہوسکتا ہے پرائم منسٹر صاحب نے بلا بھیجا ہو۔ لیکن فرنگی مل کے منہ پر چھپی ہنسی دیکھکر وہ فوراً سمجھ گئے اور جھٹ پٹ اٹھنے کی کوشش کرنے لگے لیکن کچھ توند کے اور کچھ نشے کے سبب آگے پڑی میز کا دھیان نہیں رہا۔ کھڑے ہوتے ہوئے گھٹنے میز کو لگے اور بوتل سمیت گرنے لگے۔

''کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔'' کہتے ہوئے فرنگی مل نے ان کو سہارا دیا۔ ان کے کہنے کا ڈھنگ ایسا تھا جیسے کہہ رہے ہوں۔ ''جناب یہ تو وہسکی کے چار گلاس ہی گرے ہیں۔ ہم تو آپ پر ہزاروں بوتلیں وار سکتے ہیں۔ فرنگی مل کی نظر لالہ ہردیال اور رام سروپ پر نہیں پڑی جن کو گلاس گر جانے کا بہت افسوس تھا۔ وہ جانتے تھے کہ منسٹر صاحب کے جانے کے بعد وہسکی کا دور ختم سمجھو۔

منسٹر صاحب اور فرنگی مل اندر داخل ہوئے رانی صوفے پر بیٹھی رہی۔ فرنگی نے کہا۔ ''جناب آپ جب تک چاہیں اس سے بات چیت کریں۔''

منسٹر صاحب رانی کو گھورتے ہوئے دل ہی دل میں مچل اٹھے بولے۔ ''سویرے آٹھ بجے مجھے دورے پر جانا ہے زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکوں گا۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔'' فرنگی مل بولا۔ ''آپ بیٹھئے میں تھوڑی دیر میں حاضر ہوتا ہوں۔'' باہر نکل کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔

لالہ ہردیال نے کہا۔ ''کافی خوش ہو گیا لگتا ہے۔''

''تب ہی تو مجھے منسٹر بنا رہا تھا۔ فرنگی مل بھی بیٹھ گیا۔ لیکن میں تو کہتا ہوں کہ ایک سینما کا لائسنس دے دے تو سمجھو قلعہ فتح کر لیا۔''

''میرے خیال میں۔'' پنڈت رام سروپ بولا۔ ''اگر رانی نے اسے خوش کر دیا تو ایک کیا دو لائسنس بھی مل جائیں گے۔ مجھے حاکم لوگوں کے رنگ ڈھنگ معلوم ہیں۔''

اسی وقت اندر والے کمرے میں کچھ گرنے لڑھکنے کی آواز آئی تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور سب کے ہونٹوں پر ہنسی بکھر گئی۔

☆

چرن کا من ہو رہا تھا کہ وہ ہوٹل میں جا کر وہسکی کے دو پیگ لگائے اور پھر گھر جائے۔ لیکن اس کی جیب میں صرف دس کا نوٹ تھا۔ اس نوٹ کو کل کے لئے بچا لے تو۔ وہ سوچنے لگا۔ کل پھر۔ یہ کیا ہو رہا ہے اسے؟ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا۔ من کو کہیں چین نہیں تھا۔

ابھی دس نہیں بجے تھے۔ رگھوناتھ نے بازار پہنچ کر بھارت ٹی اسٹال کے اندر جھانکا۔ کوئی نہیں تھا۔ تب پھر وہ باہر آ گیا اور پچھلی سڑک کے راستے اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ پہاڑی کا پل پار کر کے اس نے ٹھیکیدار چوہدری فرنگی مل کے مکان کے پیچھے کھڈ کے پاس اسی کار کو کھڑے دیکھا تو حیران ہو گیا۔ پاؤں جیسے سڑک کے ساتھ جم کر رہ گئے۔ رگوں میں خون جمنے لگا۔ کتنی دیر وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر آہستہ سے قدم اٹھاتا کار کے پاس آ گیا۔ ٹھیک وہی کار تھی۔ جھانک کر دیکھا تو اندر سویا ہوا ڈرائیور بھی وہی تھا۔ سامنے دیوار میں وہ چور دروازہ تھا جس کے بارے میں سارے محلے میں تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ حیران پریشان وہ وہاں سے چلا تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اندر کسی نے دل کو چیر پھاڑ ڈالا ہو۔

گھر کا بند دروازہ اس نے کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھلا۔ سامنے ماں کھڑی تھی۔

''کہاں تھا اتنی دیر؟''

''دوستوں میں بیٹھا ہوا تھا۔''

آنگن میں پہنچ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ ''باؤ جی آ گئے ماں؟''

''نہیں تو۔'' ساوتری نے جواب دیا۔ کہہ گئے تھے ''آج دیر ہو جائے گی۔''

''کہاں گئے ہوئے ہیں؟

''ہوں گے ٹھیکیدار کے پاس۔ ملا کی دوڑ مسجد تک۔''

چرن کو محسوس ہوا کہ وہاں کھڑے کھڑے اسے کسی نے کیل سے ٹھونک دیا ہو وہاں سے چلنا مشکل ہو گیا۔ ماں کو دیکھا اس کے چہرے پر بھولا پن تھا۔ ہاں۔ صرف بھولا پن۔ کتنی انجان تھی وہ۔

''تو ہاتھ دھو کر آ۔ میں تیرے لیے کھانا لگاتی ہوں۔''

''نہیں ماں۔ چرن نے کہا۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔''

''کیوں؟''

''بھوک کھا آیا ہے کیا؟''

''نہیں ویسے ہی بھوک نہیں ہے۔'' کہہ کر چرن کمرے میں آ گیا۔ بوٹ کھولنے لگا تو پاس ہی باؤجی کی چپلوں پر نظر پڑی۔ ٹھوکر مار کر اس نے انہیں دور پھینکا اور گالی دینے کا من ہوا لیکن صرف بڑبڑا کر رہ گیا۔

☆

کار میں بیٹھتے ہوئے رانی کی چیخ نکلنے لگی لیکن دوپٹے کا پلو منہ میں ٹھونس کر اس نے اسے دبا لیا۔ بیٹھ تو گئی لیکن درد سے آنکھیں سے چھلچھلا آئیں۔ ایسی چمک پڑی تھی جیسے کمر میں کوئی کھونٹا گڑا ہو۔

جانور تو بہت دیکھے تھے لیکن اس منسٹر نے تو حد ہی کر دی۔ مردود نے ایسا الٹا سیدھا کیا کہ توڑ کر رکھ دیا۔ جگہ جگہ سے کاٹ کر لہو بہا دیا۔ مٹکے جیسی توند سنبھالی نہیں گئی تو اپنے ساتھ اسے بھی صوفے پر اس طرح لڑھکایا کہ میز کے ساتھ لگ کر ساری پیٹھ چھل گئی۔ سر میں روڑا پڑ گیا تھا۔

وہ زور زور سے رونا چاہتی تھی اور چیخ چیخ کر اس جانور کو گالی دینا چاہتی تھی لیکن آگے ڈرائیور بیٹھا ہوا تھا۔

کار گلی کے باہر پہنچی تو دو بج رہے تھے۔ ڈرائیور نے باہر نکل کر دروازہ کھولا۔ منہ میں پلو ٹھونسے درد کا کھونٹا کھینچتی رانی باہر نکلی تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ گرتے گرتے اس نے ڈرائیور کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ڈرائیور سمجھا پی کر آئی ہے۔ سہارا دے کر بولا۔ ''چھوڑ آؤں؟''

''نہیں تو جا'' کہہ کر وہ آہستہ آہستہ اندھیرے میں گھس گئی۔ اپنے کو گھسیٹتی دروازے کے پاس پہنچی۔ تالا کھول کر اندر آئی۔ چٹخنی چڑھائی لالٹین جلائی۔ پھر قمیض کے اندر ہاتھ ڈالا تو منہ سے آہ نکلی کتا۔ سور۔ گالی بکتے ہوئے انگیا میں سے سو کا نوٹ نکال کر کھولنا شروع کیا تو دیکھا خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے نوٹ پر لگے ہوئے تھے۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے جلدی جلدی نوٹ پٹاری میں رکھا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ اس وقت کون آیا ہے۔ وہ دروازہ نہیں کھولنا چاہتی تھی لیکن پھر کھٹکھٹ ہوئی تو کھولنا پڑا۔ درد کی شدت کو برداشت کرتی ہوئی وہ آگے بڑھی۔ دروازہ کھولا۔ سامنے سجانو کھڑا تھا کمر کو بڑ کے کارن جھکی ہوئی۔ سفید مونچھیں۔ سفید پگڑی اور آنکھیں جیسے دیئے میں تیل تو ختم ہو چکا

ہو لیکن ابھی جل رہا ہو۔

رانی کچھ بولی نہیں تو سجانو خود ہی ''پرے ہٹ'' کہہ کر اندر گھس آیا۔ رانی نے پھر دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔

سجانو کھاٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ بس راستے میں خراب ہوگئی اس لیے دیر ہوگئی۔ تین گھنٹے سے باہر بیٹھا تیرا انتظار کر رہا تھا۔ کچھ کھانے کے لیے تو لے آ۔''

''میں نے تو کچھ نہیں بنایا آج۔''

''چل جانے دے۔ اب دن نکلنے میں زیادہ دیر نہیں۔'' کہہ کر سجانو تو کھاٹ پر لیٹ گیا۔

رانی سوچ رہی تھی اکیلے بیٹھ کر رونے کو بھی تو کوئی جگہ نہیں اس وقت تو وہ خود کھاٹ پر لیٹ کر اپنے جنم دینے والے کو کوسنا چاہتی تھی۔ انگ انگ میں ہو رہے درد اور اٹھ رہی ٹیسوں سے باتیں کرنا چاہتی تھی۔ من مرضی سے چلانا چاہتی تھی اور اسے پکارنا چاہتی تھی جو شاید کہیں ہے بھی یا نہیں جسے لوگ پرمیشور کہہ کر پکارتے بلاتے ہیں۔

ہونٹ چباتے ہوئے اس نے بتی بجھا دی اور بے ساختہ آنسو بہاتی وہ اندر کی کوٹھری میں جا کر کھاٹ پر لیٹنے لگی۔ چمک کی وجہ سے کمر میں جو کھونٹا گڑا ہوا تھا لیٹتے ہوئے اس نے اسکو سولی پر چڑھا دیا منہ سے چیخ نکلی اور وہ کھاٹ پر ایسے گری جیسے کسی نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا ہو۔

''کیا بات ہے؟'' اس کی چیخ سن کر سجانو اندھیرے میں ٹٹولتا اس کے قریب آ پہنچا۔

''کچھ نہیں۔ تو کیوں آیا یہاں؟

سجانو نے اسکا ہاتھ پکڑا۔ لیکن اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔

''مجھے نہیں لیٹنے دے گی ساتھ؟ میں تیرا گھر والا ہوں۔''

رانی ایک دم طیش میں آ گئی۔ گھر والا ہے تو میرے سر میں یہ راکھ کیوں ڈالی تو نے؟ مجھے کہیں کا نہیں رہنے دیا۔ مٹی میں رول دیا۔ کہاں کا گھر والا تو؟ کس کا گھر والا ہے تو بے شرم۔ لعنت ہے تیری اوقات پر۔ مجھے کیسے کیسے کتوں کے آگے پھینک کر خود دور الگ جا کھڑا ہوا ہے۔ میری بوٹی بوٹی نوچ کھائی ہے انہوں نے۔ ہڈی ہڈی توڑ دی ہے بدن میں سے جان نکال لی ہے۔''

کہتے کہتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سجانو چپ چاپ باہر نکل گیا۔

دونوں کے درمیان اندھیرے کی جو دیوار تھی وہ ٹوٹ کر گر نہیں سکتی تھی۔

☆

نیند نہ آنے کے سبب چرن کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ کروٹیں بدل بدل کر اس کی پسلیاں بھی

ٹوٹ گئی۔ تنگ آ کر وہ اٹھ بیٹھا۔ لیکن اس وقت وہ کرے تو کیا؟ ابھی دو نہیں بجے تھے۔

بار بار اسے باؤ جی کا خیال آ رہا تھا۔ ٹھیکیدار کی بیٹھک میں اتنے لوگوں نے ملکرانی کو! سوچ کر وہ شرمندگی میں ڈوب جاتا کبھی غصے میں ہاتھ پیر پٹکنے لگتا۔ اگر وہ رات نہیں ہوتی دن ہوتا تو نہ جانے وہ کیا کر بیٹھتا اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

دروازہ کھٹکھٹائے جانے کی آواز آئی۔ وہ سمجھ گیا باؤ جی آئے ہیں ماں اٹھے گی... یہ سوچ کر وہ لیٹا رہا۔ لیکن ماں شاید گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی کھٹ کھٹ ہوتی رہی آخر اسے اٹھنا پڑا۔ پہلے تو سوچا کہ توشی کو اٹھا کر کہے کہ دروازہ کھول آئے۔ لیکن اس بات کا کیا جواب دے گا کہ تو آپ کیوں نہیں کھولتا؟

اس نے جا کر کنڈی کھولی۔ اندر گھستے ہی ہردیال کھانے کو دوڑ پڑا۔

''گھنٹہ ہو گیا ہے کھٹکھٹاتے ہوئے۔ محلے والے اٹھ بیٹھے مگر تم لوگوں کی نیند نہیں کھلی۔ کانوں میں روئی۔ ے رکھی ہے کیا؟''

چرن کچھ بولا نہیں۔ ماں کو آتے دیکھ کر وہ کمرے میں چلا گیا۔ ساوتری نے پوچھا۔'' کھانا دوں؟''

''یہ روٹی کھانے کا وقت ہے؟'' ہردیال کا غصہ اب بیوی پر اترنے لگا۔

''وقت بے وقت تو دیکھا کر۔ عقل کو تالا لگا کر رکھا ہوا ہے تو نے جا سو جا۔''

چرن پھر اپنی کھاٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ ماں کو روز ہی سننی پڑتی ہے۔ وہ سوچنے لگا۔ اس نے کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیا۔ ماں کو معلوم ہے پی کر آئے ہیں۔ وہ کچھ بولے گی تو بات بڑھ جائے گی۔ محلے والے جاگ جائیں گے۔

وہ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ سگرٹ کی طلب بڑھ رہی تھی۔ ڈبی ختم ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ وہ کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگانے لگا۔ پیٹ کو بھوک کی ایک تیز چھری نے کاٹنا شروع کر دیا۔ چھاتی کے بوجھ کے سبب دم گھٹ رہا تھا۔

باہر جھانک کر دیکھا۔ رات ابھی بھی کالی اندھیری تھی۔ ماچس جلا کر ٹائم پیس کے قریب جا کر دیکھا چار بج رہے تھے۔ راحت ملی۔ ایک گھنٹہ اور گذر جائے تو وہ یہاں سے باہر نکل سکتا ہے۔ بھلے کی دکان پانچ بجے کھل جاتی ہے۔ اس نے سوچا۔ اس کی دکان میں جا کر چائے پی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ ایک گھنٹہ؟

اسی وقت گھڑی کے الارم بجنے کی آواز کانوں میں پڑی توشی نے الارم لگایا ہوگا۔ اس نے

کھڑکی میں آکر دیکھا تو شی کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ روشنی دیکھ کر گھبراہٹ کچھ کم ہوئی۔ وہ توشی کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔ توشی اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔

''تو روز اس وقت اٹھتی ہے؟ چرن نے پوچھا۔

''ہاں امتحان جو سر پر آ پہنچے ہیں۔''

چرن کرسی پر بیٹھ گیا۔ اکیلے بیٹھنے سے یہاں توشی کے پاس بیٹھنا اسے اچھا لگا۔ اس جان لیوا اندھیرے سے تو جان چھٹی۔ وہ بڑے غور سے توشی کو دیکھنے لگا۔ توشی بالوں کو ربن سے باندھ رہی تھی۔ پھر وہ الماری سے کتابیں نکال کر اپنے بستر پر پھینکنے لگی۔ ''کیا بات ہے بھیا تو سویا نہیں؟'' کتابوں کو سمیٹتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''مجھے ابھی پانچ بجے کہیں جانا ہے اسی چنتا میں نیند نہیں آئی کہ کہیں سویا ہی نہ رہ جاؤں۔''

''اب بھی تھوڑی دیر سو لے میں تجھے جگا دوں گی۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ توشی کو دیکھتا رہا اور سوچنے لگا جس دنیا میں میں ہوں وہ کتنی خراب کتنی الجھی ہوئی ہیں اور کتنی گناہ آلود ہے اور جس دنیا میں توشی ہے وہ کتنی بھولی بے فکر کتنی معصوم ہے۔

''چنچل پوچھ رہی تھی تیرا بھیا کویتا لکھتا ہے؟'' میں نے کہہ دیا کہ لکھتا ہے۔

''میں نے تو کبھی نہیں لکھی کویتا۔''

''نہیں لکھی تو کیا ہوا۔ ایک لکھ دے۔ بیچاری کو۔ اسے بڑا شوق ہے کویتا پڑھنے کا۔''

نہ جانے کیوں اس وقت چرن کو چنچل کا ذکر پسند نہیں آیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں جا رہا ہوں تو دروازہ بند کر لے۔''

کوٹ پہن کر وہ باہر نکل آیا۔ ٹھنڈ بہت تھی۔ اس نے کوٹ کے کالر کانوں تک اوپر کر لیئے کھلی ہوا کا جھونکا لگا تو محسوس ہوا جیسے وہ ایک تکلیف دہ قید سے باہر نکل آیا ہے۔

اجالا ہوتے ہی چنچل اپنی کتابیں اٹھا کر توشی کے پاس آ پہنچی۔ اسے اپنی نئی کویتا سنانے کی جلدی تھی جسے اس نے رات دو بجے تک جاگ کر لکھا تھا۔ چنچل نے کویتا سنائی تو توشی بولی ''اسے میرے پاس رہنے دے بھیا کو سناؤں گی۔''

یہی تو چاہتی تھی چنچل۔ چرن کا تصور کر کے ہی اس نے یہ کویتا لکھی تھی۔

''تو نے اپنے بھیا سے پوچھا کویتا کے بارے میں؟''

''وہ نہیں لکھتے کویتا۔ آج کوئی گھنٹہ پہلے ہی تو وہ میرے پاس آ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہہ رہے

تھے۔وہ ساری رات نہیں سوئے۔''

چنچل حیران ہوئی۔ساری رات نہیں سوئے؟ پھر اسے اپنا جاگنا یاد آیا۔

''پتہ نہیں کیا بات تھی۔''توشی بولی''میں نے پوچھا تو بولے کہیں جلدی جانا تھا اسی فکر میں نہیں سوئے۔آج کل ویسے بھی بھیا کچھ سوچوں میں پڑا رہتا ہے۔''

''کون سی سوچوں میں پڑا رہتا ہے؟''

''نوکری نہیں مل رہی۔نہیں تو اور کیا بات ہو سکتی ہے۔''

سن کر چنچل کو مایوسی ہوئی۔ پہلے اسے لگا کہ چرن اس کی سوچوں میں پڑا رہتا ہے۔ ویسے نوکری نہ ملنے کی بات سن کر اسے بھی دکھ ہوا۔ بولی'' کتنے بڑے کلاکار ہیں لیکن انہیں بھی نوکری نہیں ملتی۔''

''کوشش کر رہے ہیں شاید اسی لیے آج جلدی گھر سے نکل گئے ہیں۔''

''جب وہ آئے میری کو بتا ضرور دینا پڑھنے کے لیے۔''

اسی وقت ساوتری کی پکار سنائی دی۔ چرن کہاں ہے؟''

توشی نے وہاں سے ہی جواب دیا۔'' ماں بھیا کو کہیں جانا تھا سویرے پانچ بجے ہی چلا گیا ہے۔''ساوتری کو تعجب ہوا۔ چرن سویرے پانچ بجے اٹھ کر چلا گیا۔اسے رات چرن پر باؤجی کا چیخنا چلانا یاد آ گیا کہیں اسی بات پر ناراض ہو کر تو نہیں چلا گیا؟ سوچ کر ساوتری گھبرا گئی۔

ساڑھے نو بجے جب لالہ ہردیال سندھیا پاٹھ کر کے چوکے میں روٹی کھانے بیٹھے تو ساوتری ناراضگی سے بولی۔''ایک تو رات کو اتنی دیر سے آنا اور پھر دوسروں کو گالیاں دینا؟''

''گالیاں؟ کس نے دی گالیاں؟''

''آپ نے اور کس نے؟''ساوتری نے پھلکا سینکنا چھوڑ دیا۔''رات میں بہت تھک گئی تھی سر میں درد ہو رہا تھا۔آنکھ لگ گئی ہو گی۔دروازے کی کھٹ کھٹ سے بھی نیند نہیں کھلی۔بے چارے چرن کو ہی اٹھنا پڑا اور آپ اس کے پیچھے ہی پڑ گئے۔جوان بیٹا ہے کیا سوچتا ہوگا کہ باپ شراب پی کر گالی نکال رہا ہے۔''

''شراب؟ کس نے پی شراب؟''ہردیال نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔کہیں توشی تو یہ بات نہیں سن رہی۔

''اپنی پیٹھ پیچھے کی میل کیسے نظر آتی ہے؟ آپ کیا سمجھتے ہیں چرن ابھی چھوٹا ہے اسے کچھ اتا پتا نہیں؟ آپ کو معلوم ہے کہ آج وہ سویرے پانچ بجے ہی گھر سے نکل گیا ہے۔بغیر کچھ کہے سنے۔''

''سیر سپاٹے چڑھا ہوا ہے۔ اسے کسی کی کیا پرواہ ہے؟''

''اور نکالو اسے گالی۔''

''تو تو پاگل ہوگئی ہے۔''

توشی کو آتے دیکھ کر دونوں چپ ہو گئے۔ توشی آج پھر لیٹ ہوگئی تھی۔

☆

ساڑھے چار بجے چرن گھر سے باہر نکلا تو بے دلی کے ساتھ وہ بڑی سڑک پر آ گیا۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت بھی نیند نہیں تھی۔ درد ہو رہا تھا۔ ڈنگے کے پاس پہنچ کر وہ لمحہ بھر کیلئے کھڑا رہا اور بنا سوچے سمجھے رام نگر کی طرف چل دیا۔ اتنے جاڑے میں بھی اسے ٹھنڈ نہیں لگ رہی تھی۔

آگے جا کر ایک آدمی اسے پوری بانہوں کا سوئٹر۔ نیکر۔ لمبی جرابیں اور فلیٹ بوٹ پہنے ہوئے دوڑتا نظر آیا۔ اسے عجیب سا لگا۔ بدن کو تندرست رکھنے کے لیے اتنی جان مارنا اس وقت اسے فضول بے تکی اور مضحکہ خیز بات لگی۔ ساری رات اس نے جو تکلیف بھوگی تھی اور جس اندرونی عذاب نے ساری رات اس کی رگوں کا خون پیا تھا اس کے آگے جسم کو درست رکھنے کی یہ کوشش بیکار ہے اس وقت تو وہ صرف اس عذاب سے چھٹکارا چاہتا ہے۔ وہ چل رہا تھا لیکن نہ اس کے آگے کوئی راستہ تھا نہ پیچھے۔

پہلے زنجیروں والے پل کے پاس پہنچ کر وہ لوٹ آیا۔ ابھی اندھیرا ہی تھا جب وہ چائے کی امید میں بھلے کی دوکان پر پہنچ گیا۔ بھلے نے ابھی دکان کھولی ہی تھی۔ اور انگیٹھی میں کوئلے ڈالنے شروع کیے تھے۔ چرن کو دیکھ کر وہ عینک کے بڑے بڑے شیشوں میں سے جھانکتا ہوا بولا۔

''بادشاہو آج کیا بات ہے خیر تو ہے؟''

''یار بھلے جلدی کر چائے کا ایک کپ دے'' کہہ کر چرن دکان کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ تنہائی اس وقت اس کے لیے سو سکھوں کے برابر تھی۔ کرسی پر بیٹھ کر اس نے دونوں پیر میز پر رکھ دیئے۔

کوئی دس پندرہ منٹ کے بعد جب بھلا چائے کا کپ لے کر آیا تو دیکھا چرن سویا ہوا ہے۔ اس نے کندھا ہلا کر جگانے کی کوشش کی لیکن چرن کی نیند نہیں کھلی۔ وہ چائے کا کپ لے گیا اور خود پینے لگا۔

سات بجے تو ریڈیو کے شور نے چرن کو جاگنے پر مجبور کر دیا۔ اپنے پیر میز پر رکھے دیکھ کر وہ جھٹ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

چائے پی کر وہ دکان سے نکلا۔ اپنے گھر والی گلی کے سرے پر پہنچ کر اس کے پیر رک گئے جیسے آگے بڑھنے سے انکار کر رہے ہوں۔ وہ اندھیرا وہ گھٹن گھبراہٹ اسے یاد آ گئی۔ دل میں کراہیت سی محسوس ہوئی۔ پھر یاد آیا کہ آج پروفیسر گوپال کی چھٹی ہوئی ہے وہ گھر ہی ہوگا۔

وہ گوپال کے گھر پہنچا۔ گوپال کمبل لپیٹے بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ چرن کو دیکھکر پہلے تو وہ حیران ہوا پھر جیسے کچھ یاد آیا ہنستے ہوئے بولا۔'' ایسا لگتا ہے جیسے ساری رات تو سویا نہیں۔ سیدھا وہیں سے تو نہیں آ رہا؟''

'' ہاں'' چرن بنا سوچے سمجھے مان گیا اور ساتھ ہی آگے بات بتانے لگا۔'' پتا نہیں لگا کہ رات کیسے گذر گئی۔ اس حالت میں گھر جانا ٹھیک نہیں سمجھا۔ سوچا تیرے پاس تھوڑی دیر سو لوں اور پھر نہا دھو کر گھر جاؤں۔''

گوپال نے اسے بستر میں سو جانے کے لیے کہا۔ چرن کو رضائی میں گھس کر اچھی گرماہٹ ملی۔ گوپال بولا۔'' بڑا خوش قسمت ہے یار تو دنیا جہاں کی عیاشی تیرے نام لکھی ہوئی ہے۔''

'' اپنی اپنی قسمت ہے۔'' چرن کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔'' پھر کیا لکھ رہا ہے تو؟ اس نے گوپال سے پوچھا۔''

'' ریڈیو کے لئے ٹاک ہے۔''

چرن ہمیشہ سے گوپال پر رشک کرتا آیا ہے اس کی کام کرنے کی قوت کو دیکھ کر وہ کلاکار بھی ہے کہانیاں شاعری ڈرامے سبھی کچھ لکھ لیتا ہے۔ ساتھ ہی وہ دنیاداری میں بھی طاق ہے جانے مانے لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھنے والا خوب چاق و چوبند۔ جہاں دیکھو وہاں موجود۔ اخباروں رسالوں میں چھپتا ہے ریڈیو پر بولتا ہے کالج میں پڑھاتا ہے اور ابھی سے ترقی کے راستے تلاش رہا ہے۔

اس وقت چرن کو گوپال کے بارے میں سوچنا اچھا لگا۔

یہ سوچ کر کہ چرن سونے لگا ہے گوپال پھر سے لکھنے میں معروف ہو گیا۔ لیکن چرن کو نیند نہیں آئی۔ رضائی میں سے منہ نکال کر بولا۔'' یار تو اتنا کام کیسے کر لیتا ہے؟

'' کہاں اتنا کام کر لیتا ہوں؟ کہہ کو گوپال نے پھر لکھنا چھوڑ دیا کچھ لمحوں کے بعد چرن کی طرف منہ پھیر کر کہنے لگا۔'' اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے کچھ زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ تجھے تو معلوم ہے کہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ سبھی گھر والے قبائلی حملے میں مارے گئے تھے۔ غیروں کے بس میں پڑا میں بڑا ہوا پرایوں کی مہربانیوں سے پڑھا لکھا۔ تیری طرح میرا کوئی گھر نہیں جہاں ہر طرح کا سکھ

مل سکے۔ مجھے اپنا ایک گھر بنانا ہے اور اسی لیے مجھے ہر وقت محنت کرنی پڑتی ہے۔

''مجھے بھی اب تیری طرح بہت کام کرنا ہے۔''

''کیوں؟''

''میں بھی اپنا ایک گھر بنانا چاہتا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اب کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ بس اپنا گھر بنانا چاہتا ہوں۔''

گوپال کچھ سمجھا کچھ نہیں۔ ہنس کر کہنے لگا۔ ''میں اس لیے گھر بنانا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ میرا کوئی اپنا ہو اور تو اس لیے گھر بنانا چاہتا ہے کہ تو اپنوں سے الگ ہو جائے''

چرن کو گوپال کی شاعرانہ بات اچھی لگی۔ مسکرا کر پوچھنے لگا۔ ''تیرے خیال میں دونوں میں سے قابل رحم کون ہے؟''

گوپال بڑے غور سے چرن کے منہ کی طرف دیکھنے لگا پھر دھیرے سے بولا۔ ''یہ تو آج کیسی باتیں کر رہا ہے؟''

کوئی جواب دینے کی بجائے چرن نے منہ پھر سے رضائی کے اندر کر لیا اور اندر سے ہی کہنے لگا۔ ''تو اپنا کام کر یار میں خوامخواہ تجھے ڈسٹرب کر رہا ہوں۔''

☆

رانی کی آنکھ کھلی لیکن اٹھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ سامنے دیوار میں بنے چھوٹے سے روشن دان سے دھوپ جھانک رہی تھی۔ اس نے جان لیا کہ صبح ہو چکی ہے۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک لمبا مشکل سفر طے کر کے آئی ہے اور سارا بدن تھک کر ٹوٹ گیا ہے رواں رواں گھائل ہو گیا ہے۔ کہاں سے شروع کیا ہے سفر اور کہاں آ پہنچی ہے۔ اسے ہوش نہیں تھا۔

اچانک اسے یاد آیا کہ رات سجانو آیا تھا۔ دل کانپ اٹھا دھیرے سے کروٹ بدلی۔ شکر ہے کہ سجانو اس کے ساتھ لیٹا ہوا نہیں تھا۔ پھر اسے یاد آیا کہ اس نے سجانو کو گالی دے کر اس کوٹھری سے نکال دیا تھا۔ لیکن اس کا کیا پتا؟ کئی بار وہ سوئی ہوتی ہے اور وہ ساتھ ہی آ کر سو جاتا ہے چمگادڑ کی طرح۔

آخر اسے اٹھنا ہی پڑا پانی بھرنے کے لیے۔ آٹھ بجے کے بعد نل میں پانی نہیں رہتا۔ اٹھتے ہی درد کی ٹیسیں بھی اٹھیں۔ ''موئے نے دھن ڈالا۔ ماں کا خصم۔'' اس کے منہ سے گالیاں نکلنے لگیں۔ اسے اس کی توند یاد آ گئی۔ ''کیسے بھالو کی طرح کاٹ چبا ڈالا'' اس کا ہاتھ چھاتی پر گیا زخم

ابھی تازہ تھے۔

سامنے ہی چارپائی پر ایک سفید کاغذ پڑا نظر آیا۔ ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھالیا۔ چرن کے کوٹ میں سے گرا ہوا کاغذ تھا۔ انگریزی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ رانی نے کاغذ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر وہیں رکھ دیا۔ چرن کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا اور وہ کہیں اور ہی جا پہنچی تھی جیسے گہرے پانی میں ڈوبتے آدمی کو کوئی لہر اٹھا کر اوپر لے آئے۔ جب اس کے ننگے بدن پر چرن کا ننگا بدن مچل مچل کر بے دم سا پڑا تھا تو پتا نہیں کیوں وہ اس کی پیٹھ پر دھیرے دھیرے ہاتھ پھیرنے لگی تھی جیسے وہ کوئی بہت پرانا شناسا ہو۔ تب ہی تو اس کا نام پوچھ لیا تھا اس نے۔ ''چرن'' رانی کے منہ سے نکلا۔

وہ کھاٹ پر سے اٹھی۔ انگ انگ درد سے ٹیس اٹھا لیکن چمک ٹھیک ہو چکی تھی۔ باہر کمرے میں آ کر دیکھا کھاٹ پر لیٹا سجانو سگرٹ پی رہا تھا۔ اسے ابکائی آ گئی اور اس نے اپنا منہ پھیرلیا۔ پھر بالٹی اٹھائی اور پانی بھرنے کے لیے گلی میں آ گئی۔

نل پر پڑوسیوں کی نئی بہو سلیمہ نے گھڑا لگا رکھا تھا۔ رانی اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اسے معلوم ہے کہ سلیمہ کو اس کی بدذات ساس رجو نے اس کے ساتھ بات کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ بے چاری کو ساس کی گالیاں سننی پڑیں گی یہ سوچ کر رانی اس سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی اس نے سلیمہ کی طرف دیکھا گلابی ساٹن کی شلوار قمیض سر پر کناری والا لال دوپٹہ۔ کانوں میں جھمکے پاؤں میں پازیب موٹی موٹی آنکھیں سرخ ہونٹ۔ اس کے روپ رنگ پر رانی فدا ہو گئی۔ اس کا من ہوا کہ وہ اس سے کچھ بات کرے۔

''رمضان چلا گیا کام پر؟'' رانی نے پوچھا۔

''نہیں۔'' پل بھر کو رانی کو دیکھتے ہوئے سلیمہ نے پھر سے آنکھیں جھکالیں۔ ''ابھی تک سویا ہوا ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر ہنسی کی پرچھائیں ابھر آئی تھی۔

''رات کو دیر سے سوتا ہوگا۔ تجھے بھی جگاتا ہوگا۔'' رانی نے بہت ہی دھیمی آواز میں کہا اور کہتے ہوئے ہنس بھی دی۔ سلیمہ شرم سے سمٹ گئی۔ اسی وقت اس کا گھڑا بھر گیا اور پانی اوپر سے بہنے لگا جیسے اسے بھاگ نکلنے کا بہانہ مل گیا ہو۔ جھک کر اس نے گھڑے کے گلے میں ہاتھ ڈالا اور گھڑا گیند کی طرح اچھل کر اس کے کولہے پر جا ٹکا۔ پیر گھر کی طرف دوڑے اور پازیبوں کی جھنکار پیچھے رہ گئی۔

رانی نے مسکرا کر اپنی بالٹی نل کے نیچے لگائی اور دل ہی دل میں رمضان کی خوش قسمتی کو سراہنے لگی۔

پہلے رمضان بھی کبھی کبھی اس کی کوٹھری میں ڈبکی لگالیتا تھا وہ ان دنوں وہ نئی نئی اس گلی میں

آئی تھی اور ابھی رمضان کا بیاہ نہیں ہوا تھا ان دنوں دو پہر میں رمضان کی ماں رانی کے پاس آ کر بیٹھتی تھی اور دنیا جہاں کی باتیں کرتی رہتی تھی۔ اسے شک تھا کہ رانی کے لچھن خراب ہیں خبر لیتی ہی رہتی تھی۔ جب اسے پتہ چلا کہ رمضان بھی اس کے منہ کالا کرتا ہے تو اس نے اس کے ساتھ بات چیت بند کر دی اور رمضان کے لیے حور جیسی سلیمہ کو بیاہ کر لے آئی۔

بالٹی بھر گئی تو رانی نے ہاتھ ڈال کر اسے اٹھانے کوشش کی لیکن اٹھاتے ہی بدن درد کی لہروں سے کانپ اٹھا۔ بڑی مشکل سے بالٹی اٹھا کر ہونٹ دبا کر درد برداشت کرتی گھر میں گھسی۔ سجانو ویسے ہی کھاٹ پر لیٹا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ دوسری بالٹی لے کر وہ پھر باہر نکلی تو دیکھا اب سلیمہ نہیں رجو کھڑی تھی نل کے آگے گھڑا لگا کر۔

وہ جھجک گئی۔ سوچ آئی کہیں سلیمہ نے تو جا کر نہیں بتا دیا کہ رانی اس کے ساتھ بات کر رہی تھی۔ بتا بھی دیا ہوتا تو میری جوتی سے۔ کیا کر لے گی میرا سوچ کر وہ نل کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ رجو نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا اور پانی ابھی گھڑے کے گلے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اٹھا کر چلی گئی۔ رانی نے بھی اسے ان دیکھا کر کے بالٹی نل کے نیچے لگا دی۔

چاروں بالٹیاں بھر گئیں تو اس نے سجانو کو نہانے کے لیے کہا۔ سجانو اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا
'' پہلے تو کیوں نہیں نہا لیتی؟

'' نہیں پہلے تو نہا لے اور پھر بازار ہو آ۔''

'' کیوں؟'' سجانو ناامید ہو کر بولا۔ وہ انتظار کر رہا تھا کہ رانی سامنے بیٹھ کر نہائے گی اور وہ اسے دیکھے گا۔ لیکن وہ تو اسے پہلے ہی باہر نکال رہی تھی۔

رانی نے کہا۔'' رامو اور راجی کے لیے کچھ چیزیں لے آ۔''

'' تو آپ جا کر لے آنا۔''

'' میرا بدن ٹوٹ رہا ہے میں نہیں جا سکوں گی۔''

سجانو کو اس کی بات ماننی پڑی بھلے ہی من مار کر ۔ ٹھٹھرتے ہوئے وہ کپڑے اتارنے لگا تب رانی نے پوچھا۔'' رامو کو کبھی میری یاد آتی ہے۔؟

'' کبھی کبھی۔''

'' کیا حال ہے اس کا؟''

'' اچھا ہے۔''

'' اور راجی؟''

''وہ بھی ٹھیک ہے۔ کھیلتی ہے۔ پڑھتی ہے۔''

''انہیں بھی ساتھ کیوں نہیں لے آیا؟''

''دیکھ رانی میں اب پوری طرح ٹوٹ چکا ہوں۔ اکیلے سفر کرنا مشکل ہے بھلا بچوں کے ساتھ کیسے آسکتا ہوں؟

کپڑے اتار کر اس نے ایک طرف لٹکائے اور صرف لنگوٹ پہن کر نہانے سے ہی تھرتھری شروع ہوگئی۔ لوٹے سے پانی ڈالا تو دانت بجنے لگے اور ''رام رام سری رام'' کے بول بھی منہ میں دب کر رہ گئے۔

رانی کو وہ بس ہڈیوں کا پنجر ہی نظر آرہا تھا۔ اس کی طرف سے نظریں پھیر کر وہ چولہے میں آگ جلانے کے لیے بیٹھ گئی۔ جب سجانو نہا کر آیا تو رانی نے اس کے لیے چائے بنادی تھی۔ وہ چائے پینے بیٹھا تو رانی پٹاری میں سے نوٹ نکالنے لگی۔ دس کا نوٹ ہاتھ میں پکڑتے ہی چرن کی یاد آگئی۔ اس نے پوچھا تھا۔ تو نام کیوں پوچھنا چاہتا ہے؟ چرن بولا تھا۔ یاد رکھنے کے لیے چرن کی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ یاد کروں گا۔ یاد کروں گا۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ پگلا گئی ہے۔ وہ جلدی سے اٹھی اور سجانو کو دس کا نوٹ دیتے ہوئے بولی۔ ''دو روپے کے بتاشے۔ دو کی کشمش۔ ایک خطائیاں اور پانچ روپے کے کھلونے لے آ۔''

سجانو ابھی تک کانپ رہا تھا۔ چائے کا آخری گھونٹ پیتے ہوئے اس نے نوٹ لے لیا۔ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ چیزیں کس کے لئے لانی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ رامو اور راجی ان سب چیزوں کے انتظار میں گاؤں میں بیٹھے ہیں۔

جب سجانو یہ ساری چیزیں لے کر آیا تو رانی نہا کر روٹی بھی بنا چکی تھی۔ سجانو روٹی کھا کر سگرٹ پینے بیٹھا ہی تھا کہ رانی نے اسے سو کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ دو مہینے کا خرچہ ہے۔ دو مہینے بعد منی آڈر بھیج دوں گی۔ تجھے اب یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔''

''اگر میں آج کا دن یہاں رہ لیتا تو۔''

''نہیں اب تو چلا جا۔''

نوٹ پر لہو کے دھبے دیکھ کر سجانو کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ایک دو بار ان دھبوں کو دیکھ کر باہر نکل گیا۔

دروازہ بند کر کے اور چٹخنی چڑھا کر رانی کو محسوس ہوا بہت بڑا بوجھ چھاتی سے اتر گیا۔ اب اسے بھوک کا بھی خیال آیا۔ وہ روٹی کھانے بیٹھ گئی۔ پہلا نوالہ منہ میں ڈالتے ہی آنکھوں میں آنسو

آ گئے اسے راموا ور راجی کی یاد آ گئی۔ کئی مہینے ہو گئے تھے انہیں دیکھے ہوئے۔

☆

گوپال سوچ میں پڑا تھا کہ چرن کو جگائے کہ نہیں۔ بارہ بج گئے تھے اور اسے بازار روٹی کھانے جانا تھا۔ چرن اس کے ساتھ نہ بھی جائے تو بھی اسے دروازہ تو اندر سے بند کرنا تھا۔ آخر اس نے اسے رضائی کے اوپر جھنجھوڑا۔ گہری نیند سوئے چرن کی نیند بڑی مشکل سے کھلی۔ نیند کی خماری سے سرخ اس کی آنکھوں کو دیکھکر گوپال پچھتانے لگا کہ اس نے اسے کیوں اٹھایا۔

''یار میں تے جاتا ہے تو دروازہ بند کر لے۔''

''کہاں جا رہا ہے تو؟

''پہلے روٹی کھاؤں گا پھر ریڈیو اسٹیشن جاؤں گا۔''

''اگر تجھے جلدی نہ ہو تو میں بھی ہاتھ منہ دھو کر تیرے ساتھ نکل پڑتا ہوں۔''

''چل۔لیکن اگر تو سونا چاہتا ہے تو بے شک سو۔''

''نہیں۔نہیں میں نے اور نہیں سونا۔'' کہتے ہوئے چرن اٹھ کھڑا ہوا۔

''ٹھیک ہے تو آرام سے نہا لے۔''

چرن پندرہ بیس منٹ میں تیار ہو گیا غسل خانے میں سے تولیا لپیٹے ہوئے نکلا تو کہنے لگا۔

''گوپال مجھے ایک شرٹ اور پینٹ دے دے۔اس وقت میں گھر نہیں جا سکوں گا۔''

چرن کی ہر بات آج نرالی تھی۔ حیران کن تھی گوپال کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن پوچھا نہیں۔ اس نے اپنی پینٹ شرٹ نکال کر دے دی۔ پھر دونوں پرویز کے بارے میں باتیں کرتے کرتے باہر نکل آئے۔

چرن بولا۔ ''پرویز آج چلا گیا ہوگا میڈم کے ساتھ۔''

''ہاں'' گوپال کہنے لگا۔ سالے کی ساری خواہشیں پوری ہو جائیں گی۔'' پھر گوپال کو جیسے کچھ یاد آیا۔''یار چرن تو نے کچھ بتایا نہیں کہ تیری رات کیسے بیتی؟

''میں نے بھی دل کی ساری حسرتیں پوری کر لیں۔''چرن نے جواب دیا لیکن اندر اندر کلیجے میں درد سا ہونے لگا۔

''بڑی خوبصورت ہے وہ؟ گوپال نے پوچھا۔

''پوچھ نہیں آنکھوں سے باتیں کرتی ہے۔ گالوں میں گڑھے پڑتے ہیں اور۔''

''بس کر یار۔'' گوپال نے ٹوکا۔ ہمارا دین ایمان تو قائم رہنے دے یہ بتا کہ وہ لڑکی ہے یا۔''

''عورت ہے۔ لیکن عمر ستائیس اٹھائیس سے اوپر نہیں ہو سکتی۔''

''کسی دن ہمیں بھی لے چل۔''

''خراب باتوں میں مت پڑ۔ ہماری طرح ٹھوکر کھا جائے گا۔ یہ تو سوچ کہ دنیا میں ایسے کتنے لوگ ہیں جنھوں نے خود کو تیری طرح سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔

''ہمیں اتنا تو بدنام نہ کر نا یار۔'' گوپال نے ہنس کر کہا۔

''میں تیرے ساتھ مذاق نہیں کر رہا۔'' چرن سنجیدہ ہو کر بولا۔ ''میں سچ ہی وہاں جا کر پچھتا رہا ہوں۔ مجھ پر تو اس نے کوئی جادو منتر ہی کر دیا ہے۔ ہر وقت اس کی ہی سوچ۔ ہر وقت اس کا ہی خیال۔ میں تو پاگل ہو گیا ہوں۔ دیکھا جائے تو اس وقت مجھے ان لذتوں میں نہیں پڑنا چاہیے تھا۔ بیکاری نے ویسے بھی توڑ کر رکھ دیا ہے مجھے کام کی ضرورت ہے۔ میں خوب محنت کرنا چاہتا ہوں تا کہ میرا کوئی کیریئر بن سکے۔

گوپال کو پھر سے محسوس ہوا کہ چرن آج عجیب باتیں کر رہا ہے جب وہ ڈوگرا ویشنو ہوٹل پہنچے تو چرن نے کہا۔ آج میں بھی یہاں کھانا کھا لیتا ہوں۔'' تب گوپال کو اور بھی یقین ہو گیا کہ چرن کے ساتھ ضرور کچھ انہونی بیتی ہے۔ پھر بھی اس نے سیدھے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔

☆

اڈے پر بس لگی ہوئی تھی۔ سجانو نے ٹکٹ لیا اور بس میں داخل ہو گیا۔ پیچھے ایک ڈبل سیٹ خالی تھی۔ وہاں بیٹھ گیا۔ گٹھری پیروں کے پاس ٹکائی اور پیر اوپر موڑ لیے۔

اڈے تک پہنچنے میں ہی اس کا دم پھول گیا تھا۔ دمے کے روگ نے اسے اتنا لاغر کر دیا ہے کہ اسے محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ جی رہا ہے یا مر ہو چکا ہے۔ سانس لیتے ہوئے لگتا ہے جیسے دم نکل رہا ہے۔ زیادہ گرمی یا زیادہ سردی میں جب بدن کے ایک ایک جوڑ میں درد جاگتا ہے تو اس کے آنسو بھی نکل آتے ہیں۔

کھڑکی میں سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا تو اس نے شیشہ چڑھا دیا اور کوٹ کی جیب میں سے ایک مڑا تڑا سگرٹ نکال کر سلگانے لگا۔ پہلا کش لیتے ہی کھانسی لگ گئی اور کھانستے ہوئے انتڑیاں باہر نکلنے لگیں۔

اسی وقت بس چل دی۔

وہ کئی بار سوچتا ہے کہ پچھلے جنم میں اس نے بڑے۔ بھاری پاپ کئے ہیں۔ جن کا پھل وہ اس جنم میں بھوگ رہا ہے۔ کبھی کبھی وہ ان پاپوں کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کس

طرح کے پاپ ہیں۔ ساری ساری رات وہ آنکھیں کھول کر اندھیرے میں ٹٹولتا رہتا ہے لیکن ہاتھ کچھ نہیں آتا۔

پندرہ سال پہلے جب وہ چالیس برس کا تھا وہ پندرہ کی رانی کو بیاہ کر لایا تھا۔ یہ اس کی دوسری شادی تھی۔ پہلی گھر والی بے اولاد ہی مر گئی اور سجانو کی صحت اتنی اچھی اور بدن اتنا مضبوط تھا کہ پندرہ برس کی رانی کے ساتھ دیکھ کر کسی نے ناک بھوں نہیں چڑھائی تھی۔ رانی کو بھی اس نے یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ اس سے پچیس سال بڑا ہے۔ رانی تو اس کا بہت زیادہ احسان مانتی تھی کہ اس نے ایک غریب ماں کی لڑکی کو سہارا دیا۔

ان دنوں سجانو میونسپل کمیٹی کے دفتر میں اردلی تھا۔ تنخواہ کے علاوہ دو تین روپے روز اوپر سے بنا لیتا تھا۔ اچھی نبھ رہی تھی۔ اسی لئے جب رامو پیدا ہوا تو اس کی پہلی لوہڑی پر اس نے جی بھر کر شراب پی اور ہیجڑے نچائے اور رانی نے جھولی بھر بھر کر بتاشے بانٹے تھے۔

کوئی سات برس پہلے اچانک ہی سجانو کو محسوس ہوا کہ وہ کمزور ہوتا جا رہا ہے رامو کو کھلاتے ہوئے اس کی بانہیں تھکنے لگیں۔ چلتے چلتے پیر تھکنے لگے۔ کسی بات کا مزہ نہیں رہا تو رانی نے کہا۔ ڈاکٹروں کو دکھاؤ۔ ہسپتال جا کر پورے ٹیسٹ کرائے تو پتہ چلا کہ پیشاب میں شکر آ رہی ہے اور مرض کافی بڑھ چکا ہے۔ دوائیاں دی گئیں انجکشن لگائے گئے۔ کچھ فرق پڑا لیکن کچھ مہینوں کے بعد پھر وہی حال۔ دیکھ بھال بھی پوری کی گئی لیکن مرض بڑھتا گیا۔ جو کچھ جمع بچا تھا سب ختم ہو گیا۔ کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ دفتر تک جانا مشکل ہو گیا۔ سال بھر بعد نوکری بھی چھوٹ گئی۔ انہیں مشکلوں مصیبتوں کے دور میں راجی کا جنم ہوا۔ تکلیف اور بڑھ گئی۔ پچھلے سات سالوں میں لگتا ہے اس کی عمر ستر برس کی ہو گئی ہے اور رانی وہیں کی وہیں۔ وہ بھی کیا کرتی؟ بچوں کو کب تک بھوکا پیاسا دیکھ سکتی تھی۔ اس نے خود ہی رانی سے کہا تھا۔ ''جو ہوتا ہے وہ کر۔''

بس توی کے پل پر رک گئی ہے۔ ادھر سے آنے والی بسیں اور دوسری گاڑیاں جب گذر جائیں گی تب ادھر کی گاڑیاں چلیں گی سجانو نے کھڑکی کے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔ توی کا پانی گھٹ چکا تھا۔ ٹھنڈی سانس نکلی۔ کبھی وہ ہر برس وہاں میلے میں جاتا تھا۔ اب تو وہ کبھی بھی اتنی چڑھائی نہیں چڑھ سکے گا۔ ہر بات کتنی مشکل ہو گئی ہے۔

کوئی بس میں چڑھ آیا اور ٹھیک اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''چاچا تو؟''

سجانو نے رخ موڑ کر دیکھا سنگت رام تھا۔

''ہاں میں شہر گیا تھا۔''

''کل چناؤ تھا تو آیا کیوں نہیں؟ سنگت رام نے پوچھا۔

''بیٹا میں نے کیا لینا ان چناؤں سے۔ مجھے تو بس موت کا انتظار ہے۔''

''تیرے نہ آنے کے سبب میں ہار گیا۔'' سنگت رام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''صرف ایک ووٹ کم ملا۔ اگر تو آ جاتا تو میں نے جیت جانا تھا۔''

سن کر سجانو کو سچ میں افسوس ہوا۔ بے چارہ سنگت رام لیکن وہ بھی کیا کرتا؟ اس کا شہر جانا بھی ضروری تھا۔ گھر میں کچھ کھانے کو نہیں تھا اور رانی نے دو مہینوں سے ایک پیسہ نہیں بھیجا تھا۔

ٹریفک کھل گیا۔ پل کے پار آ کر بس ستواری کی طرف دوڑنے لگی سجانو نے ایک اور سگرٹ سلگایا اور سنگت رام سے کہنے لگا۔ ''بیٹے تو ایسے ہی جان بوجھ کر سرکار سے الجھ رہا ہے۔ بھلا سرکار نے بھی کسی سے ہار مانی ہے؟ اگر تو بخشی صاحب کے خلاف نہیں ہوتا تو آج تک منسٹر بن گیا ہوتا۔''

سنگت رام نے جواب دیا۔ ''چاچا منسٹر بن کر بھی تم لوگوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اگر آج پرائم منسٹر کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ بولوں گا تو شاید تمہیں کچھ مل ہی جائے۔''

''ارے چھوڑ ہمیں کیا ملنا ہے۔؟ سب کچھ تو غنڈے لیڈر نگل لیتے ہیں۔''

پھر دونوں چپ ہو گئے۔ بس ستواری کے آگے میراں صاحب کی طرف دوڑ رہی تھی۔

اچانک ہی سنگت رام پوچھ بیٹھا۔ ''چاچا تو شہر کیوں گیا تھا؟

''نوکری کے زمانے کا کچھ پیسہ جمع کیا ہوا ہے بینک میں وقت بے وقت نکلوانا پڑتا ہے۔''

سب سے یہی کہتا ہے سجانو۔ سنگت رام سے شاید پہلی بار یہ بات ہو رہی تھی۔

''چاچا تیری گھر والی کو مرے ہوئے تو دیر ہو چکی ہے نا؟

سجانو کانپ اٹھا۔ دھیرے سے بولا ''ہاں سات سال ہو گئے ہیں۔ بے چاری!''

☆

گوپال کی پینٹ چرن کو تھوڑی ڈھیلی ہے۔ اس لیے بار بار اونچی کرنی پڑ رہی ہے۔ شرٹ بھی تھوڑی بڑی ہے لیکن اس سے کچھ فرق نہیں پڑ رہا۔ کھری دھوپ میں وہ گلیوں بازاروں میں سے گذرتا جب لکھ داتا بازار پہنچا تو اچانک اسے یاد آیا کہ رانی کا گھر وہاں سے قریب ہی ہے اس کی چال دھیمی پڑ گئی۔ دھوپ کی تپش میں اسے رانی کا سینک محسوس ہونے لگا۔ لیکن نہیں، نہیں کہہ کر اس کا دل پتہ نہیں کیوں چیخنا چاہتا ہے اس نے پھر جلدی چلنا شروع کر دیا۔ لیکن پاؤں اس کا ساتھ نہیں دے رہے

تھے۔

نیشنل کانفرنس کے دفتر کے باہر لوگوں کی بھیڑ تھی۔ شور اتنا تھا جیسے سبزی منڈی ہو۔ چرن کچھ لوگوں کو جانتا ہے زیادہ لوگوں کو نہیں آگے بڑھ کر اس نے کسی سے پوچھا۔ سکریٹری صاحب آ گئے ہیں؟

''ابھی آنے والے ہیں۔''

وہ ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ مڑ کر دیکھا تو مدن تھا۔ چرن ہنس کر بولا۔ ''اس کا مطلب ہے پرائم منسٹر صاحب آنے والے ہیں۔''

مدن نے بالکل ویسے ہی جیسے وہ پرائم منسٹر کا سیکریٹری ہو گھڑی دیکھ کر کہا۔ ''ہو سکتا ہے وہ آ جائیں۔ کوئی پکا پروگرام نہیں دس منٹ ان کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔''

''یہ بتا سیکریٹری صاحب آ رہے ہیں یا نہیں؟

''ضرور ضرور آ رہے ہیں۔ ان کے بغیر یہ میٹنگ ہو ہی نہیں سکتی''

پھر مدن کو جیسے کچھ یاد آیا۔ ''بھئی چرن تو کل شام ٹی اسٹال سے ایک دم کہاں چلا گیا تھا۔ ہمیں خبر بھی نہیں لگنے دی۔''

''وہیں پرسوں والی جگہ۔''

''پرویز تو وہاں بیٹھا ہوا تھا۔''

''میں اکیلے جانا چاہتا تھا۔''

''پروگرام جما؟''

''خوب۔ بس پوچھ نہیں۔'' کہتے ہوئے چرن کو اپنے دل پر ایک بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ مسکراتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں درد کی پرچھائیاں تھیں۔ تھوڑا رک کر بولا۔ ''لیکن یار میں نے پھر وہاں کبھی نہیں جانا۔''

''کیوں؟''

''فضول کی باتیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میری کہیں جلدی نوکری لگ جائے اور اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں میرا اب اپنے گھر میں دل نہیں لگتا۔ اگر یہ نوکری مل جائے جس کے لیے کوشش کر رہا ہوں تو ہو سکتا ہے گھر سے علیحدہ ہو جاؤں۔''

مدن کو محسوس ہوا کہ چرن کے ساتھ ضرور کچھ واقعہ ہوا ہے'' باؤ جی سے بھی کچھ کہا سنی ہوئی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔''

''تو سمجھتا ہے یہ نوکری تجھے کل پرسوں ہی مل جائے گی؟''

''سکریٹری صاحب نے آج ملنے کے لیے کہا ہے۔''

مدن ہنس دیا۔ ''برخوردار بڑا بھولا ہے تو۔ نوکری کے لیے تیرا سفر شروع ہوا ہے۔ تو نہیں جانتا راستہ کتنا لمبا ہے۔ یہ تو تجھے ابھی معلوم پڑ جائے گا کہ تیرے سامنے کیا کیا آنے والا ہے اور تجھے کتنے صبر کے گھونٹ بھرنے ہیں۔''

اسی وقت سامنے سے مسز راج دیو آتی نظر آئیں۔ چرن نے آگے بڑھ کر انہیں نمستے کی۔ مسز راج دیو نے پوچھا ''ابھی سکرٹری صاحب آئے ہیں یا نہیں؟''

''آنے والے ہیں۔'' چرن نے بتایا۔

مسز راج دیو نے بھیڑ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''اس وقت سکریٹری صاحب سے آپ کی بات کرنی مشکل ہوگی۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔'' ناامیدی کے ساتھ چرن نے کہا۔ ''چلو پھر کبھی سہی۔''

''مجھے پرسوں ملنا ہے۔ میں کل بات کر کے رکھوں گی۔'' کہہ کر مسز راج دیو بھیڑ میں گھس گئیں۔ چرن پھر مدن کے پاس آ کھڑا ہوا۔ مدن نے دور سے آتی کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ آ رہے ہیں سکریٹری صاحب۔''

چرن جھٹ آگے بڑھا۔ کار کے وہاں پہنچتے ہی بھیڑ امڈ پڑی اور لوگوں نے کار کے چاروں طرف گھیرا ڈال دیا۔ چرن نے بھی بھیڑ میں گھسنے کے لئے زور لگایا۔ سکریٹری صاحب باہر آ کر سب کے سلاموں کا جواب دینے لگے۔ بھیڑ میں اپنے آپ کو کسی طرح کھڑے رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے چرن کو بھی اپنے سلام کا جواب ملا مسکان ملی لیکن اس مسکراہٹ میں پہچان کی پرچھائیں بھی نہیں تھی۔

''چلیں؟۔'' مدن نے پوچھا۔

''چل۔ پرائم منسٹر صاحب نہیں آ رہے؟''

''نہیں صاحب نہیں آئیں گے سکرٹریٹ میں کیبنٹ میٹنگ چل رہی ہے وہاں سے اٹھ کر آنا پہلے ہی ڈاوٹ فل تھا۔''

باتیں کرتے کرتے دونوں فٹ پاتھ پر چلنے لگے ''شاید مجھے سری نگر جانا پڑے۔'' مدن نے کہا۔

''کیوں؟''

''پرائم منسٹر صاحب اگلے ہفتہ وہاں جا رہے ہیں۔ محض سلام کرنے کے لئے وہاں جائے گا؟

''جہنم میں جانا پڑے تو بھی جاؤں گا۔''

''تیرے حوصلے کی داد دینی پڑے گی۔''

''اچھی نوکری کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے گا۔ میرا بھی کیا نقصان ہے۔ گھر والوں سے پیسے مل جاتے ہیں۔ بے شک آج وہ میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ انہیں تب معلوم پڑے گا سچ مچ میری نوکری کا آڈر نکلے گا۔'' پھر جیسے اس نے چرن کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔'' تجھے بھی جلدی نوکری مل جائے گی۔''

''وہ کیسے؟''

''تیرا کیس مسز راج دیو کے پاس ہے میرے خیال میں مسز راج دیو جلدی ہی کونسل کی ممبر نامزد ہو رہی ہے۔ میرے کانوں میں پرائم منسٹر کی کوئی بھنک پڑی تھی۔ ایک جگہ یہ بھی کھسر پھسر ہو رہی تھی کہ مسز راج دیو روزارت سیکرٹری صاحب کے ساتھ کسی انجانی جگہ گئی ہوئی ہیں۔''

بات سچی نہ بھی ہو تو کچھ نہ کچھ دم تو اس میں ضرور ہے۔ تیرا کیا خیال ہے؟

''بات ٹھیک بھی ہو سکتی ہے'' چرن بولا۔ مجھے تو لگتا ہے اس دور میں کچھ بھی ہو سکتا ہے یار آزادی ملنے سے پہلے بھی ایسے ہی سب کچھ ہوتا تھا۔؟ اس نے پوچھا۔

''کیا معلوم۔'' مدن بے فکری کے ساتھ کہنے لگا۔'' ہم تم جیسے عام آدمیوں کو تو ایک ہی بات کا پتہ ہونا چاہئے کہ سر پر جیسی پڑے نپٹ لو۔''

''یہ تو اس لیے کہہ رہا ہے کہ تجھے گھر سے سارا خرچ مل جاتا ہے''

چرن بولا لیکن اس کے بولنے میں کوئی کڑواہٹ یا طنز نہیں تھی۔ مدن نے بھی اس کی تائید ہی کی۔'' تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔''

بھارت ٹی اسٹال پر دونوں چائے پینے بیٹھ گئے۔

☆

مدن کو گئے ہوئے دیر ہو گئی ہے چرن وہاں بیٹھا ہوا چائے کا پانچواں کپ پی رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا ہے جیسے اسے گھر سے نکلے ہوئے کئی مہینے ہو گئے ہیں اور اب اس کا گھر جانا ضروری ہے۔ ماں گھبرا گئی ہوگی۔ صبح کی روٹی اب تک پڑی ہوگی۔ دھیرے دھیرے اس کی سمجھ میں آ رہا ہے کہ نہ تو اتنی جلدی نوکری کا سلسلہ بن سکتا ہے اور نہ ہی اتنی جلدی گھر سے تعلق توڑا جا سکتا ہے۔ پڑھائی پوری نہ کرنے کا بھی اسے افسوس ہونے لگا ہے۔ دو سال اور پڑھ لیتا تو بی۔ اے کی ڈگری مل جاتی

لیکن ڈگری لے کر بھی کیا مل جاتا؟ اسے خیال آیا۔ مدن نے ایم۔ اے کیا ہوا ہے اور چھ مہینے سے پرائم منسٹر کے دروازے پر کتے کی طرح دم ہلا رہا ہے۔ ابھی تک اس کا کچھ نہیں بنا۔ کیا پتا کچھ بنے گا بھی یا نہیں۔

جب پڑھائی چھوڑی تھی تب وہ سوچتا تھا کہ وہ اتنا اچھا آرٹسٹ ہے اتنی اچھی ایکٹنگ کر لیتا ہے اسے اپنے مستقبل کی فکر نہیں کرنی چاہئے کچھ نہیں ہوگا تو بمبئی جا کر فلم ایکٹر بن جائے گا۔ ایک روز وہ بمبئی جانے کے لئے گھر سے نکل بھی گیا تھا لیکن دس دن بعد دہلی سے ہی لوٹ آیا تھا۔ پانچ دن کی بھوک ساتھ لیکر۔ اس طرح اس کا ہر خواب ہر ارادہ باری باری ٹوٹتا رہا ہے۔ جس آرٹ کے نام پر اس نے پڑھائی چھوڑی تھی۔ اس کے سبب سال میں ایک بار اسٹیج پر اور دو تین مہینے بعد ریڈیو اسٹیشن پر اسے ناٹک میں ایکٹنگ کرنے کا کام ملتا ہے۔ ان سب کاموں کا معاوضہ سو روپے بھی نہیں۔

اسے یاد آیا کہ اگلے ہفتے اسے ایک ریڈیو ناٹک میں کام کرنا ہے۔ وہاں کام کرنے والے سارے چہرے اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں کبھی کبھی کملا بھی ناٹکوں میں حصہ لیتی ہے۔ ہوسکتا ہے اس روز وہ بھی ہو۔ کملا کی یاد آتے ہی نہ جانے کیوں رانی کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

چائے کے پیسے دے کر وہ باہر نکل آیا۔ اچانک ہی اسے خیال آیا کہ وہ کیوں نہ ایک بار پھر سے نیشنل کانفرنس کے دفتر کا چکر لگا آئے۔ ہوسکتا ہے میٹنگ ختم ہوگئی ہو اور کوئی بات بن ہی جائے۔ یہ سوچ کر وہ پھر ادھر چل دیا۔

چرن کو گئے ہوئے ابھی دس منٹ ہوئے ہی ہونگے کہ گوپال وہاں پہنچا۔ ٹی ہاؤس کے مالک آنند نے بتایا کہ چرن ابھی گیا ہے۔ گوپال ابھی اس پس وپیش میں ہی تھا کہ وہاں بیٹھے یا نہیں کہ اس وقت کندھے پر تھیلا لٹکائے ہوئے اور اپنے روکھے سوکھے بالوں پر ہاتھ پھیرتا کامریڈ ارجن وہاں آ پہنچا۔ گوپال نے سوچا چلو اب بیٹھ ہی جاتا ہوں۔ دونوں نے ایک ایک چائے کا آرڈر دیا اور اندر جا کر بیٹھ گئے۔

''سنا ہے آجکل نیشنل کانفرنس کے چناؤ ہو رہے ہیں۔'' گوپال نے پوچھا

''سب دھوکا ڈھکوسلا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''نیشنل کانفرنس والے سب ڈھونگی ہیں۔''

''اور ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس والے؟''

''ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس والے۔ ہم سب لوگ اصلی جمہوریت اور لوک شاہی کے حمایتی ہیں اور نیشنل کانفرنس والے تاناشاہی کے بھگت۔''

''لیکن یار۔'' گوپال نے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ ''ابھی کچھ روز پہلے تو تم دونوں ایک تھے۔''

''برائی کا پتہ جب بھی لگے اس کے ساتھ اسی وقت لڑائی چھیڑ دینی چاہئے۔'' پھر دونوں چائے پینے لگے۔

گوپال بولا۔ ''تم لوگوں نے اپنی الگ پارٹی بنا کر اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری ہے۔''

''وہ کیسے؟'' ارجن نے پوچھا۔

''سرکاری معاملوں میں اب تمہارا کوئی اثر رسوخ نہیں رہا۔ اب تم لوگوں کا کوئی کام نہیں کرا سکتے اور اس طرح لوگ بھی تمہاری پروا نہیں کریں گے اور تمہارے ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔''

''یہ غلط بات ہے۔ ہمارے لیڈر اب بھلے ہی منسٹر نہیں رہے لیکن جو سرکاری افسر ہیں ان کی ہمدردیاں تو ہمارے ہی ساتھ ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ ایک روز ہمارے لیڈروں نے پھر منسٹر بن کر آنا ہے اور انہیں خوش رکھنے کی کوشش وہ اب بھی کرتے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے میرا کام بن سکتا ہے۔''

''کون سا کام؟''

''اس روز ہم نے جو ناٹک کھیلا تھا۔ تو نے تب دیکھا تھا؟''

''ہاں اچھا ناٹک تھا۔''

''میں چاہتا ہوں کہ اس کی کتاب چھپ جائے۔''

''اچھا آئڈیا ہے۔'' ارجن نے سگرٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔ ''اس میں سماج سدھار پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ میرا خیال ہے پنچایتوں کے لئے کم سے کم ایک ہزار کاپیاں لگ سکتی ہیں۔''

''چھپوا لیں؟''

''ضرور۔''

دونوں نے ہاتھ ملایا۔ ہاتھ ملا کر ہاتھ پیچھے کھینچنے سے پہلے ہی گوپال نے فوراً اپنے من میں حساب لگا لیا کہ کتاب کے صفحات سو سے کم ہی ہوں گے اور پورا خرچ چار سو سے زیادہ نہیں ہوگا اور اگر ایک روپیہ بھی قیمت رکھی تو بھی چھ سو کا فائدہ ہے۔

''یہ تو معمولی کام ہے۔'' ارجن کہنے لگا۔ ''میں نے کئی بار سوچا ہے کہ کتابیں چھاپنی چاہئے لیکن ہم ورکر لوگ ہیں ہمارے پاس اتنا پیسہ نہیں ہوتا۔''

گوپال سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اگر تو میری دو کتابوں کی ہزار کاپیاں لگوادے تو میں تیری شاعری کی کتاب اپنے خرچے پر چھاپ دوں گا۔''

''زندہ باد۔'' ارجن اچھل پڑا۔ ''یہ ہوئی نا بات۔ تو جتنی جلدی ہو سکتا ہے اپنی کتابیں چھپوا تا کہ میری شاعری کی باری بھی جلدی آئے۔ ہر وقت تھیلے میں پڑی کویتائیں اب باسی پڑنے لگی ہیں۔'' اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور پھٹے ہوئے میلے کچیلے کاغذوں کا ایک پلندا نکال کر گوپال کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ سارے زمانے میں آگ لگا سکتی ہے کیونکہ ان میں میرے دل کی آگ ہے۔ جب یہ کتاب کی شکل میں چھپیں گی تو دیکھنا سارے دیش میں کیسے بغاوت پھیلتی ہے۔''

''تجھے اپنی کویتائیں ریڈیو پر بھی پڑھنی چاہئے۔'' گوپال نے جان بوجھ کر چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

''اگر میں ان کویتاؤں کو ریڈیو پر پڑھ دوں گا تو گھر گھر بج رہے ریڈیو ان کی آگ سے جلنے لگیں گے۔'' اس نے کاغذوں کا پلندا پھر سے تھیلے میں رکھ لیا اور گوپال مسکرانے لگا۔ اسے مسکراتے دیکھ کر ارجن اور بھی جوش میں آ گیا۔ ''ریڈیو والے تو مجھے بلاتے ہیں لیکن میری کویتائیں دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔ انہیں 'پھس پھسی' اور بے جان شاعری چاہئے۔ رومینٹک... مستک... لائف لیس۔''

گوپال نے مسکرانا بند کر دیا اور ارجن کے نتھنے آہستہ آہستہ پھڑکتے رہے۔

اسی وقت چرن اور دشینت دونوں ایک ساتھ اندر آئے۔ ''کیا بات ہے بھئی۔ بڑے جوش میں بھرے بیٹھے ہو؟'' دشینت نے ارجن کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ چرن گوپال کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ گوپال دشینت کی بات کا جواب دیتے ہوئے بولا۔ ''ارجن کو ریڈیو والوں سے شکایت ہے کہ وہاں اس کی شاعری کو کوئی نہیں سمجھتا۔''

''شکر ہے جو انہیں صرف ریڈیو والوں سے ہی شکایت ہے۔''

دشینت بولا۔ ''ایک ہم ہیں۔ ہمیں ہر چیز ہر بات سے شکایت ہے۔''

''مجھے تو خود سے بھی شکایت ہے۔'' چرن بھی چپ نہیں رہ سکا۔ ''میں سوچتا ہوں ہم دنیا میں آئے ہی کیوں؟ کیا حق تھا ہمیں پیدا ہونے کا؟''

''تو تو ایسے کہہ رہا ہے جیسے کوئی اپنی مرضی سے اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔'' گوپال بولا ''بے وقوف ہم تو اپنے ماں باپ کی غلطی کا پھل بھوگ رہے ہیں۔ کسی کے چاہنے پر ہم اس دنیا میں تھوڑا ہی آئے ہیں۔''

''میرے ساتھ ایسی بات نہیں'' دشینت نے کہا'' میری تین بڑی بہنیں ہیں اور میرے ماں

باپ نے کئی منتیں مانی تھیں تو میں پیدا ہوا۔ میرے ہونے کی خوشی میں انہوں نے لوگوں کو شامل کیا اور گھر گھر بتاشے بانٹے لیکن آج اس پر کیا بیت رہی ہے۔ اسے کیا چاہئے؟ دوستو! دنیا اندھی ہو چکی ہے اور نا انصافی اتنی بڑھ چکی ہے کہ اگر ابھی اس کی مخالفت نہ کی گئی تو ہمارا نام نشان مٹ جائیگا۔''

''ہم سے کیا مطلب ہے تیرا؟'' چرن نے پوچھا

''ہم سے مطلب ہے، ہم لوگ۔ نئی نسل کے لوگ جنہیں کل کو دنیا کا سارا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانا ہے''

''اس کے لئے تو اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔ تجھے ایک بڑی جماعت میں شامل ہونا پڑے گا۔'' ارجن نے کہا۔

''یہ سب چوروں کی پارٹیاں ہیں۔'' دشینت نے اسی جوش میں جواب دیا۔ ''نوجوانوں کی ایک اپنی پارٹی ہونی چاہئے۔''

''یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی۔ ہم بڑی جماعت میں شامل ہو کر ہی کام کر سکتے ہیں۔'' چرن بڑے غور سے سب کچھ سن رہا تھا اور گوپال دل ہی دل میں اس گرما گرم بحث کا مزہ لے رہا تھا۔

شور بڑھ گیا تو چرن اور گوپال باہر نکل آئے گوپال ایسی بحثوں میں بھلے ہی بولتا ضرور ہے لیکن اپنا دماغ کبھی خرچ نہیں کرتا۔ اس کے لئے یہ ساری بے کار کی باتیں ہیں۔ باتیں کرنے بنانے کے بجائے آدمی کو کام کرنا چاہئے۔ زندگی میں آگے بڑھنا چاہئے۔ یہ گوپال کا اصول ہے۔ اسی لئے ان بحثوں میں وہ کبھی حصہ لیتا بھی ہے تو زیادہ تر چٹکیاں ہی لیتا ہے۔ لیکن چرن ابھی دشینت کی باتوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے کانوں میں ابھی تک دشینت کی باتیں گونج رہی تھیں۔ گوپال کے ساتھ چلتے ہوئے بھی جیسے وہ اس کے ساتھ نہیں چل رہا تھا۔

بازار پار کر کے جب وہ گلی میں گھسے تو اسی وقت کھمبے کا لیمپ بھی جل گیا۔ چرن کو احساس ہوا کہ شام ہو گئی ہے۔

گوپال نے پوچھا ''میٹنگ ختم ہونے کے بعد بھی تو سکریٹری صاحب سے نہیں مل سکا؟''

''سلام تو کیا اور جواب بھی ملا تھا۔ لیکن بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔''

''میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی کہ اتنی جلدی کیسے پڑ گئی تجھے نوکری کی؟''

''کوئی نہ کوئی کام تو کرنا ہی ہے۔ بنا کام کئے گھر میں روٹی کھاتے بھی شرم آنے لگی ہے۔''

''جب تک تجھے نوکری نہیں ملتی ایک کام کر سکتا ہے تو۔''

''کیا؟''

''ریڈیو اسٹیشن کے زیادہ چکر لگانے شروع کردے۔ پہلے سے زیادہ ڈراموں میں کام ملے گا اور کچھ اور کام بھی مل سکتے ہیں۔''

''اور کون سے کام ہیں؟''

''بہت کام ہیں۔ تو کویتا لکھ سکتا ہے۔''

''میں نے کبھی نہیں لکھی کویتا۔''

''جیسے بھی ہو لکھ دے۔ کچھ میں ٹھیک کردوں گا۔ کچھ وہ خود ٹھیک کرلیں گے۔''

''وہ ٹھیک کرنے کا تردد کیوں کریں گے؟''

''سبھی تردد ہو جاتے ہیں۔ تجھے بس اتنا کرنا پڑے گا کہ کبھی کبھی ان لوگوں کو کسی ہوٹل میں بلانا پڑے گا۔''

''کام بن جائے گا؟'' چرن نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کیوں نہیں۔'' گوپال نے یقین سے کہا۔ ''میں نے بھی پہلے ایسے ہی کیا تھا۔ پوری امید ہے کہ تو تھوڑی سی کوشش کر کے اچھا لکھ لے گا۔''

گوپال کے کمرے میں پہنچ کر چرن نے گوپال کے کپڑے اتارے اور اپنے پہن لئے۔

''میں گھر جا رہا ہوں ماں فکر کر رہی ہوگی۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

☆

دروازے کی آہٹ کانوں میں پڑتے ہی رانی کی آنکھ کھل گئی اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اٹھنے لگی پھر رک گئی۔ محض گمان ہی تو نہیں ہوا؟ لیکن کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ضرور ہے تب ہی تو آنکھ کھلی ہے۔ لیکن نہیں وہ دروازہ نہیں کھولے گی۔ کبھی نہیں کھولے گی۔

صبح سے دروازہ بند ہی ہے۔ سجانو کے جانے کے بعد اس نے یہ سوچ کر دروازہ بند کیا تھا کہ اب وہ کسی کو اندر نہیں گھسنے دے گی۔ زخم ابھی تازہ ہیں۔ دو تین دن لگیں گے بھرنے میں۔

اسی وقت پھر کھٹکھٹاہٹ سنائی دی۔

سچ ہی کوئی آیا ہوا ہے۔ اس نے سوچا۔ جا کر کہہ دیتی ہوں کہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بدن ٹوٹ رہا ہے۔ لیکن مردوں کو کسی کی جان کی کیا پروا؟ انہیں تو گوشت کے لوتھڑے چاہیئے۔ گوشت زندہ جسم کا ہو یا مردہ جسم کا۔ کوئی شراب پی کر آئیگا تو زبردستی گھس آئیگا۔ ہوسکتا ہے چرن ہی ہو۔

چرن کی یاد آتے ہی اس کا من ہوا جھٹ پٹ اٹھ کر چٹخنی کھول دے۔ پھر خیال آیا جان بوجھ کر اپنی مٹی خراب کرنے کا کیا فائدہ۔ سارا بدن ایک پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔ اپنے آپ سے

بد بو آ رہی ہے۔ باہر سے آئے گا تو اسے بھی دیکھ کر ابکائی ہی آئے گی۔

آج سارا دن اسے رامو، راجی اور یا پھر چرن کی یاد آتی رہی ہے۔ گاؤں تو وہ کبھی جا ہی نہیں سکتی اور اس چھت کی پرچھائیں بھی وہ رامو اور راجی پر ڈالنا نہیں چاہتی۔ رو رو کر آنکھوں کا پانی ختم ہو گیا ہے۔ بچوں کی طرف سے دھیان ہٹانے کے لئے اس نے چرن کو یاد کیا ہے۔ آج بار بار اس نے اپنے اندر ان لمحوں کو جیتے ہوئے محسوس کیا ہے، جنہیں چرن جاتے ہوئے چھوڑ گیا تھا۔

دروازہ پھر کسی نے کھٹکھٹایا۔ نہیں وہ نہیں جائے گی۔ وہ نہیں جاسکتی۔ چرن ہو تو بھی نہیں۔ سانس روک کر چپ چاپ پڑی رہی۔ اس وقت یہ جاننا مشکل ہے کہ وہ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی ہے یا اندھیرا اس میں ڈوبا ہوا ہے۔ نہیں معلوم وقت تیزی سے گزر رہا ہے یا آہستہ آہستہ دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ بہت دیر کے بعد جب اس نے اٹھنے کا تردد کیا تو ایسا محسوس ہوا جیسے ایک مدت کے بعد اٹھی ہے

لالٹین جلا کر دیکھا صبح کے جھوٹے برتن ویسے کے ویسے پڑے ہیں۔ جھاڑو بھی نہیں دیا گیا۔ صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں۔ اس وقت کچھ کھانے کا من بھی نہیں ہو رہا۔ ہر روز اس وقت وہ بن سنور کر بیٹھتی ہے لیکن آج اسے اپنے اندر باہر گندگی ہی گندگی محسوس ہو رہی ہے۔ دھیرے دھیرے وہ اندر والی کوٹھری میں گھسی اور پیچھے والی دیوار میں بنے چھوٹے سے دروازے کو کھول کر باہر کھلی جگہ میں آ گئی۔ سامنے ہی توی جانے والی ڈھلان تھی ہوا کا جھونکا آیا تو وہ کانپ اٹھی لیکن محسوس ہوا کہ جان میں جان آ گئی ہے۔ اپنے آپ میں سے جو باس آ رہی تھی وہ بھی جیسے اڑ گئی۔ دھیرے دھیرے اسے ہوا میں سے بریہنکڑا کی خوشبو آنے لگی۔ اس خوشبو کو وہ ایک مدت سے بھول چکی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

بریہنکڑ کی وہ خوشبو اسے دور۔ بہت دور پیچھے اپنے گاؤں میں لے گئی جہاں وہ ہر وقت اسی خوشبو میں ڈوبی رہتی تھی۔

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے اسے پھر کپکپا دیا۔ آنکھیں کھول کر وہ توی کی سمت دیکھنے لگی۔ دونوں ہاتھ اس نے اپنے کندھوں پر رکھ لئے۔ اسے محسوس ہوا کہ اگر کچھ دیر اور وہاں کھڑی رہے گی تو ہاتھ پیر اکڑ جائیں گے۔ وہ جھکی اور اسی چھوٹے دروازے میں سے اندر آ گئی۔ اس نے لالٹین بجھا دیا اور پھر سے رضائی میں گھس گئی۔

اتنے بڑے سنسار میں۔ دنیا کی بے حساب آبادی میں کون جانتا ہے کہ کہیں کوئی ایسا گوشہ بھی ہے جہاں رانی اس وقت ایکدم اکیلی ہے بے ہوش سی پڑی ہے۔ اور وہ ہے بھی یا نہیں۔

☆

چرن خوش تھا پیسہ کمانے کا کوئی راستہ تو ملا۔ ریڈیو اسٹیشن سے جیسا گوپال نے بتایا کام مل سکتا ہے۔ اگر وہ ماں کی ہتھلی پر پچاس روپے بھی ہر مہینے ٹکا دے گا تو ماں خوش ہوگی ہی وہ باؤ جی کی نظروں میں بھی ناکارہ نہیں رہے گا۔

باؤ جی کا خیال آتے ہی اس کا من پھر کسی بوجھ کے نیچے دب گیا۔ جو بات بھلانے کے لئے وہ سارا دن آوارہ گردی کرتا رہا تھا وہ پھر اسے نشتر سی آ لگی۔ دل ہی دل میں وہ تڑپ اٹھا۔

اسے دشینت کی باتیں یاد آنے لگیں۔ کسی کو اس بات کی پروا نہیں کہ جس کے پیدا ہونے پر اتنی خوشیاں منائی گئی تھیں آج اس پر کیا بیت رہی ہے۔ اسے کیا چاہیے۔ دوستو دنیا اندھی ہوگئی ہے اور بے انصافی اتنی بڑھ چکی ہے کہ اگر اب بھی ہم نے اس کی مخالفت نہ کی تو ہمارا نام نشان مٹ جائیگا۔ ان الفاظ میں چھپی ہوئی۔ سچائی اور سچائی کی کڑواہٹ اسے چبھنے لگی۔ گھر کی طرف جاتے ہوئے پیر رکنے لگے۔ اسے احساس ہونے لگا کہ وہ تب ہی مخالفت کرنے والوں میں شامل ہو سکے گا جب وہ اپنا گھر چھوڑ دے گا۔

اس کا من کیا کہ وہ لوٹ جائے۔ لیکن کہاں؟ کون سی جگہ ہے جہاں جا کر وہ رہ سکتا ہے؟ کہیں رہ بھی لے گا تو کھائے گا کیا؟ ریڈیو اسٹیشن پر تو ابھی اس نے کوشش کرنی ہے۔ کچھ بھی پکا نہیں۔ نوکری ملنے کا تو کوئی بھروسہ ہی نہیں۔ معلوم نہیں کب تک دھول پھانکنی ہے خراب ہونا ہے اور بے عزت ہونا ہے۔ لیکن اس کا کتنا بھی دم کیوں نہ نکلے اسے نوکری حاصل کرنی ہی پڑے گی۔ بس ایک بار یہ نوکری لگ جائے پھر سارے جھنجھٹ ختم ہو جائیں گے۔ اگر کہیں نوکری جموں سے باہر لگی تو اور بھی اچھا ہوگا۔ وہ آزاد ہو جائے گا۔ ہر بات میں آزاد ہو جائے گا۔

وہ گھر کے دروازے تک پہنچ گیا۔ اپنے آزاد ہونے کی سوچ نے اسے طاقت دی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ سامنے ماں کھڑی تھی جیسے اسی کا انتظار کر رہی ہو۔

''کہاں تھا سارا دن؟''

''یہاں ہی۔''

''دوپہر میں روٹی کھانے بھی نہیں آیا؟''

''بڑا ضروری کام تھا ماں۔ نوکری کے لئے کوشش کر رہا تھا۔''

''صبح پانچ بجے جانا اور رات دس بجے آنا ہے کون سی نوکری کی کوشش ہے؟'' ساوتری کی آواز بھیگ گئی تھی۔ چرن چپ ہی رہا۔

''چل آ پہلے روٹی کھالے۔''

وہ روٹی کھانے بیٹھ گیا۔

چرن نے دیکھاماں آنسو پونچھ رہی تھی۔اس کا من بھی بھاری ہوگیا۔دم گھٹنے لگا۔منہ میں پڑا نوالہ نگلنا مشکل ہوگیا۔وہ پچھتانے لگا کہ کیوں سارادن گھر سے باہر رہا۔وہ روہانسا ہوا جلدی جلدی دوروٹیاں کھا کراٹھ کھڑا ہوااور ہاتھ دھوکراپنی کھاٹ پر جالیٹا۔

☆

چودہری فرنگی مل شراب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''بڑی ظالم چیز ہے وہ ہاتھ لگاتے ہی کلیجہ نکال کرلے جاتی ہے۔''

''اسی لئے تو منسٹر صاحب نے آج پھر اسے بلا بھیجا ہے۔''ہردیال بولا۔

فرنگی مل نے کچھ اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔''مجھے یقین ہے کہ اپنے گھر وہ اکیلے نہیں۔ انہوں نے سیکرٹری کانفرنس کوضرور بلایا ہوا ہے۔جیسے ہمارے لئے منسٹر صاحب کوخوش کرناضروری ہے اسی طرح منسٹر صاحب کے لئے ضروری ہے سیکرٹری صاحب کوخوش کرنا۔اورخوش کرنے کے لئے اس سے بہتر ڈھنگ اورکون سا ہے؟ میں نے آج دونوں کوساتھ بیٹھے باتیں کرتے دیکھا تھااوراس کے بعد منسٹر صاحب نے مجھے بلا کر کہا تھا کہ رانی کو آج ان کے گھر ضرور ہر حالت میں بھیج دیا جائے۔''

''عیش کرتے ہیں۔''پنڈت رام سروپ نے جونشے میں دھت تھا کہا۔

''راجالوگوں کادھرم ہی عیش کرنا ہے۔''

''اوئے پنڈت رام سروپ''فرنگی مل تلخی سے بولا۔''توان لوگوں کوراجا نہ کہا کر یہ سالے بھنگی ہیں بھنگی۔''

''وہ تو ہیں ہی۔''پنڈت رام سروپ جھٹ ہوش میں آ گیا۔کہیں فرنگی مل ناراض نہ ہوجائے رخ بدلتے اسے سکنڈ نہیں لگا۔''یہ تو قسمت کاکھیل ہے کہ ہم پرراج کررہے ہیں۔اگر ہمارے مہاراجا بہادر کی حکومت ہوتی تو دیکھتے یہ کیسے کھیل کھیلتے۔''

اسی وقت کار کی گھر رگھر رسنائی دی۔چودہری فرنگی مل جلدی جلدی اٹھے۔پچھلے کمرے میں پہنچے تو چوردروازے سے ڈرائیوراندرآ تانظرآیا۔

''آئی؟''

''نہیں جی وہ نہیں آئی۔''

''کیوں؟''

''بہت کھٹکھٹایا۔ کسی نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔''

''تو نے اور کھٹکھٹایا۔''

''جی میں نے بہت کھٹکھٹایا۔''

لالہ ہردیال اور رام سروپ بھی وہاں آ پہنچے۔

''سنا تم لوگوں نے؟ فرنگی مل نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''کسی نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔ اس حرام زادے سے اتنا بھی نہیں ہوا کہ اور کچھ انتظار کر لیتا۔ اندر کوئی اور گھسا ہوا ہوگا۔''

ڈرائیور مجرم سا کھڑا رہ گیا۔

''اب کیا کیا جائے؟'' ہردیال بولا۔

''ٹیلی فون کر دیتا ہوں اور کیا ہو سکتا ہے۔''

پنڈت رام سروپ جھٹ ٹیلی فون وہاں لے آیا۔ فرنگی مل نے نمبر گھمایا۔

''ہیلو۔ ہیلو۔ میں فرنگی مل۔''

''ارے فرنگی مل جی۔'' منسٹر صاحب اونچے سر میں بولے۔ ''رئیس اعظم فرنگی مل جی یہاں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ آپ کہاں ہیں؟''

''جی بات ایسی ہوئی'' کہ فرنگی مل ڈر رہا تھا۔

''کیا ہوا مہاراج؟''

''جی بات یہ ہے کہ۔ وہ بیمار پڑ گئی ہے۔''

''کیسی بات کر رہے ہو فرنگی مل جی۔'' منسٹر صاحب ایکدم طیش میں آ گئے۔ یہ بھی کوئی بات ہے؟ آپ جانتے ہیں سیکرٹری صاحب یہاں میرے پاس ہی بیٹھے ہیں۔ میں نے ان سے اس چیز کی اتنی تعریف کی ہے کہ زمین آسمان کے قلابے ملا دئے ہیں۔ یہ صرف اسی کا انتظار کر رہے ہیں اور پیگ پر پیگ چڑھاتے جا رہے ہیں۔ چاہے کچھ بھی ہو اسے ساتھ لے آؤ۔''

کہہ کر انہوں نے فون پٹک کر بند کر دیا۔ فرنگی مل کو محسوس ہوا کہ جیسے انہوں نے کہا ہو۔'' کہ اگر آپ رانی کو لے کر نہیں آئے تو جتنے ٹھیکے آپ کو دئے گئے ہیں سب رد ہو جائینگے۔'' ان کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔ مہلت بہت کم تھی۔ فرنگی مل بولا'' چلو ہم سب ہی چلتے ہیں۔ یہ جھنجھٹ ختم کرنا ہی پڑے گا نہیں تو اپنی مٹی پلید ہو جائے گی۔'' سب باہر نکلے کار میں بیٹھے اور کار چل دی۔ فرنگی مل سوچ

رہاتھا۔ جان بوجھ کر گردن پھندے میں پھنسائی۔ ایسے یارانے بھی کیا پالنے۔ معمولی بات کے لئے بھاری نقصان ہوسکتا ہے۔ کار دوڑ رہی تھی۔ پنڈت رام سروپ نے نشے کے جھولے میں جھولتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔ لالہ ہردیال کو یہ تردد بے معنی لگ رہاتھا۔ ڈر بھی تھا کہ کسی نے اگر انہیں وہاں دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟ روز مفت کی پینے کے اپنے چسکے پر وہ اس وقت لعنت بھیج رہے تھے۔ اچانک ہی چرن کا خیال آیا تو وہ پسینہ پسینہ ہوگئے۔

گلی کے سرے پر کار جاکر رکی۔ ڈرائیور فرنگی مل کی طرف دیکھنے لگا کہ اب کیا حکم ہے۔ فرنگی مل کی سوچنے کی طاقت ہی جیسے مفلوج ہوچکی تھی۔ اندھیرے میں وہ ایک دوسرے کو کم ہی نظر آرہے تھے جیسے بھوتوں کی پرچھائیاں ہوں۔ دور سے آتی کھمبے کی روشنی کا ایک ٹکڑا فرنگی مل کو اپنے کوٹ پر پڑتا نظر آیا تھا۔ اس کا من ہوا کہ ہاتھ مار کر وہ اسے اپنے کوٹ سے جھٹک دے۔ ''شام۔'' انہوں نے ڈرائیور کو کہا۔ ''جا پھر دروازہ کھٹکھٹا کر دیکھ۔''

شیام باہر نکلا اور اندھیرے کی گلی پار کر کے رانی کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ اس نے آہستہ آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا مگر کوئی نہیں آیا۔ پھر کھٹکھٹایا۔ پھر کھٹکھٹایا مگر کوئی نہیں آیا۔ وہ لوٹ آیا۔ کار کے اندر منہ ڈال کر دھیرے سے بولا۔ ''صاحب کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔''

''عجیب بات ہے۔'' فرنگی مل بڑبڑایا۔ ''ہردیال ذرا تو جا کر دیکھ''

لالہ ہردیال کے ہوش اڑ گئے جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ گلا گھونٹنے والا اس پر بہت بھاری ہے۔ وہ کتنا بھی ہاتھ پیر مارے اس کے نیچے سے نہیں نکل سکتا۔

اندھیرے میں شیام کے پیچھے پیچھے چلتے ہردیال کو محسوس ہورہا تھا کہ وہ سینندھ لگانے والوں کی ٹولی میں شامل ہے اور آج سینندھ لگانے کی باری اس کی ہے۔ شیام دروازے کے آگے جا کر کھڑا ہوگیا اور اسی طرح دھیرے دھیرے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ ذرا زور سے کھٹکھٹا۔ ہردیال نے کہا۔ شیام نے زور سے ہاتھ مارا۔

رانی جاگی ہوئی تھی۔ اس نے سوچا جو بھی کوئی ہے ایک دو بار کھٹکھٹا کر چلا جائیگا۔ اب دس منٹ بعد پھر تیز کھٹکھٹاہٹ ہوئی تو وہ کھاٹ پر سے اٹھی۔ من میں الجھن تھی کہ کون ایسا ڈھیٹ ہے۔

ٹٹول ٹٹول کر اس نے ڈبی تلاشی اور لالٹین جلائی۔ ہردیال نے دروازے کی جھریوں میں سے روشنی ہوتی دیکھی تو دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ وہ گھبرا گیا۔ جیسے کسی نے چوری کرتے پکڑ لیا ہو۔ اب پیچھے لوٹنا مشکل تھا دروازہ کھلا تو رانی ان کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ حیران دیکھتا رہا۔ وہ ایک طرف ہٹ

گئی۔ ہردیال سمجھ نہیں سکا کہ یہ اس کے لئے اندر جانے کا اشارہ ہے۔ شیام بولا۔ ''اندر جایئے میں یہاں کھڑا ہوں۔''

ہردیال اندر داخل ہوا تو رانی نے دروازہ بند کرلیا۔ وہ کانپتی آواز میں بولا۔ ''باہر فرنگی مل کار میں بیٹھے ہیں۔ اسی وقت کہیں جانا ہے۔''

رانی نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں بیمار پڑی ہوں۔ آج نہیں جاسکتی۔''

''ایک جگہ ضرور جانا ہے۔''

''نہیں جاسکوں گی۔''

''جلدی چھوڑ جائیں گے۔''

''کہانا میں نہیں جاسکتی۔''

ہردیال نے مدہم مدہم روشنی میں اسے گھورا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔ لیکن اسے لے کر جانا بھی ضروری تھا۔ بولا۔

''جتنے پیسے مانگے گی مل جائیں گے۔''

رانی نے عاجزی سے کہا۔ ''میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ میرا بدن ٹوٹ رہا ہے۔ میں نہیں جاسکتی۔'' وہ کہنا چاہتی تھی

''تم لوگوں نے کل جو زخم دیئے ہیں ابھی وہی نہیں بھرے تو آج کیسے جاؤں۔'' مگر کہہ نہیں سکی۔

کچھ اور کہنا فضول تھا۔ ہردیال باہر آ گیا اور رانی نے دروازہ بند کرلیا۔

ساری بات سن کر فرنگی مل کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ بولا۔ ''میں اس حرام زادی کو چوٹی سے پکڑ کر ابھی لاتا ہوں۔'' اور یہ کہہ کر وہ کار سے باہر نکلنے لگا۔ ہردیال نے کہا ''میری مانو تو آپ نہ جاؤ۔ کوئی فائدہ نہیں آپ اونچا بولیں گے تو پاس پڑوس کے لوگ جاگ جائیں گے۔ ناحق بے عزتی ہوگی۔''

''اوئے ہردیال تو بے عزتی کو رو رہا ہے۔ میری جان سولی پر لٹک گئی ہے۔ میں برباد ہو جاؤں گا۔ میری جڑ اکھڑ جائے گی اگر میں اسے وہاں نہیں لے گیا۔''

''ایک بات ہوسکتی ہے۔'' پنڈت رام سروپ بولا۔ اب تک تو وہ صرف تماش بین بنا ہوا تھا۔ فرنگی مل کو اتنا گرم ہوتا دیکھ کر اسے اپنا آپ سنبھالنا ضروری محسوس ہوا۔

''کیا ہو سکتا ہے؟'' فرنگی مل نے رام سروپ کی طرف گردن گھمائی۔

''سیکرٹری صاحب نے تو اس گل گلزار کو دیکھا ہوا نہیں۔ ان کے آگے کوئی اور عورت پیش کی جا سکتی ہے۔''

''لیکن منسٹر صاحب بھی تو وہیں ہیں۔''

''اس وقت تو ان کے گلے میں بھی پھانسی پڑی ہوئی ہے۔ وہ بھی کسی طرح اس میں سے نکلنا چاہتے ہوں گے۔ چپ چاپ کسی اور کو لے چلو۔ منسٹر صاحب کو فون پر سب کچھ سمجھا دیں گے۔ وہ بھی شکر کریں گے کہ بلا ٹلی اور اگر آپ وہاں خالی ہاتھ چلے گئے تو قیامت ہی آ جائیگی۔''

فرنگی مل کو بات سمجھ میں آئی بولا۔ ''لیکن اس وقت اور کون سی ملیگی؟''

''نہر کے ذرا آگے چلتے ہیں۔ لیلا ڈومنی کو کہتے ہیں کہ ذرا بن ٹھن کر چلے۔''

پنڈت رام سروپ نے بات بنائی۔ کار نہر کی طرف چل دی۔

''اس حرام زادی کو اگر میں نے اندر نہیں کرایا تو میرا نام فرنگی مل نہیں۔''

''ان چھوٹی ذات کے لوگوں سے کیا منہ لگانا۔'' رام سروپ نے نصیحت دینی شروع کی۔

''انہیں بس پتہ لگنا چاہئے کہ ان کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ بس پھر دیکھو ان کے نخرے چونچلے۔ کوئی پوچھے تو وہ کیا کوئی ایسی چیز ہے جیسی دنیا میں دوسری ہے ہی نہیں۔''

''ان نیچ لوگوں کا بس ایک ہی علاج ہے۔'' ہردیال بولا۔

''تو نہیں تو اور سہی اور نہیں اور سہی۔''

کار جیسے جیسے نہر سے باہر نکل رہی تھی ہوا اور بھی ٹھنڈی ہوتی جا رہی تھی۔

☆

رانی کو اپنی ضد پر خود ہی حیرت ہو رہی تھی۔ ان لوگوں نے اتنا کہا اتنا اصرار کیا لیکن وہ نہیں گئی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ بیمار پڑی ہے۔ تن بدن ٹوٹا ہوا ہے۔ لیکن اس طرح اپنی بات پر اڑ کر بیٹھ جانے میں بھی کون سی اچھائی ہے۔ اتنے شاہ خرچ گاہک ہیں بھی کتنے؟ کل کو آئیں ہی نہیں تو۔ پہلے بھی تو اس نے کتنی بار بخار سے تپتا ہوا بدن بے رحم ہاتھوں میں دیا ہے۔ کتنی بار کمر میں چمک پڑ جاتی ہے۔ لیکن جہاں تک ہو سکے وہ نہ نہیں کرتی۔ آج تو چودھری فرنگی مل خود آیا تھا۔ خاصی رقم دینی تھی اس نے۔ چلی جاتی۔ تھوڑی پریشانی ہوتی دو دن اور پڑی رہتی پھر اچھی ہو جاتی۔ پل بھر کے لئے اسے لگا کہ اس سے بھول ہو گئی ہے۔ اگر کل سو روپے ملے تھے تو آج کچھ زیادہ ہی ملتے۔ اس وقت پیسے کی ضرورت ہے۔ کل والے سو سجا نوٹ لے کر چلتا بنا۔ اس سے پہلے بڑی مشکل سے تین مہینوں میں اتنی کمائی ہوئی تھی کہ

پیٹ کی آگ بجھتی اور بدن اور سانسوں کی ڈور جڑی رہتی۔ بچوں کے لئے بھی پیسے نہیں بھیج سکی تھی۔ تب ہی تو سجانو کو یہاں آنے کا بہانہ ملا۔ اس وقت اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔ ایسے وقت میں گاہک لوٹا کر اس نے اچھا نہیں کیا۔

رانی کو محسوس ہوا کہ بھوک لگ آئی ہے۔ لیکن اس وقت وہ چولہا نہیں جلا سکتی۔ گھر میں پکانے کے لئے کچھ بھی نہیں۔ اب صبح ہی دیکھا جائے گا۔ اس نے سوچا۔ دل کے کسی کونے میں اسے اس بات کی تسلی بھی تھی کہ آج اس نے اتنے بڑے لوگوں کو نہ کر دی۔ ان کی منت سماجت کو بھی ٹھوکر مار دی۔ آخر اس کا بھی اپنا کچھ وجود ہے۔ یہ لوگ اسے کیا سمجھتے ہیں۔ وہ کوئی ڈنگر جانور ہے جسے لوگ جیسے چاہیں آگے لگالیں۔ پھر اچانک ہی اسے خیال آیا کہ اگر ان لوگوں کی جگہ چرن اس کے پاس آتا تو کیا وہ اسے بھی ایسے ہی نہ کر دیتی؟ شاید نہیں کرتی یا کر سکتی۔ وہ اسے بتا دیتی کہ اس کے ساتھ کیا بیتی ہے۔ ایک جانور نے کیسے اس کی ہڈیاں توڑ ڈالی ہیں۔ لیکن یہ سب جان کر بھی وہ ضد کر بیٹھتا تو؟ وہ جھنجھلا اٹھی کہ وہ چرن کے بارے میں اتنا کیوں سوچتی ہے؟ کیوں اس نے اس کا نام پوچھا؟ کیا فائدہ ہوا؟ ایسے سارے لوگ اس کے پاس ایک ہی بھوک لے کر آتے ہیں۔ کسی کو اس سے کیا ہمدردی ہوسکتی؟ چرن نے بھی اسے اس کی قیمت دی تھی اور وہی کچھ اس سے لے گیا تھا جو دوسرے بھی لوگ لے کر جاتے ہیں۔

وہ کون سی چیز ہے جسے اتنے لوگ اس سے لے کر جاتے ہیں؟ اگر وہ سچ ہی کچھ لے جاتے ہیں تو وہ چیز بھی ختم تو نہیں ہو جائیگی؟ ختم ہو جائیگی تو وہ کیا کرے گی۔؟ ان سوچوں نے اس کے من میں گھبراہٹ بھر دی۔

بہت دیر بعد اسے نیند سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ کوئی خواب دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے پاؤں دھیرے دھیرے کسی دلدل میں دھنستے جا رہے ہیں۔ پھر ساری جانگھیں اس میں گھس گئی۔ اور پھر وہ خود ہی پوری کی پوری اس دلدل میں دھنس گئی۔

آنکھ کھلی تو کھڑکی کی جھریوں میں سے روشنی کے دھاگے کھینچے تنے ہوئے اس کی رضائی پر پڑ رہے تھے۔ کانوں میں بالٹی کھڑکھڑانے کی آوازیں پڑیں۔ نل میں آتے پانی کی سوں سوں آواز بھی سنائی دی۔ ایک دم رضائی جھٹک کر وہ جلدی سے اٹھی۔ نل بند ہو گیا تو سارا دن پینے کو بھی پانی نہیں ملے گا۔ بالٹی اٹھا کر باہر آئی تو دیکھا سلیمہ پانی بھر رہی تھی۔ آج اسے دیکھ کر رانی مسکرائی نہیں۔ سلیمہ نے اسے دیکھ کر گردن جھکا لی۔ اسی وقت رجو کی کڑک دار آواز سنائی دی۔ دونوں نے گردن گھما کر دیکھا۔ اپنی کھڑکی کا ایک پٹ کھول کر وہ سلیمہ سے کہہ رہی تھی۔ ''جلدی کر وہاں زیادہ دیر کھڑے

ہونے کی ضرورت نہیں۔'' بالٹی بھرتے ہی سلیمہ نے اسے اٹھایا اور چلی گئی۔ رجو کھڑکی میں کھڑی کہتی جا رہی تھی۔ ''کتنی بار کہا کہ میں خود بھر لے آؤں گی۔ تو بھی چل دی۔ تجھے تو اب باندھ کر رکھنا ہوگا۔ اتنا برا پڑوس بھی کسی کا نہ ہو۔ نہ جانے کہاں کہاں کے سانڈ مسٹنڈے اندھیرے میں ٹٹولتے گھومتے ہیں۔''

سلیمہ اندر پہنچی تو رجو نے کھٹاک سے دروازہ بند کر لیا۔

رانی نے بالٹی نل کے نیچے لگائی۔ گردن جھکا کر اس نے دوپٹے سے سر ڈھک لیا۔ من ہو رہا تھا کہ بالٹی جلدی بھرے تو وہ اپنی کھپا میں جا گھسے۔ رجو کے بول گرم سلاخوں کی طرح اس کے کلیجے کو چھیدتے جا رہے تھے۔ ''کیا کنجر خانہ ڈال رکھا ہے۔ شرم حیا تو رہ ہی نہیں گئی میرا بس چلے تو ڈائن کی چوٹی پھونک ڈالوں۔''

''تجھے تو ایسے بھی دوسروں کے عیب نظر آتے ہیں۔'' یہ رمضان کی آواز تھی۔ ''اماں تو رات کو سوتی ہے یا ادھر ادھر کی باتوں پر کان لگائے بیٹھی رہتی ہے؟'' پھر رجو کی آواز سنائی نہیں دی۔

بالٹی بھر گئی تو رانی جلدی سے اٹھا کر اندر لے گئی۔ اس کا من اور بالٹی پانی لانے کو نہیں کر رہا تھا۔ لیکن ابھی گھر کی ساری صفائی باقی تھی۔ نہانا تھا۔ روٹی پکانی تھی۔ اسے پھر جانا ہی پڑا۔ شکر کیا کہ رجو کے جلے کٹے جملے سنائی نہیں دے رہے تھے۔ رمضان گھر سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ رانی کی طرف دیکھ کر مسکرایا رانی نے منہ پھیر لیا لیکن منہ پھیرتے پھیرتے بھی اس نے رمضان کو آنکھ مارتے دیکھ لیا۔ وہ کھانستا کھنکھارتا چلا گیا۔ اپنے میں سمٹی ہوئی رانی وہاں کھڑی رہی۔ بالٹی اٹھا کر اندر آئی تو غصے سے اس منہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس وقت اگر رمضان اس کے سامنے ہوتا تو جوتے مار مار کر اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑ ڈالتی۔ ماں کے خصم کی ایسی کی تیسی کر دیتی۔

پہلے بھی یہ باتیں ہوتی رہتی تھیں لیکن آج کچھ زیادہ ہی چبھی ہیں۔ ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے اس نے آنسو روکنے کی کوشش کی لیکن آنکھیں پھر بھی بھیگ گئیں۔ وہ کھاٹ پر بیٹھ گئی۔ دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو کر رہا تھا۔ خالی پیٹ میں ایک گولا سا اٹھتا محسوس ہوا۔ دونوں ہاتھوں سے پیٹ کو دبا لیا۔ درد سے کلیجہ پھٹ کر باہر آنے لگا۔ منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆

چرن دیر تک جاگتا رہا۔ سوچا تھا صبح سویرے ہی وہ دشینت کو ملنے جائیگا لیکن جب اس کی نیند کھلی تو اس کا اٹھنے کو من ہی نہیں ہوا سر بھاری اور انگ انگ تھکا ہوا تھا۔ اٹھ کر داتن کرنا بھی بے معنی

لگ رہا تھا۔ سرہانے کو چھاتی سے دبائے رضائی میں ایسے گھسا ہوا تھا جیسے اب کبھی اٹھنا ہی نہ ہو۔
باہر سے آتی آوازوں اور آہٹوں سے وہ اندازے لگا رہا تھا کہ توشی کالج جانے کے لئے تیار ہو رہی ہے۔ باؤ جی نہا رہے ہیں۔ ماں مندر سے لوٹ آئی ہے۔ باؤ جی سندھیا کر چکے ہیں۔ توشی گھر سے نکل گئی ہے۔ ماں روٹی بنا رہی ہے۔ چرن کو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ سب کچھ وہ خواب میں دیکھ رہا ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے خواب۔

''چرن بچے تو نے کب تک سوئے رہنا ہے؟'' ساوتری نے چرن کی رضائی ہلاتے ہوئے کہا۔ چرن کا من ہوا کہ کوئی جواب نہ دے اور چپ چاپ لیٹا رہے۔ پھر اسے خیال آیا کہ باؤ جی اور توشی جا چکے ہیں۔ اس نے رضائی ہٹا کر منہ باہر نکالا اور ماں کی طرف دیکھنے لگا۔ ساوتری بولی۔'' دس بجنے والے ہیں۔ اٹھ جا۔ روٹی بھی بن چکی۔'' چرن اٹھا۔ ساوتری رسوئی میں چلی گئی۔ چرن نہایا۔ نہا کر کچھ ہوش آیا۔ روٹی کھانے بیٹھا تو ماں بولی'' بیٹا ایک کام کرنا پڑے گا تجھے۔''

''کیا ماں؟''

''راشن لانا ہے۔ رات کے لئے گھر میں ایک مٹھی آٹا بھی نہیں۔''

روٹی کھا کر اس نے دو تھیلے اٹھائے اور راشن کی دکان پر پہنچا وہاں اتنی بھیڑ اور شور تھا جیسے شہد کی مکھیوں کا چھتا چھڑا ہوا ہو۔ ایسی مارا ماری پڑی ہوئی تھی جیسے بھوکے لوگوں کے لئے پکی پکائی روٹیاں بٹ رہی ہوں اور لوگ کھانے سے زیادہ چھینا چھپٹی میں لگے ہوں۔

چرن کی سمجھ میں نہیں آیا وہ لڑائی کے اس میدان میں کیسے گھسے دکان دار پرکاش اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ اسکول میں اس کا ہم جماعت تھا۔ لیکن چرن اس تک پہنچے تب نہ۔ اسے تو شک ہوا کہ پرکاش اتنی بھیڑ میں ہے بھی یا نہیں۔ کہیں کچلا روندا ہی نہ گیا ہو۔ ایک آدمی کو اس نے راشن لیکر بھیڑ سے باہر نکلتے دیکھا۔ ایسا لگا جیسے وہ بھونچال کے ملبے کے نیچے سے جان بچا کر نکلا ہو۔

چرن بڑی دیر تک ایک طرف کھڑا ہو کر تماشا دیکھتا رہا۔ پھر اچانک بھیڑ چھٹنے لگی۔ وہ آگے بڑھا تو کوئی ایک آدمی دکاندار کو گالی دے رہا تھا۔'' ان مادر چودوں کو پھانسی دینی چاہئے۔ اندر ہی اندر اناج دبا لیتے ہیں اور پھر خود بلیک کرتے ہیں۔''

''کیا ہوا؟'' چرن نے پوچھا۔

''صبح سے کھڑے رکھا اور اب کہہ رہے ہیں راشن ختم ہو گیا؟ سالے بلیکیئے''

ایک اور آدمی کہہ رہا تھا'' روز ہی کسرت ہو جاتی ہے۔ ملتا کچھ نہیں''

بھیڑ اس طرح چھنٹ گئی جیسے ہاکی کا میچ ختم ہوتے ہی میدان خالی ہو جاتا ہے۔ چرن دکان

کے اندر داخل ہو گیا۔ صرف ایک آدمی پیچھے میں آٹا ڈالوا رہا تھا۔ پرکاش نے آٹا ڈالا۔ ترازو ایک طرف پھینکا اور پھر خالی بوری جھاڑتے ہوئے چرن کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ ''تھوڑا ٹھہر جا۔ تجھے تو راشن ملے گا ہی اس لیچڑ کو یہاں سے جانے دے''

چرن دکان کے چبوترے پر بیٹھ گیا اور جیب سے ایک سگرٹ نکال کر سلگانے لگا۔ اس وقت اس نے مدن کو سامنے سے گذرتے ہوئے دیکھا۔

''کہاں سے آ رہا ہے؟''

''حج کر کے آیا ہوں۔''

''دیدار ہوئے یا نہیں؟''

''دیدار کیئے بغیر صبح کیسے حج ہو سکتا ہے؟''

دکاندار پرکاش چرن کے پاس آیا اور دھیرے سے بولا۔ ''چرن یار تو تھیلے یہاں چھوڑ جا اور آدھے گھنٹے بعد آ کر لے جانا۔'' ایک تھیلے میں چرن نے راشن کارڈ ڈال کر دونوں تھیلے دکان کے اندر رکھ دیئے اور پھر وہ اور مدن دونوں بھلے کی دکان پر آ کر بیٹھ گئے۔

''تو نے کب جانا ہے سری نگر؟''

''ایک دو دن تک لیکن میرا اندازہ ہے پرائم منسٹر صاحب جلدی نہیں جا سکتے۔''

''کیوں؟''

''آج بڑے کالج کے اسٹوڈینٹس نے ہڑتال کر دی ہے۔ سنا ہے کافی ہنگامہ ہوگا آج معاملہ جلدی ختم ہونے والا نہیں۔ ہو سکتا ہے پرائم منسٹر دو تین دن بعد جائیں۔''

''یہ ساری خبریں تجھے کیسے مل جاتی ہیں؟''

''پی ایم کی کوٹھی سے وہاں اکیلا میں ہی تو روز سلام کرنے نہیں جاتا بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔ ہر طرف کی خبر سب سے پہلے وہاں ہی پہنچتی ہے''

اچانک چرن کو دشینت یاد آ گیا۔ ''دشینت بھی آج اسٹوڈینس اسٹرایک میں شامل ہے'' ہاں وہی تو لیڈر ہے۔'' مدن نے کہا۔ ''وہ تو ہمیشہ سب سے آگے رہتا ہے۔ لیکن تو اس کے متعلق کیوں پوچھ رہا ہے؟''

چرن تھوڑی دیر کے لئے چپ رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مدن کی بات کا کیا جواب دے۔ پھر دھیرے دھیرے کھلا جیسے وہ اپنے آپ کو بھی اپنے آگے کھولنے لگا ہو۔ ''یار مدن نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ میں اس طرح نوکری حاصل نہیں کر سکوں گا۔ یہ میری فطرت میں ہی نہیں کہ میں

ہر وقت کسی کے پیچھے پیچھے پھرتا رہوں لیکن مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔ کل ٹی اسٹال پر بیٹھے ہوئے دشینت نے باتوں باتوں میں مجھے جھنجھوڑ دیا ہے۔ مجھے لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آج ہر آدمی کو باغی بن جانا چاہیے۔''

مدن حیرت سے چرن کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر وہ تھوڑا تھوڑا مسکرایا اور بولا۔'' اس کا مطلب ہے تو بھی بغاوت کرنا چاہتا ہے۔''

چرن نے جواب دیا'' ہر طرف اندھیر گردی ہے۔ بے ایمانی لوگوں کا دھرم بن چکی ہے۔ بد معاش لیڈروں کے چیلے چانٹوں نے لوٹ کھسوٹ مچا رکھی ہے تو ہی بتا اس ماحول میں کیا بغاوت نہیں کرنی چاہیے؟''

مدن نے ہنستے ہوئے کہا۔ بغاوت کرنا اتنا آسان کام نہیں جتنا تو سمجھتا ہے۔ دشینت کو تو اور کوئی کام نہیں امیر گھر کا لڑکا ہے روٹی کمانے کی کوئی فکر نہیں۔ اس لئے سر پھروں کا لیڈر بنا ہوا ہے اگر تو بھی اس کے ساتھ مل گیا تو تیری مٹی خراب ہو جائے گی۔ نہ ادھر کا رہے گا نہ ادھر کا۔ میری مان ان چکروں میں مت پڑ۔ ایک نہ دن تجھے نوکری مل جائے گی۔ کیوں کہ مسز راج دیو تیرے ساتھ ہیں۔''

چرن بحث میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر چپ رہا لیکن پھر رہا نہیں گیا۔ بولا'' تو مجھے صبر کرنے کے لئے کہہ رہا ہے کیونکہ تجھے روٹی کی پرابلم نہیں۔ میری جگہ تو ہوتا تو معلوم پڑتا۔ میرا اب اپنے گھر میں رہنا پل پل مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ باؤجی سمجھتے ہیں کہ میں آوارہ ہو چکا ہوں اور جان بوجھ کر کوئی کام نہیں کرنا چاہتا ماں نہیں ہوتی تو شاید گھر سے بھی نکال دیتے۔''

بھلہ بھاپ چھوڑتی چائے کے دو کپ میز پر رکھ گیا۔ مدن چائے کے دو گھونٹ بھر کر کہنے لگا۔ ''اگر تو نے کام ہی کرنا ہے تو نیشنل کانفرنس میں رہ کر کر جس سے تجھے کچھ فائدہ بھی پہنچے۔''

چرن پھر چپ نہیں رہ سکا'' ساری فائدے کی سیاست ہے۔ دیش بھگتی کے نام پر لوگ اپنا اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔ لیکن میں نے ان کاموں کی بات نہیں کی تھی۔ مجھے تو یار کوئی بھی کام چاہیے۔ کوئی بھی'' چائے پی کر اس نے سگرٹ سلگایا۔

مدن بھی سگرٹ پینے لگا۔ اسے چرن کی باتوں میں سچائی کا احساس ہوا دھوئیں کے چھلے بنا بنا کر وہ منہ سے نکالنے لگا۔ کوئی چھلا جلد ہی ٹوٹ جاتا کوئی اڑتا اڑتا کافی اوپر چلا جاتا۔ ریڈیو پر فلمی گانے لگے ہوئے تھے۔ بہت دیر تک دونوں کچھ نہیں بولے آخری کش لگا کر چرن نے سگرٹ پھینک دیا اور اسے پیر کے نیچے کچل کر اٹھا۔'' میں اب چلتا ہوں راشن کی دوکان بند ہو جائے گی۔'' مدن بھی اٹھا اور دونوں باہر آ گئے۔

☆

اپنے اپنے کلاس روموں سے نکل کر اسٹوڈنس پرنسپل کے آفس کے باہر جمع ہونے لگے پرنسپل نے اسٹاف کے سارے چھوٹے بڑے ممبروں کو اپنے آفس کے اندر بلا کر ایک قلعہ بندی سی کر لی۔ دشینت نے جب دیکھا کہ سارے اسٹوڈینٹس جمع ہو گئے ہیں تو وہ ایک کرسی پر چڑھ کر تقریر کرنے لگا۔

"دوستو ہمارے ساتھ بے انصافی کی گئی ہے اور ہم اس بے انصافی کو کبھی برداشت نہیں کر سکتے ہم اصولوں کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہم یہ لڑائی تب تک لڑتے رہیں گے جب تک ہمارے ساتھ انصاف کیا جاتا اور ہماری مانگیں منظور نہیں کی جاتیں۔ ہماری تین مانگیں ہیں۔"

کہتے ہوئے دشینت نے جیب سے کاغذ نکال کر پڑھنا شروع کیا۔ "مانگ نمبر ایک۔ کالج میں کسی سیاسی لیڈر کو تقریر کرنے کی اجازت نہ دی جائے چاہے وہ سرکاری پارٹی کا جنرل سکریٹری ہی کیوں نہ ہو مانگ نمبر دو۔ میٹرک کے امتحان میں کم نمبر لے کر پاس ہونے والے جن لڑکوں کو قاعدے کے خلاف ورزی کرتے ہوئے سفارشوں کے زور پر کالج میں داخلہ ملا ہے ان کا داخلہ کینسل کر دیا جائے یا اتنے ہی نمبر لینے والے دوسرے اسٹوڈنس کو بھی داخل کر لیا جائے۔ مانگ نمبر تین۔ کل جن دو اسٹوڈنس کو نعرے لگانے کے جرم میں کالج سے نکال دیا گیا ہے انہیں واپس لیا جائے۔"

چاروں طرف تالیوں کی آواز گونج اٹھی۔ دشینت نے کاغذ پر سے نظریں ہٹائیں اور پھر کہنا شروع کیا۔ "دوستو یہ تین مانگیں لے کر میں آپ سب کی طرف سے پرنسپل صاحب کے پاس جا رہا ہوں۔ کیا آپ میں سے کسی کو اس پر کوئی اعتراض ہے؟" سب لڑکوں نے شور مچا دیا۔ "نہیں نہیں" دشینت نے پھر کہنا شروع کیا" دوستو میں یہ تین مانگیں لے کر آپ کی طرف سے پرنسپل صاحب کے پاس جا رہا ہوں لیکن اس سے پہلے ہی وہ ان مانگوں کو نامنظور کر چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اسٹوڈینٹس کو ہڑتال کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق ہم کو اتنا بھی حق نہیں کہ ہم اکٹھے ہو کر اپنی کوئی ڈمانڈ ان کے سامنے رکھ سکیں۔ پھر بھی ہم یہ مانگیں ان کے سامنے ضرور رکھیں گے۔ اگر اس پر بھی وہ نہیں مانے تو جلوس بنا کر سیکرٹریٹ تک جائیں گے اور پرائم منسٹر صاحب کے سامنے اپنی مانگیں رکھیں گے۔ ہماری یہ لڑائی اپنے حقوق کے لئے انصاف کی لڑائی ہے۔ ہمیں کسی سے ڈرنا نہیں۔ آگے بڑھنا ہے۔ آگے بڑھنا ہے۔

نعرے لگنے لگے۔ "اسٹوڈینٹس یونین۔ زندہ باد" دشینت کرسی سے نیچے اتر کر پرنسپل کے کمرے کی طرف چل دیا۔ کسی نے نعرہ لگایا دشینت کمار۔ سب گرج اٹھے زندہ باد دشینت نے انہیں

چپ رہنے کا اشارہ کیا اور اندر چلا گیا۔

دشینت کمار کو اپنے کمرے میں گھستے دیکھ کر پرنسپل صاب آگ بگولا ہو گئے غصے سے آنکھیں سرخ ہو گئیں اور مٹھیاں کسنے لگے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ آس پاس کھڑے پروفیسر آنکھیں پھاڑ کر اس سنسنی خیز تماشے کا انتظار کرنے لگے جو پل بھر میں سامنے ہونے والا تھا۔

دشینت بڑی خود اعتمادی کے ساتھ پرنسپل کے سامنے جا کھڑا ہوا ہاتھ میں پکڑا ہوا کاغذ سامنے میز پر رکھتے ہوئے بولا میں سارے اسٹوڈینس کی طرف سے یہ مطالبات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ پرنسپل صاحب نے طیش میں جھپٹا مارا اور دشینت کے ہاتھ سے کاغذ لے کر پرزے پرزے کر دیا۔ پھر چیخ کر کہنے لگے نکل جا اس کمرے سے تیرے مطالبات کی ایسی تیسی میں تیری کوئی بات نہیں سننا چاہتا تو کیا سمجھتا ہے میں تیری ایجیٹیشن سے ڈر جاؤں گا؟'' دشینت نے اپنے چہرے سے تھوک کے چھینٹے پونچھے جو پرنسپل کے منہ سے اڑے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ مڑا اور باہر نکل آیا۔

تھوڑی دیر میں ہی طیش میں آئے لڑکوں کا جلوس کسی سانپ کی طرح پھنکارتا نعرے لگاتا سیکرٹریٹ کی کی طرف بڑھنا شروع ہو گیا۔

مہیلا کالج کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ ساری لڑکیاں کلاس روموں میں سے نکل کر بڑے دالان میں جمع ہو گئیں۔ پرنسپل صاحب بھی پروفیسروں کو حکم دے رہی تھیں اگر کوئی لڑکی پھاٹک کھولنے کی کوشش کرے یا دوسری لڑکیوں کو بہکائے بھڑکائے تو اسے جھٹ سے نوٹس میں لاؤ۔

مہیلا کالج کے باہر پہنچ کر جلوس رک گیا۔ لڑکے سوچ رہے تھے کہ لڑکیاں بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گی۔ لیکن پھاٹک کھڑکیاں دروازے سب بند دیکھ کر وہ طیش میں آ گئے۔ وہ اور بھی چیخ چیخ نعرے لگانے لگے۔ لیکن مہیلا کالج کی اونچی دیواریں پھلانگنا ان کے لئے ناممکن تھا۔

سامنے سے پولیس کے دستے آتے دیکھ کر دشینت اور دوسرے لڑکوں نے موقع سنبھالنے کی کوشش کرنی شروع کی۔ انہوں نے لڑکوں کو سمجھا منا لیا کہ لڑکیاں ساتھ آئیں یا نہیں آئیں ہمارا سیکرٹریٹ پہنچنا ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی جلوس آگے چل دیا۔

پرنسپل صاحبہ خوش ہوئیں۔ پولس کو انہوں نے ہی ٹیلی فون کیا تھا۔ جلوس کے نعروں کی آوازیں جیسے جیسے دور ہو رہی تھیں ان کے منہ پر رونق آتی جا رہی تھی۔ لڑکیوں نے بھی چین کا سانس لیا۔ چنچل نے توشی سے پوچھا تیرا بھیا تو جلوس میں نہیں ہوگا نا؟

''اس نے کیوں ہونا ہے؟ وہ کالج میں تھوڑا ہی پڑھتا ہے۔'' وہ دونوں اپنی کلاس میں آ کر

بیٹھ گئیں۔ وہاں اتنا شور مچا ہوا تھا کہ کسی کو کسی کی بات سنائی نہیں دے رہی تھی۔
''تو نے اپنے بھیا کو میری کویتا دکھائی؟'' چنچل نے پوچھا۔
توشی بولی'' اری وہ ملے ہی نہیں کل صبح تیرے آنے سے پہلے چلے گئے تھے۔ رات میں سو گئی تو آئے آج صبح میں ان کے پاس گئی تو رضائی میں منہ ڈالے سو رہے تھے۔''
''اچھا؟'' چنچل نے یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ آرٹسٹ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کئی فلمی ایکٹروں کے بارے میں پڑھا تھا کہ وہ دوپہر بارہ بجے اٹھتے ہیں۔ اسی وقت پروفیسر شگُن جلدی جلدی کلاس روم میں آئیں اور آناً فاناً ساری کلاس خاموش ہوگئی۔ پروفیسر نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کاغذ سب کو دکھاتے ہوئے کڑک دار آواز میں پوچھا۔'' کالج میں یہ پرچہ کون لایا؟''
سب لڑکیاں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس پرچے میں کیا لکھا ہے۔ وہ آپس میں ہی کھسر پھسر کرنے لگیں
پروفیسر شگُن نے عینک کو ناک کے اوپر کرتے ہوئے پھر زوردار آواز میں کہا یہ اسٹرائک کرنے والے لڑکوں کی طرف سے اس کالج کی لڑکیوں کو لکھا ہوا پرچہ ہے پرنسپل صاحبہ کو پتا لگ چکا ہے کہ یہ کون سی لڑکی کی کرتوت ہے۔ اگر وہ اس کلاس میں ہے تو چپ چاپ آگے آجائے۔ اپنا نام بتادے میں اپنی طرف سے اسے بچانے کی کوشش کروں گی۔ کچھ دیر کے لئے کلاس میں خاموشی چھائی رہی۔ پھر اچانک ہی رونے کی ایک دھیمی سی آواز سنائی دی۔ سب لڑکیاں حیرانی کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں دھیرے دھیرے وہ آواز اونچی ہوتی گئی اور لڑکیوں نے دیکھا کہ آشا رو رہی ہے۔ سہمی ہوئی نظروں سے سب اسے دیکھنے لگے۔
پروفیسر اس کے پاس آئی۔ یہ پرچے تو لائی ہے؟'' آشا نے سسکتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔'' دشینت تیرا بھائی ہے؟'' اس نے پھر سر ہلایا '' اس کے کہنے پر ہی تو نے یہ مصیبت اپنے گلے ڈالی۔ چل میرے ساتھ تجھے پرنسپل کے پاس جانا ہوگا۔'' آشا روتی بنچوں کے بیچ میں سے گزرتی پروفیسر کے پیچھے پیچھے چل دی ساری لڑکیاں سانس روک کر اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک کوئی کچھ بولی نہیں توشی نے آہستہ سے چنچل کے کانوں میں کہا'' باہر سے کتنی بھولی لگتی ہے۔''
''ہاں'' چنچل بولی اب اس کا بچنا مشکل ہے پرنسپل ضرور اسے کالج سے نکال دے گی۔''

☆

جلوس جب کچی چھاؤنی پہنچا تو چرن ادھر سے ہی گزر رہا تھا۔ آگے ہو کر اس نے اپنی جان

پہچان والے لڑکوں کو ایسے اچھلتے بھرتے دیکھا تو اس کے دل میں بھی جوش بھر گیا۔ نعرے سن سن کر اس کا خون بھی ابلنے لگا۔ ''ہماری مانگیں پوری کرو'' ''سڑے گلے نظام کو ایک دھکا اور دو'' ''سینہ زوری نہیں چلے گی۔'' ''ہم کیا چاہتے ہیں؟ انصاف'' ان نعروں سے چاروں دشائیں گونج رہی تھیں۔ کبھی کبھی دشینت کمار زندہ باد کا نعرہ بھی لگ رہا تھا۔ جوش سے بھرے چرن کا من ہوا کہ وہ بھی آگے بڑھ کر جلوس میں شامل ہو جائے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا۔ اسے یاد آیا کہ وہ اب کالج میں نہیں پڑھتا۔ اس نے سیکنڈری میں ہی پڑھائی چھوڑ دی تھی آج اسے پڑھائی چھوڑنے کا افسوس ہوا۔

جب جلوس اس کے سامنے سے گزر کر آگے بڑھ گیا تو اس کا من ہوا کہ وہ جلوس کو پھر سے دیکھے اسے معلوم تھا کہ جلوس راجے کی منڈی جا رہا ہے۔ گلیوں میں سے بھاگتا دوڑتا جب وہ دھونکھلی کے راستے راجے کی منڈی پہنچا تو اس کا دم پھول چکا تھا۔ ناڑیاں پھڑکتی جان پڑ رہی تھیں اور آنکھوں میں سے آگ نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

منڈی میں پولس ہی پولس نظر آ رہی تھی۔ پولس کے کئی دستے لمبی لاٹھیاں لئے کھڑے تھے دفتر دفتر خبر پھیل چکی تھی اسلئے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھنے والے لوگ تماشا دیکھنے کے لئے باہر نکل آئے تھے اور دھوپ سینکتے ہوئے مونگ پھلی اور ریوڑیاں کھا رہے تھے۔

دھیرے دھیرے جلوس کا شور سنائی دینے لگا۔ چرن کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی اس نے دیکھا کہ وہاں کھڑے دوسرے لوگ بھی بے چین ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ اب جلدی مونگ پھلی اور ریوڑیاں کھاتے ادھر ادھر ہونے لگے۔ پولس کے سپاہی بھی مستعد ہوتے نظر آ رہے تھے پرائم منسٹر کے دفتر میں سے پولس کا کوئی بڑا افسر دوڑتا ہوا آ رہا تھا۔ سپاہیوں کے پاس پہنچ کر اس نے کوئی حکم دیا تو سب طرف ہلچل مچ گئی۔

اب جلوس کا شور بالکل قریب آ پہنچا تھا پولس کے سپاہیوں نے دو قطاروں میں کھڑے ہو کر جلوس کا راستہ روکنے کی پوری تیاری کر لی۔ لاٹھیوں والے سپاہی دو ٹکڑیوں میں بٹ کر دائیں بائیں کھڑے ہو گئے تھے۔ جلوس منڈی میں داخل ہوا تو ایسا لگا جیسے آسمان پھٹنے لگا ہے اور دھرتی ڈولنے لگی ہے پرانے محلوں کی خستہ حال دیواریں کانپ اٹھیں اور ان کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ شاہی کے نمائندے سکے تان کر کھڑے ہو گئے۔

سیلاب کی طرح بڑھتا جلوس سپاہیوں کی قطاروں کے آگے ایسے رک گیا جیسے بہتے دریا کے آگے مٹی کا تودہ گرنے سے پل بھر کے لئے پانی کے بہاؤ پر روک لگ جاتی ہے۔ آگے راستہ نہ ملنے کے سبب پانی کی طرح جلوس بھی چاروں طرف پھیلنے لگا۔ نعرے اتنے اونچے اور جلدی جلدی لگ

رہے تھے کہ کوئی بھی نعرہ صاف طور پر سنائی نہیں دے رہا تھا۔لڑکے اکھاڑے میں اترے پہلوانوں کی طرح بجلیاں بن کر تڑ تڑار ہے تھے۔

سپاہیوں کی اگلی قطار نے پورا زور لگا رکھا تھا۔کہ لڑکے آگے نہ بڑھ سکیں پیچھے بڑے افسر اچک اچک کر ہاتھوں میں پکڑے ڈنڈے گھما گھما کر اور نہ جانے کیا بول بول کر آگے والوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ چاروں طرف دفتروں کی کھڑکیاں جھروکے تماش بینیوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔

جلوس کا پھیلاؤ بڑھتا جارہا تھا۔ بڑھتے بڑھتے اس کا ایک سرا وہاں تک پہنچ گیا جہاں چرن سیڑھیوں پر کھڑا تھا اب سارے نعرے اس کی سمجھ میں آرہے تھے۔''ہم کیا چاہتے ہیں انصاف'' ہماری مانگیں پوری کرو'' ''گلے سڑے نظام کو ایک دھکا اور دو'' چرن کا خون پھر سے ابلنے لگا۔من ہوا کہ وہ بھی گلا پھاڑ کر چیخے۔''انصاف پوا کرو۔'''' ایک دھکا اور دو۔'' اچانک اس کی نظر دشینت پر پڑی جو سب سے آگے تھا اور اگلی قطار کے سپاہیوں کے ساتھ لڑ رہا تھا۔وہ سپاہیوں کا گھیرا توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کے ساتھ اور بھی لڑکے تھے۔کبھی آگے بڑھنے کے لئے زور لگا رہے تھے ایسا لگتا تھا جیسے بے حساب سانڈ ایک دوسرے کو کھدیڑنے کے لئے گتھم گتھا ہو رہے ہوں۔ چرن کی رگیں دھڑک رہی تھی۔ دل اچھل اچھل کر باہر آنے کو مچل رہا تھا ہاتھ پیر اس کے قابو میں نہیں رہے۔ بے ساختہ پاؤں سیڑھیاں اترنے لگے نعرہ لگ رہا تھا۔''ہم کیا چاہتے ہیں؟'' اس وقت چرن نے ایک سپاہی کے اوپر اٹھی لاٹھی کو دشینت کے سر پر پڑتے دیکھا اور وہ چیخ اٹھا۔''انصاف۔'' اور دوسرے پل وہ بھیڑ کی لہروں میں پورے زور سے تیر رہا تھا گلا پھاڑ پھاڑ کر نعروں کا جواب دیتے ہوئے وہ بھیڑ کو چیرتا سب سے آگے وہاں پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جہاں پولس کا گھیرا ٹوٹ گیا تھا اور لاٹھیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ کچھ لڑکوں نے پیچھے مڑ کر دوڑنا شروع کر دیا لیکن چرن سودائیوں کی طرح اندھا دھند آگے بڑھ رہا تھا۔ایک لڑکے کا پھٹا ہوا سر اور لہولہان ہوا چہرہ دیکھا تو وہ اور بھی پاگل ہوا تھا۔اور آگے بڑھا وہ زور زور سے چیخ رہا تھا'' پیچھے نہیں ہٹو بھاگو نہیں۔آگے بڑھو!۔'' اور چیختے چیختے وہ وہاں پہنچ گا جہاں لاٹھی چارج ہو رہا تھا۔لاٹھیوں کی بارش میں اس نے ایک سپاہی کو زور سے دھکا دیا تو اسی وقت ایک لاٹھی اس کے سر پر پڑی۔اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ نیچے گر گیا۔

☆

ساوتری نے چولہے سے جلتی ہوئی لکڑی اور اس پر پانی کے چھینٹے مارے شاں شوں کی آواز نکلی اور لکڑی بجھ گئی توے پر آخری روٹی پک رہی تھی۔آدھا گھنٹا پہلے ہی چرن روٹی کھا کر گیا تھا اور

اب تک ساوتری صرف چرن کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ آج اسے چرن کی باتیں کچھ بدلی بدلی ہوئی سی محسوس ہوئی تھیں۔ بازار سے آٹا لاکر وہ اس کے پاس بیٹھ گیا تھا باتیں کرنے لئے۔ ہاتھ میں بجھی ہوئی لکڑی پکڑے ساوتری کو چرن کی بات یاد آئی۔ ''ماں تجھے رات روتے دیکھ کر میں ساری رات نہیں سو سکا'' اس نے بڑے غور سے چرن کی طرف دیکھا تھا۔ پہلے چرن نے کبھی ایسی بات نہیں کی تھی۔ ساوتری ان سوچوں کے الجھے دھاگے سلجھا رہی تھی کہ اسی وقت پڑوسیوں کا لڑکا سوہنو دوڑتا آیا'' چاچی چاچی چرن بھائی کا سر پھٹ گیا ہے۔'' بجھی ہوئی لکڑی تڑتڑا کر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ چیخ مارتی وہ اٹھی۔ ''ہائے ماں'' چھاتی پر ہاتھ رکھ کر وہ آگے ہوئی'' کیسے پھٹ گیا؟ کہاں ہے وہ؟''

''پولس کی لاٹھی پڑی۔ لوگ اسے اسپتال لے گئے ہیں۔''

''رام رام ر! رام۔ رام؟'' کرتی ساوتری رونے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے سوہنو کو کانپتی آواز میں کہنے لگی۔'' بچے تو ان کو دفتر جا کر بلا لا۔ میں اسپتال جاتی ہوں۔'' سوہنو انہیں پیروں دوڑا۔ ساوتری نے کانپتے ہاتھوں سے بڑا دروازہ بند کیا اور باہر کو دوڑی۔ اس کے منہ سے رام رام نکل رہا تھا۔ گلی کے موڑ پر خیراتی کی بے بے ملی تو پھوٹ پھوٹ کر چیخ اٹھی'' مار ڈالا۔ مار ڈالا میرے بچے کو قصائیوں نے'' خیراتی کی بے بے انرتھ ہو گیا'' بے بے نے اسے اپنے سینے سے لگا کر سہارا دینا شروع کیا۔ دوسری عورتیں بھی گھر سے باہر نکل آئیں۔'' مجھے میرے چرن کے پاس لے چلو۔'' ساوتری نے روتے روتے دہائی دی۔ خیراتی کی بے بے اسے سہارا دے کر لے چلی۔

☆

ہر دیال جب اسپتال پہنچا تب تک چرن کو ہوش آ چکا تھا۔ سر پر چاروں طرف پٹیاں بندھی تھیں اور سرہانے بیٹھی ساوتری کی رو رو کر آنکھیں سوج گئی تھیں۔ دوسرے زخمی لڑکوں کو بھی اسی وارڈ میں رکھا گیا تھا۔ بہت بھیڑ تھی وہاں۔ ان لوگوں کا آنا جانا زیادہ تھا جنہیں نہ کچھ لینا تھا نہ کچھ دینا۔ لیکن پبلک معاملہ تھا۔ عوامی حکومت نے عوام پر ہاتھ اٹھایا تھا اس لئے لوگ چپ کر کے کیسے بیٹھے رہتے۔ اس لئے اسپتال والوں نے بھی کسی طرح کی روک ٹوک نہیں لگائی تھی۔ میلے جیسی گہما گہمی تھی زخمی لڑکوں میں کچھ ایسے بھی تھے جن کی ابھی شناخت نہیں ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے ان کے گھر والوں کو ابھی پتہ ہی نہ ہو۔ ایک لڑکے کے متعلق ڈاکٹر گھبرائے ہوئے تھے۔ اس کے بچنے کی امید کم تھی۔
ہر دیال کو دیکھ کر ساوتری نے آنسو پونچھے اور منہ میں پلو ٹھونس لیا تاکہ کہیں چیخ ہی نہ نکل جائے۔ ہر دیال بیڈ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور بڑے غور سے چرن کو دیکھنے لگا۔

چرن کی آنکھ کھلی تو کچھ دیر کے لئے اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔ پھر دھیرے دھیرے اسے سر میں ٹیس اٹھتی محسوس ہوئی۔ ان ٹیسوں نے اسے احساس کرایا کہ وہ ابھی زندہ ہے۔ دھیرے دھیرے اسے یاد آنے لگا کہ سپاہی جب لاٹھی چارج کرنے لگے تھے تو وہ بھیڑ کو چیرتا آگے بڑھ گیا تھا۔ اسے دشینت کے سر پر لہرائی لاٹھی یاد آئی۔ پیاس سے اس کا منہ سوکھ رہا تھا۔ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے ماں کی طرف دیکھا۔ ساوتری نے جھٹ اس کے منہ میں پانی ڈالا۔ پانی پی کر اس نے نظر اٹھائی تو باؤجی نظر آئے۔ پل بھر کے لئے اسے محسوس ہوا کہ اس نے کوئی جرم کیا ہے لیکن ایسا کونسا جرم میں نے کیا ہے وہ سوچنے لگا۔ میں نے تو باؤجی سے کچھ نہیں کہا۔ جلوس میں شامل ہونا میرا اپنا معاملہ ہے میں ہی بھگت لوں گا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ باؤجی کے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔ اس وقت بھی اسے ان کا سرہانے کھڑا ہونا اچھا نہیں لگا سر کے زخم میں درد کی لہریں سی اٹھیں۔ دیر بعد اس نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا تو چنچل اور توشی سامنے کھڑی تھیں۔ ایک ڈاکٹر لالا ہر دیال سے کہہ رہا تھا آپ گھبرایئے نہیں آپ کے لڑکے کو زیادہ نہیں لگی دو تین دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔ ساوتری نے چرن کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی گود میں رکھا ہوا تھا۔ چرن کو اپنے ہاتھوں سے محسوس ہوا کہ ساوتری کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔

شام ہو گئی۔ وارڈ میں لوگوں کی بھیڑ اور بڑھ گئی چرن کا ایک ہاتھ ابھی بھی ساوتری کی گود میں تھا ساوتری نے اپنے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دبایا پھر پیار سے ملا۔ اور اٹھی" توشی تو بھائی کے پاس بیٹھ میں روٹی بنا کر لے آتی ہوں۔"

"نہیں نہیں ماں اب تیرے آنے کی ضرورت نہیں صبح تک میں خود گھر آ جاں گا۔"

ساوتری نے چرن کی بات کا جواب نہیں دیا توشی اس کی جگہ بیٹھ گئی چنچل بھی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اسی وقت ہر دیال ڈاکٹر کے ساتھ یہ پوری بات چیت کر کے وہاں آیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ کئی مہینوں سے اس نے چرن کو کبھی غور سے نہیں دیکھا تھا چرن کی ناک کا تل بھی وہ گیا ہوا تھا۔ کچھ دیر کے لئے وہ چرن کے منہ کی طرف ٹکر ٹکر دیکھتا رہا چرن سے اس کا اس طرح دیکھنا برداشت نہیں ہوا اس نے آنکھیں بند کر لیں اسے پتہ نہیں لگا کہ ماں کو لے کر باؤجی کس وقت وہاں سے چلے گئے۔

توشی اور چنچل کو اب بڑی مشکل سے موقع ملا من کا غبار نکالنے کا۔ دونوں بہت اداس تھیں۔ توشی تو کئی بار روئی بھی تھی۔ دونوں نے کبھی اس طرح کسی کو پٹیاں باندھے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

"بھیا" توشی کی آواز سن کر چرن نے آنکھیں کھولیں۔ دونوں کو اداس دیکھ کر اسے ان پر

ترس آیا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن مسکرا نہیں سکا۔ توشی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ملنے لگی۔ چنچل کا من ہوا کہ وہ بھی ایسا کرے۔ وہ اور بھی پاس آ گئی۔ توشی نے پوچھا۔ ''بھیا تو بھی جلوس میں تھا؟''

''ہاں''

''جلوس میں تو صرف کالج کے لڑکے تھے'' چنچل بولی۔

''مجھے ان کے ساتھ ہمدردی تھی اس لئے میں ان کے ساتھ تھا۔''

کہتے ہوئے چرن کی آواز میں تھوڑا زور آ گیا۔ لیکن توشی اور چنچل کی سمجھ میں اس بات کا آنا مشکل تھا کہ اسے ان کے ساتھ ہمدردی کیوں تھی۔ توشی دکھی ہو کر بولی ''یہ بھی کیا ہمدردی ہوئی کہ اپنا سر پھٹوا لیا مجھے پوچھو تو بھیا سارا قصور لڑکوں کا ہی ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''کتنی دیر ہمارے کالج کے باہر شور مچاتے رہے اگر ہم نے کھڑکیاں دروازے بند نہیں کر لیے ہوتے تو نہ جانے کیا انرتھ ہوتا تھا۔'' توشی چپ ہوئی تو چنچل بولی۔ ''ایک لڑکی نے کالج کے اندر پرچے بھی بانٹے۔''

''کون لڑکی تھی؟''

''کوئی دشینت ہے۔ اس کی بہن۔ ہماری کلاس میں پڑھتی ہے۔''

''کیا ہوا اس کا؟''

''پرنسپل نے دو ہفتے کے لئے اسے کالج سے نکال دیا ہے''

سن کر چرن کو دھکا لگا۔ سامنے سے گزر رہے ایک کالج اسٹوڈنٹ کو بلا کر اس نے پوچھا ''دشینت کہاں ہے؟''

''اسے پولس پکڑ کر لے گئی ہے'' اس لڑکے نے جواب دیا۔

☆

توشی اور چنچل کے جانے کے بعد کتنی دیر چرن کا خون ابلتا رہا کبھی ہاتھ پیر پٹختا کبھی دانت کٹکٹاتا۔ دشینت حوالات میں بند ہے یہ سن کر اسے غصہ آ گیا تھا۔ چھت سے لٹکتے بے حرکت پنکھے کی طرف دیکھتے ہوئے وہ دیر تک دشینت، پولس، جلوس، ماں، باؤجی، توشی، اور چنچل کے بارے میں سوچتا رہا۔ اچانک ہی آواز آئی۔ ''شہیدوں کی چتاؤں پر لگیں گے ہر برس میلے۔'' اس نے دیکھا مدن اور گوپال دونوں کھڑے تھے اور مدن کہہ رہا تھا۔ ''وطن پر مرنے والوں کا یہی نام و نشان ہوگا۔''

چرن بھی مسکرانے لگا۔ گوپال بولا۔ ''تیرے لچھن پہلے ہی بتا رہے تھے کہ تو نے کچھ الٹا سیدھا ضرور کرنا ہے۔ مدن نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا میں نے تجھے بھلائی کا راستہ بھی بتایا تھا کہ اگر سیاست میں حصہ لینا ہی ہے تو نیشنل کانفرنس کا کام کر کچھ فائدہ بھی ہو۔ نوکری ملے لیکن بھڑوے نے اپنی ہی کی اور اب اس کا نتیجہ بھی بھگتے گا۔''

''بھگت لوں گا۔'' چرن جھنجھلا کر بولا ''میں کچھ سوچ سمجھ کر آگے نہیں ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ پولس کے سپاہی اندھا دھند لاٹھی چارج کر رہے ہیں تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا اور میں آگے بڑھ گیا۔''

''لیکن اس وقت تو نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ تیرے آگے بڑھنے سے کچھ نہیں ہوگا۔'' گوپال نے پوچھا۔

''جوش میں ہوش کہاں؟'' مدن نے جیسے چرن کی وکالت کی'' اور ساتھ ہی گوپال سارے لوگ اپنے دماغ سے ویسے کام نہیں لے سکتے جیسے تو لیتا ہے۔''

''اسی لیے تو پیچھے پچھتانا پڑتا ہے۔'' گوپال بولا۔

''نہیں میں پچھتا نہیں رہا'' چرن نے جھٹ جواب دیا'' میں نے جو کیا ٹھیک کیا ہے میں تو کب کا سوچ رہا تھا کہ مجھے کچھ کرنے کا موقع ملے۔ ابھی تو شروعات ہوئی ہے۔ میں تو کسی پارٹی میں شامل ہو کر کچھ کرنے کا سوچ رہا ہوں۔''

''اور پھر تو بڑا لمبا پروگرام ہے صاحب کا۔'' گوپال نے چٹکی لی۔ ''لیکن اس وقت ہم بحث نہیں کرنا چاہتے۔ ویسے بھی صاحب کے سر کے زخم بھی ہرے ہیں اور ٹانکے کچے۔ صاحب زیادہ جوش دکھائیں گے تو ٹانکے کھل بھی سکتے ہیں۔''

''میں تو کہتا ہوں کہ اس کے کچھ ٹانکے کھل ہی جائیں تو اچھا ہے'' مدن بولا۔'' اسے تھوڑا اور خون میں لت پت نظر آنا چاہیے۔ کیونکہ ابھی تھوڑی دیر میں پرائم منسٹر صاحب یہاں آنے والے ہیں اس وقت تو ان کی جتنی ہمدردی جیت سکتا ہے جیت لے۔''

''مجھے ان کی ہمدردی کی ضرورت نہیں میں چوٹ مارنے والوں کو اپنے زخم دکھلا کر اپنا کوئی کام نہیں نکالنا چاہتا۔ مجھے کسی نوکری وکری کی ضرورت نہیں۔''

''مدن تو ٹھیک کہہ رہا تھا۔'' گوپال جوش میں بولا۔'' وہ دیکھ پرائم منسٹر صاحب آگئے۔'' سارا وارڈ ایسے خاموش ہو گیا جیسے کلاس روم میں کسی دبنگ ماسٹر کے آتے ہی سب کی ماں مر جاتی ہے پرائم منسٹر صاحب نے باری باری ہر ایک بیڈ کے پاس جانا شروع کیا ان کے ساتھ سیکرٹری نیشنل

کانفرنس بھی تھے پیچھے پیچھے مسز راج دیو اور دوسرے لیڈر دم چھلوں کی طرح چلتے آ رہے تھے۔ پرائم منسٹر کے آگے آگے اسپتال کے بڑے ڈاکٹر فو تعدار صاحب تھے۔

چرن نے دھیرے سے مدن کے کان میں کہا۔ ''یار تو یہ موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا۔ ہمارے خون سے اپنا مستقبل سنوار لینا۔'' مدن ہنس دیا۔ ''آج تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ میں کہاں تک پہنچا ہوں۔''

پرائم منسٹر صاحب ایک ایک بیڈ کے آگے سے اس طرح گزر رہے تھے جیسے ہر روز وہ اپنی میز پر رکھے کاغدات پر سائن کرتے ہیں اور سائن کرنے کے بعد ان کا مضمون بھول جاتے ہیں چرن کے پاس آتے دیر نہیں لگی۔ مدن نے جھٹ سلام داغا پرائم منسٹر اسے وہاں دیکھ کر حیران رہ گئے پھر جلدی مسکرا دیئے۔ انہوں نے مدن سے ہاتھ ملانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ سب لوگ ان دونوں کا شیک ہینڈ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

مسز راج دیو نے چرن کو دیکھا تو گھبرا گئیں۔ پل بھر کے لئے انہیں محسوس ہوا کہ وہ کوئی جرم کرتے ہوئے پکڑی گئی ہیں۔ اگر سیکرٹری صاحب نے چرن کو پہچان لیا تو وہ پوچھیں گے۔ ''اسی کی سفارش آپ نے کی تھی یہ تو باغی ہے۔'' انہیں معلوم تھا کہ پرائم منسٹر صاحب اور سیکریٹری صاحب دونوں ان لڑکوں سے بڑے ناراض ہیں۔ صرف لوگوں کی ہمدردی جیتنے کے لئے یہاں آ گئے ہیں۔

''تو کون سی کلاس میں پڑھتا ہے؟'' پرائم منسٹر صاحب نے پوچھا۔

مدن کو بات کرنے کا موقع مل گیا۔ ''جی یہ کالج میں نہیں پڑھتا۔''

''نہیں پڑھتا؟'' پرائم منسٹر حیران ہوئے۔ ''پھر یہ جلوس میں کیسے شامل ہوا؟''

''جلوس دیکھنے گیا تھا پھنس گیا۔'' مدن نے موقع سنبھالنے کی کوشش کی۔

''زیادہ لگی ہے؟''

''ڈاکٹر صاحب نے آگے آ کر بتایا۔ بہت زیادہ نہیں لگی ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔''

''بڑا اچھا اسٹیج آرٹسٹ ہے'' سیکرٹری صاحب نے بتایا۔ پرائم منسٹر صاحب نے گردن ہلائی اور اگلے بیڈ کی طرف چل دیئے۔ چرن کے آس پاس سے لوگ ہٹنے لگے تو سیکرٹری صاحب نے مسز راج دیو کو کہا۔ ''اسے نوکری ضرور ملنی چاہیے بیکار رہ کر ایسے قابل لڑکے گم راہ ہو جاتے ہیں کل صبح مجھے یاد کرانا میں آڈر نکلوا دوں گا۔''

سب لوگ وہاں سے چلے گئے تو گوپال نے مدن کی پیٹھ پر تھپکی مارتے ہوئے کہا۔ ''مان گئے

استاد پرائم منسٹر صاحب نے تیرے ساتھ ایسے ہاتھ ملایا جیسے تیرے لنگوٹیے ہوں۔'' مدن نے خوشی سے پھولتے ہوئے جواب دیا۔'' یہ ہماری برسوں کی کمائی ہے۔ لیکن چرن نے تو ایک ہاتھ مار کر ہی کام نکال لیا۔'' چرن کا موڈ ان دونوں جیسا نہیں تھا۔ وہ تو چاہتا تھا کہ پرائم منسٹر کے سامنے زور سے کوئی نعرہ لگاتا جس کا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ مدن کی یہ بات بھی اسے چبھ گئی تھی کہ جلوس میں پھنس گیا تھا۔ اس نے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ وہ مدن کو گالی دینا چاہتا تھا جس کا کوئی فائدہ نہیں تھا جب مدن اور گوپال وہاں سے چلے گئے تو وہ بڑی دیر تک دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔

☆

سامان گھر پر رکھ کر پرویز بھارت ٹی اسٹال میں گھسا تو اس کی آنکھیں بجھی بجھی اور منہ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ بالوں اور کوٹ کے کالروں پر بھی دھول ہی دھول جمی ہوئی تھی گوپال نے اسے دیکھتے ہی کہا۔'' یہ کیا ہوا تجھے؟''

'' کچھ بھی نہیں'' پرویز نے بیٹھتے ہوئے کہا'' بڑی تھکاوٹ ہوگئی سالا بڑا جان لیوا سفر تھا۔''

'' سفر نہیں۔ جان لیوا تو وہ چیز تھی جو تجھے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔''

'' مار گولی اسے۔'' پرویز نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

'' ہوا کیا؟'' گوپال اس کے قریب سرک آیا۔ کوئی گڑبڑ ہوگئی؟''

'' نہیں گڑبڑ کیا ہونی تھی۔'' پرویز نے بات سنبھالی۔ اس نے بچ کر کہاں جانا تھا۔ ہم نے بھی پکا اردہ کر رکھا تھا دل کی تمنا پوری کر کے ہی چھوڑی۔''

گوپال کو یقین تو نہیں آیا لیکن اس وقت اسے اپنی بات یاد آ گئی۔''

'' میڈم کے ساتھ ناٹک کے بارے میں بات ہوئی یا نہیں؟''

'' نہیں موقع نہیں ملا۔'' پرویز کی بات سن کر گوپال چپ ہو رہا پرویز نے پوچھا۔'' کل یہاں بڑا ہنگامہ ہوگیا؟'' مدن اور بھی قریب ہوتے ہوئے بولا لو تجھے تو یہ بھی پتہ نہیں ہوگا کہ اپنا یار چرن بھی پولس کی لاٹھی کھا کر شہیدوں میں نام لکھوا بیٹھا ہے۔''

'' کیا؟'' پرویز منہ کھول کر دیکھنے لگا ساری بات سن کر وہ اٹھا۔'' میں ابھی چرن کو دیکھ آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل آیا تھوڑی دور جا کر وہ کھڑا ہوگیا اسے خیال آیا کہ اس وقت اسے کسی نے اسپتال کے اندر نہیں گھسنے دینا۔ ویسے بھی اس کا دل اتنا ٹوٹا ہوا تھا کہ اس وقت وہ وہاں جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ گوپال اور مدن سے پلا چھڑانے کے لئے وہاں سے اٹھا تھا۔ میڈم کے متعلق بھی اس نے جھوٹ بولا تھا۔ میڈم کے ساتھ جیسا وہ سوچ کر گیا تھا ویسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا بلکہ ایک

شرمندگی اور کڑواہٹ لے کر وہاں سے لوٹا ہے۔ میڈم نے اسے جو ناامیدی دی تھی وہ اس کے دل کو چھیلتی جا رہی تھی۔

کل شام جب ڈاک بنگلے کے لان میں وہ میڈم کے ساتھ چائے پینے کے لئے بیٹھا تو بار بار اس کی نظر میڈم کی نظروں کے ساتھ ایسے چھو رہی تھیں جیسے پھلجھڑی سے پھلجھڑی جلتی ہے۔ میڈم باتیں کم کر رہی تھی۔ لیکن وہ سن نہیں رہا تھا بس جی ُہاں جی۔ یو آر رائٹ'' ہی کہتا جا رہا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ میڈم اس کی باس ہے۔ نظروں نظروں میں وہ میڈم کے اندر دور اندر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ رات کھانا کھاتے ہوئے بھی اس کا وہی حال تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ میڈم اس کا مطلب سمجھ گئی ہیں۔ اس لیے اسے حیرانی بھی ہو رہی تھی کہ میڈم اپنی ہر بات اتنے سہج ڈھنگ سے کیسے کر رہی ہیں۔ بڑی چالاک ہے۔ اس نے کوئی سو بار اپنے دل میں کہا ہوگا۔ کھانا کھانے کے بعد میڈم جب گڈ نائٹ کہہ کر اپنے کمرے میں جانے لگی تو دالان میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ باہر ایکدم کالی رات تھی اور ٹھنڈی ہوا تہہ در تہہ برف کی طرح جمی ہوئی تھی۔ ایک پل میں ہی اس نے پکا ارادہ کر لیا اور دبے قدموں سے میڈم کے پیچھے چل دیا۔ میڈم کا کمرہ تھوڑی ہی دور تھا۔ اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ دھیرے سے مسکرائی جیسے اسے یقین تھا کہ وہ اس کے پیچھے ضرور آئے گا۔ ''گڈ نائٹ کہہ کر وہ دروازہ بند کرنے لگی پرویز نے اپنے حوصلے کو مجتمع کرتے ہوئے دھیرے سے کہا'' کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کریں؟''

''نہیں باتیں صبح کریں گے مسٹر پرویز اب میں سونا چاہتی ہوں۔'' کہتے ہوئے اس نے ایک پٹ بند کر دیا۔ دوسرے پٹ پر پرویز نے اپنا ہاتھ رکھ دیا اور بولا'' میں نے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

''اس وقت نہیں سویرے۔''

''سنئے تو سہی میں۔''

''مسٹر پرویز اپنے آپ میں رہو۔'' اور دوسرا پٹ بھی بند ہو گیا۔

بازار میں کھڑے پرویز کو لگا کہ اس وقت بھی اسے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی ہے۔ بھیڑ بھرے بازار میں اس طرح اکیلے کھڑا رہنا بھی اسے عجیب لگا۔ بے دم ہوا سا وہ ایک طرف کو چل دیا اور بے لگام سوچیں پھر سے اس کے دل میں ہلچل پیدا کرنے لگیں۔

دو منٹ کے بعد میڈم کے کمرے کی بتی بجھ گئی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح وہاں کھڑا رہا اس نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ اسے اتنا بڑا دھکا برداشت کرنا پڑے گا۔ اچھا ہوتا اگر وہ زبردستی کمرے میں گھس

جاتا پھر جو ہوتا سو ہوتا اب بھی سویرے کیا ہوگا اسے معلوم نہیں تھا۔ لیکن صبح پھر کچھ نہیں ہوا ڈائنگ روم میں میڈم ناشتہ کرنے آئیں تو اس نے کانپتی آواز میں گڈ مارننگ کہا۔ میڈم نے اس طرح مسکرا کر جواب دیا جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی اور اگر ہوئی بھی تھی تو وہ اتنی اہم نہیں تھی کہ اسے یاد رکھا جاتا وہ بالکل نارمل ڈھنگ سے باتیں کرتی جا رہی تھی لیکن پرویز اب اس طرح آنکھیں نہیں ملا رہا تھا اور نہ ہی بات بات پر ہاں۔ ہاں جی یو آر رائٹ کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد دونوں اسکولوں کی انسپیکشن کرنے لے لئے نکل گئے۔

ان سوچوں میں پڑا پرویز منڈی پہنچ گیا۔ دور سے اسے وہ گلی نظر آئی جہاں آشالتا کا گھر ہے۔ کل رات وہاں اس نے روٹی کھائی تھی بیچاری انتظار ہی کرتی رہی ہوگی۔ بہتر ہوتا کہ وہ میڈم کے ساتھ نہیں جاتا۔ ایک بھرم تو بنا رہتا۔ آشالتا کے گھر کھانا کھانے کے بعد ضرور داؤ لگ جاتا۔ اس نے کتنی مشکلوں سے اس کا تبادلہ اس کے گاؤں کرایا ہے باتوں باتوں میں اس نے اشارہ بھی کیا تھا بدلے میں کچھ دینے کا۔

میڈم کی کہانی بھولنے کے لئے وہ آشالتا کے گھر کے سامنے آ پہنچا یہ سوچ کر کہ شاید وہ گاؤں نہ گئی ہو۔ لیکن باہر تالا لگا دیکھ کر اسے ناامیدی ہوئی۔ اندھیرے میں وہ چھوٹا سا مکان اسے ایک بہت بڑی کالی چٹان جیسا نظر آنے لگا جو اس کی نامرادی کا حساب نہیں لگا سکتا تھا۔

وہ واپس ہونے لگا لیکن اسے محسوس ہوا کہ اس کے دل میں ضد کی ایک چٹان ابھر رہی ہے کہ اگر اُسے آج کسی نسوانی جسم کا لمس میسر نہ آیا تو اس کے اندر کا تناؤ اس کا دم گھونٹ دے گا اس وقت اسے رانی کا خیال آیا جیسے اندھیرے میں دیا سلائی جلتی ہے۔ وہ جلدی جلدی آگے بڑھ گیا۔

دروازہ کھلا دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی مدہم مدہم روشنی میں اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ رانی کھاٹ پر پڑی نظر آئی۔ ماتھے پر دوپٹا بندھا تھا وہ سمجھ گیا کہ رانی بیمار ہے۔

اسے دیکھتے ہی رانی بدبدائی ''میں بیمار پڑی ہوں۔''

پرویز کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے بیٹھ جائے کھڑا رہے یا لوٹ جائے؟ بولے بھی تو کیا؟ وہ ایک پل رک گیا جیسے پیر جم گئے ہوں۔

''پانی پلا مجھے'' رانی بولی۔

ایک کونے میں رکھی بالٹی میں سے گلاس بھر کر وہ لے آیا اور رانی کے پاس بیٹھ گیا۔ رانی نے منہ کھولا پرویز نے اس کے سوکھے ہونٹوں کے ساتھ گلاس کا کنارا لگایا تو رانی نے چار پانچ گھونٹ پی کر منہ بند کر لیا۔ اس کے منہ سے جو بو آئی اس سے پرویز کو ابکائی سی آئی۔ اٹھتے ہوئے بولا ''میں چلتا

ہوں۔''

''ایک بات سن''

پرویز رک گیا اور غور سے اسے دیکھنے لگا رانی آہستہ سے بولی'' تیرا دوست کہاں ہے؟

''کون؟''

''چرن''

''وہ تو اسپتال میں پڑا ہے۔''

''کیا!'' رانی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پرویز نے جو سنا تھا وہ اسے بتا دیا۔ سن کر رانی بولی نہیں پرویز آہستہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا اس کے اندر ضد کی جو چٹان بنی تھی اب اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا اب وہ گھر جا کر سو جانا چاہتا تھا۔ چرن کے متعلق رانی نے جیسے پوچھا تھا اس سے اسے حیرانگی ہو رہی تھی۔ رانی کا جوش ایک طرف تھا یا چرن بھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

چھت سے لٹکے ہوئے بے حرکت پنکھے کو چرن ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہا تھا۔ وہ پہلی بار ایک پورا دن باہر رہا تھا۔ اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے اندر کا تناؤ گھٹ گیا ہے۔ گھنٹہ بھر پہلے باؤ جی اس کے لئے کھانا لے کر آئے تھے۔ مدت کے بعد اس نے باؤ جی کو اپنی بدلی ہوئی نارمل نظر سے دیکھا تھا۔ اسے سمجھ میں آیا کہ ماں کی طرح باؤ جی کو بھی اس کے زخمی ہونے پر دکھ ہوا ہے۔ لیکن وہ ان کے ساتھ کوئی بات نہیں کر سکا انہوں نے بھی بس اتنا ہی کہا'' ڈاکٹر تجھے کل گھر بھیج دیں گے۔''

گھر جانے والی بات سن کر اسے خوشی نہیں ہوئی۔

سارا دن لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ لوگ اس طرح ٹھٹ کے ٹھٹ باندھ کر آتے ہیں جیسے کوئی نئی منڈی کھلی ہو۔ ہر آدمی ہر زخمی لڑکے کے پاس جا کر ہمدردی جتاتا ہے اور سرکار کو دو چار گالیاں دے کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس سے پہلے چرن کو اپنا آپ اتنا اہم کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ اسٹیج پر ناٹک کھیلتے ہوئے سب کی نظریں اپنی طرف دیکھ کر بھی کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا تھا۔ اپنے آپ میں بھرا پورا ہونے کا ایک انجانا جذبہ اسے پہلی بار چھو رہا تھا۔

چھت پر سے نظریں ہٹا کر اچانک ہی سامنے دیکھا تو رانی کھڑی تھی۔ اسے یقین نہیں ہوا۔ وہ حیرانی سے بت بنا دیکھتا رہا۔ رانی مسکرائی۔ گالوں میں ویسے ہی گڈھے پڑے۔ تنگ پائنچوں والی سفید شلوار کینگری والی نیلی قمیض اور سفید کینگری دار دوپٹہ لیا ہوا تھا۔ وہ بلا کی خوب صورت نظر آ رہی تھی۔ لیکن کچھ کمزوری بھی تھی۔ مسکرا کر وہ آگے آئی۔ ''بیٹھ جاؤ۔'' چرن نے کہا۔ رانی اسٹول پر بیٹھ گئی۔

''یہ کیا ہوا؟'' رانی نے پوچھا۔ چرن کیا بتاتا۔ اس نے رانی سے پوچھا۔ ''تجھے کیسے بتا لگا؟''

''تیرے دوست نے بتایا۔''

''کس نے؟''

''نام نہیں معلوم۔ وہی جس کے ساتھ تو آیا تھا۔''

''اوہ پرویز۔ کب آیا تھا وہ؟''

''کل رات میں بخار سے تپ رہی تھی جب وہ آیا۔ بے ہوش سی پڑی تھی۔ اس لئے وہ جلدی ہی لوٹ گیا۔''

''کیا ہوا تجھے؟''

''بخار تھا۔''

''کب سے؟''

''کل سے۔''

''پرسوں تو نہیں تھا۔'' چرن کے منہ سے نکلا تو کانوں کو ایسا محسوس ہوا جیسے پرسوں سے آج تک ایک عرصہ دراز گذر چکا ہے۔ اسے یاد آیا جب اس نے رانی سے اس کا نام پوچھا تھا۔ پھر اسے ٹھیکدار کی کار میں بیٹھتے دیکھا تھا۔ وہ ساری رات سو نہیں سکا تھا۔ دشینت نے کہا تھا بغاوت۔ بغاوت اور پھر سر پر پڑتی لاٹھی۔ ''تو بھی لیڈر ہے کیا؟'' رانی پوچھنے لگی۔ چرن ہنس دیا۔ کچھ کہہ نہیں سکا۔ ''بڑا شوق تھا سر پھٹوانے کا۔ کیا ضرورت تھی جلوس میں آگے آگے ہونے کی؟'' چرن کے ہونٹوں پر سے مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ وہ بڑے غور سے رانی کی طرف دیکھنے لگا اور اندازہ لگانے لگا کہ رانی کس حق سے یہ گلہ شکوہ بھری نصیحت کر رہی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے۔

''تیری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو تو یہاں کیوں آئی؟'' چرن نے پوچھا۔

''تجھے دیکھنے کے لئے۔'' یہ کہہ کر رانی نے نظریں جھکا لیں۔

''تجھے تو اب بھی بخار لگتا ہے۔'' چرن نے اس کا ہاتھ چھوتے ہوئے کہا۔ رانی نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اسے اس طرح شرماتے دیکھ کر چرن مسکرانے لگا۔ اس وقت وہ رانی کا ایک نیا ہی روپ دیکھ رہا تھا۔ اچانک ہی اس کا من ہوا کہ رانی کے ناک میں پڑی جھلمل کرتی تیلی ہاتھ بڑھا کر نکال لے۔ رانی کی طرف دیکھتے ہوئے وہ اس کی عمر کا اندازہ لگانے لگا۔ پھر سوچنے لگا۔ ایسے روپ ایسی خوب صورتی کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔

''میں جاتی ہوں۔'' رانی کھڑی ہوگئی۔ ''چار بجنے والے ہیں تیرے گھر والے آتے ہوں گے۔''

''تو چار بجے سے پہلے اندر کیسے آئی؟''

''ایک نرس میری سہیلی ہے اس کے ذریعہ۔'' پھر رانی اک قدم بڑھا کر اور بھی پاس آ گئی اور بولی ''اور کتنے دن رہنا پڑے گا؟''

''کل تک۔''

''کب آئے گا۔''

چرن اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''ہاں آؤں گا۔''

''ضرور آنا'' یہ کہہ کر رانی دروازے کی طرف چل دی۔ چرن اسے تب تک دیکھتا رہا جب تک وہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سوچنے لگا کہ اس نے کوئی سپنا تو نہیں دیکھا۔ بھلا رانی اسے دیکھنے اس کا حال پوچھنے آئے گی؟ اسی وقت کانوں میں آواز آئی'' جواب نہیں میرے یار کا۔ مان گئے استاد مان گئے۔'' چرن نے دیکھا پرویز سامنے کھڑا تھا۔ اسٹول پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''دو دن میں ہی کیا چکر چلا لیا تو نے؟''

تو ہی اسے بتا آیا تھا کہ میں اسپتال میں ہوں۔''

''ہاں میں نے ہی بتایا تھا۔ رات میں اس کے گھر گیا تھا تو اسے بخار چڑھا ہوا تھا۔ بڑی بری حالت تھی بے چاری کی۔ کوئی پانی پلانے والا بھی نہیں تھا۔ جب اس نے تیرے بارے میں پوچھا تو میری سمجھ نہیں آیا کہ کیوں پوچھ رہی ہے۔''

''میں بھی حیران ہوں کہ یہ یہاں تک کیسے پہنچ گئی۔ میں تو کوئی مالدار آسامی بھی نہیں۔''

''یہی تو خطرے کی نشانی ہے۔''

''خطرہ کیا ہوتا ہے۔ لیکن یار بڑی خوب صورت لگ رہی تھی۔''

''خوب صورت تو ہے ہی۔ ابھی اسپتال کے پھاٹک پر اسے دیکھ کر پہچاننا مشکل تھا۔ بالکل کسی اچھے گھر کی شریف عورت لگ رہی تھی۔''

پرویز کی بات سن کر چرن بولا۔ ''یار ایسی عورتیں کیا سچ ہی شریف نہیں ہوسکتیں؟''

''تو شرافت کے چکروں میں مت پڑ۔ تجھ پر مہربان تو ہو ہی گئی ہے۔ عیش کر۔''

''نہیں پرویز اب میں اس کے پاس کبھی نہیں جاؤں گا۔''

''کیوں؟''

''میں نے اپنی زندگی کا راستہ بدل لیا ہے۔ یہ لاٹھی جو میرے سر پر پڑی ہے اس نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ دشینت حوالات سے نکل کر ایک نئی سماج وادی پارٹی بنا رہا ہے میں اس میں شامل ہو کر کام کروں گا۔''

''لیکن الّو سماج واد تجھے کسی عورت کے پاس جانے سے تو نہیں روکتا۔''

چرن چپ ہو گیا۔ وہ بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ اسی وقت مدن اندر آیا اور آتے ہی شور مچانے لگا۔'' کانگریچولیشن۔ کانگریچولیشن۔''

چرن اور پرویز دونوں اس کی طرف دیکھنے لگے۔ مدن چرن کی کھاٹ پر بیٹھ کر بولا۔'' ابھی ابھی سیکرٹریٹ میں مسٹر راج دیو نے مجھے بتایا کہ تیری نوکری کا آڈر آ گیا ہے۔ آج ہی کیبنٹ کی میٹنگ ہوئی جس میں اسٹوڈینٹس ایجی ٹیشن کو بالکل ختم کر دینے کی ترکیبیں سوچی گئیں۔ سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا جائے گا کہ جتنے اسٹوڈنٹس زخمی ہوئے ہیں کسی نہ کسی طرح سرکاری پارٹی میں شامل کیا جائے گا۔ یا پھر انہیں نوکری دے دی جائے گی۔'' چرن نے اپنا سرہانا ذرا اونچا کرتے ہوئے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے وہ لوگ ہمیں خریدنا چاہتے ہیں۔'' مدن اور پرویز دونوں حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ چرن پھر سے بولا۔'' مجھے اب نوکری کی ضرورت نہیں۔ میں نے اب سماج وادی پارٹی میں کام کرنا ہے۔''

'' دیکھ چرن'' مدن کہنے لگا۔'' میں نے تجھے پہلے بھی کہا تھا۔ یہ تیرا راستہ نہیں ہے۔ ایک طرف تو تو گھر سے تنگ آیا ہوا ہے۔ دوسری طرف تو آدرش وادی جدوجہد کا اور بھوک ننگ کا راستہ اپنانا چاہتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ تیرے دماغ کے پیچ ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ ذرا سوچ اسپتال میں اگر تجھے گھر سے روٹی نہیں پہنچتی تو تو کیا کھاتا؟ غریب آدمی کبھی لیڈری نہیں کر سکتا یاد رکھنا۔'' چرن مدن کی طرف دیکھتا رہ گیا کیا جواب دیتا؟ مدن نے پھر سے بولنا شروع کیا۔'' تو اسے اپنی خوش قسمتی مان کہ تیرے سر پر ایک ایسی لاٹھی پڑی جس نے تیرے مستقبل کے بند دروازے کھول دیے۔ میں ایسی چار لاٹھیاں کھانے کو تیار ہوں۔ تو نے تو پرائم منسٹر کی کوٹھی کا گیٹ بھی نہیں دیکھا اور نوکری کا آرڈر پاس ہو گیا۔ میرے پانچ بوٹ گھس چکے ہیں وہاں کے چکر لگا لگا کر۔ یہ چھٹا بوٹ ہے اور تھوڑے دنوں بعد جب میں سری نگر جاؤں گا تو ساتواں بھی خریدنا پڑے گا۔'' سن کر پرویز نے قہقہ لگایا۔ چرن ہنس نہیں سکا۔ مدن کی باتوں نے اسے ایک دم اندر تک جھنجھوڑ دیا تھا۔

پرویز نے کہا۔'' میں تو اب تم دونوں کی باتوں سے سمجھ گیا ہوں کہ اصلی معاملہ کیا ہے۔ چرن تو اپنی عقل کہیں گروی رکھ آیا ہے کیا؟ تیری نوکری ملنے کا کوئی سلسلہ بنا ہے تو تیرے اوپر لیڈر بنے

کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔ بے وقوف! اگر تو نے یہ چانس گنوا دیا تو ساری عمر خاک چھانتا پھرے گا۔''

''تم تو میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔''

''پیچھے نہیں پڑیں گے بھلا؟'' مدن بولا۔ اگر تجھے جوتے مار مار کر سیدھا کرنا پڑا تو وہ بھی کریں گے۔''

پرویز ہنس کر کہنے لگا ''آج تیری خوش قسمتی کا دن ہے۔ چھوکری بھی۔ نوکری بھی۔'' مدن منہ کھول کر پرویز کی طرف دیکھنے لگا۔ پرویز نے اسے آنکھ مار کر رانی کی بات سنانی شروع کی لیکن چرن چھت سے لٹکے بے حرکت پنکھے کی طرف دیکھتے دیکھتے اپنی سوچوں میں پڑ گیا۔ نوکری کرنے نہ کرنے کے تذبذب میں اس کا دل گھبرانے لگا۔ اسے لگا جیسے وہ ایک جنگل میں گم ہو گیا ہے۔ جس میں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مدن اور پرویز کس وقت چلے گئے تو شی چینچل اور ماں کس وقت آئیں اور کس وقت گئیں اسے کوئی پتا نہیں۔ رات بھی دیر تک اس کی آنکھ نہیں لگی۔ نوکری ملے گی یا نہیں؟ اگر ملے گی تو وہ کرے گا یا نہیں؟ کرے گا تو کیوں؟ نہیں کرے گا تو کیوں نہیں؟ ان سوالوں اور دلیلوں میں الجھا رہا، اسے کوئی راہ نہیں مل رہی تھی۔

☆

منہ پر مہاسے نکل آئیں تو آدمی کتنا بدشکل ہو جاتا ہے۔ چرن سوچ رہا تھا اور پانڈس کی چکنی کریم مہاسوں پر ملتا جا رہا تھا۔ پتہ نہیں اتنے مہاسے ایکدم ہی کیسے نکلنے شروع ہو گئے ہیں۔ ایک داغ ابھی مٹا نہیں کہ دو اور نکل آتے ہیں۔ کوئی کوئی کیل تو اتنا سخت ہے کہ ہر وقت درد کی سوئی چبھتی رہتی ہے۔

کچھ ایسی ہی چبھن اسے اپنے دل میں بھی محسوس ہوتی رہی ہے جب اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی تین مہینے پہلے حالات سے سمجھوتا کر کے نوکری کر لی تھی۔ لوگوں کی دلیلوں کا جواب اس کے پاس نہیں تھا دم گھٹنے والے ماحول میں سے نکلنے کے لئے ضروری تھا اپنے پیروں پر کھڑا ہونا۔ اپنی مالی حالت بہتر بنائے بغیر وہ کام نہیں ہو سکتے تھے جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ بغاوت کرنے کے لئے بھی تو ضروری تھا زندہ رہنا اور وہ زندہ رہنے کے لئے روٹی کا سلسلہ ضروری تھا۔

حیرانی کی بات تھی کہ وہ گھر جو اس کے لئے زہر بن گیا تھا جس سے دور بھاگنے کے لئے اس نے نوکری کی تھی وہی گھر نوکری لگتے ہی اس کا اپنا ہو گیا۔ اب باؤ جی تیوری نہیں چڑھاتے تھے ماں دل ہی دل میں سلگتی نہیں تھی۔ تو شی بات بات پر اور کئی بار بنا کسی بات کے ہنس دیتی تھی۔ برتن مانجھنے والی بے بو اور دودھ دینے کے لئے آنے والا بھی اب اسے چرن جی کہہ کر بلاتے تھے۔

"چرن بیٹے تمہاری روٹی لگائی ہوئی ہے۔" ماں کی پکار تھی۔

"آیا ماں" اس نے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے نو بج چکے تھے۔ وہ جلدی جلدی جرابیں پہننے لگا۔

یہ جرابیں اسے ماں نے دی تھیں۔ ماں کے لئے باؤجی لائے تھے دو تین مہینے پہلے یہ سوچ کر کہ بھری سردیوں میں جرابوں کا ایک جوڑا تو ہونا ضروری ہے۔ لیکن ماں نے سنبھال کر رکھ دیا پہلے دن جب وہ نوکری پر جارہا تھا ماں نے اندر سے نکال کر اسے دے دیا۔

بوٹ پہننے کے بعد وہ ایک دم تیار ہوا باہر نکلا۔ باؤجی پیڑھے پر بیٹھے روٹی کھا رہے تھے۔ اس کے لئے دہلیز کے پاس ایک کرسی اور ایک اسٹول پڑا ہوا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ ساوتری نے تھالی پکڑائی۔ یہ تھالی باؤجی کی تھالی کے برابر تھی۔ روٹی کھاتے کھاتے لالا ہردیال نے کہا۔" تمہارے دفتر میں جو ہیڈ کلرک کی پوسٹ خالی ہوئی تھی اس کا کیا بنا؟"

"ابھی کسی کی سفارش نہیں آئی اس لئے خالی ہے۔" چرن نے جواب دیا۔ اور روٹی کھانے لگا۔

"تم کیوں نہیں کوشش کر دیکھتے؟"

"میں اگر یہاں لگا ہوں تو بھی بڑی بات ہے میرے آنے کے سبب ویسے ہی سب جل بھن گئے ہیں۔ باؤجی آپ کو پتہ نہیں اس دفتر میں کتا کتے کا بیری ہے۔"

"سبھی دفتروں میں یہی رونا دھونا ہے۔"

"پہلے بھی یہی سب کچھ ہوتا تھا۔"

"ہوتا تھا لیکن اتنا نہیں۔ لوک راج میں کچھ زیادہ ہی آپا دھاپی ہے۔"

باپ بیٹے کو اس طرح باتیں کرتے دیکھ کر ساوتری کا دل خوش ہو رہا تھا۔ چرن کی نوکری کیا لگی وہ اپنی ساری پریشانیاں سارے دکھ بھول گئی۔ اب اسے کسی بات کی کوئی شکایت نہیں تھی۔

توشی کھانا کھانے بیٹھی تو چرن اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اسے معلوم تھا کہ توشی دو منٹ بھی نہیں لگاتی روٹی کھانے میں۔ وہ توشی سے پہلے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ جلدی جلدی ہاتھ دھو کر باہر آیا۔ چنچل اپنی کھڑکی میں جیسے اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ چنچل کے ہاتھ میں وہ سویٹر بن کر دکھانے لگی۔ پھر سویٹر کو اپنے سے تھوڑا دور ہٹا کر دیکھنے لگی جیسے بتا رہی ہو دیکھو اتنا بن گیا ہے۔ چرن نے دیکھا کل سے دو چپے زیادہ تھا۔ اتنی دیر میں توشی بھی آ پہنچی بولی۔" بھیا تمہاری کویتا پوری ہوئی کہ نہیں؟"

"ہونے والی ہے۔ پوری کر کے سناؤں گا۔"

چنچل باہر آ گئی۔ دونوں جانے لگیں تو توشی نے مڑ کر کہا۔ ''کل نئی پکچر لگی ہے۔ میں نے اور چنچل نے ضرور دیکھنی ہے۔ چرن ہنسا جس کا مطلب تھا۔ ضرور دیکھنا میں تمہیں پیسے دوں گا۔

گلی کا موڑ مڑتے ہوئے چنچل نے جن گہری نظروں سے چرن کو دیکھا ان میں ہی ڈوبتا تیرتا وہ کتنی دیر وہاں کھڑا رہا۔

راستے میں اس نے بھلے کی دکان سے پان کھایا سگرٹ کی ڈبی لے کر جیب میں ڈالی۔ چبوترے کے راستے جب وہ منڈی میں اپنے دفتر پہنچا تو دس بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ دفتر کے باہر بڑی بھیڑ تھی۔ سارے شہر کے صفائی کرمچاری جمع ہو کر ہڑتال کی دھمکی دے رہے تھے۔ بڑے دنوں سے یہ ہنگامہ ہو رہا تھا۔ چرن جیسے تیسے ان کے بیچ میں سے گذر گیا۔

جس کمرے میں وہ بیٹھتا تھا وہ بالکل پیچھے تھا۔ اندھیرا ابھی تھا اس میں اور اس لئے لائیٹ جلا کر رکھنی پڑتی تھی۔ ہیڈ کلرک کو نمستے کر کے وہ اپنے کمرے میں گیا۔ جنڈیال آ کر بیٹھ گیا اور وزیر بیلی رام ابھی آنے والا تھا۔ ''نمستے جنرل پال صاحب' چرن نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''نمستے مہاراج! کیا حال ہے؟''

''آج پھر بھنگیوں نے شور شرابہ ڈالا ہوا ہے؟'' کہتے ہوئے چرن نے سگرٹ کی ڈبی نکالی۔

''تو میونسپلٹی کا دفتر ہے جی۔ اس کے سامنے کوئی نہ کوئی ایجی ٹیشن ہوتی ہی رہتی ہے۔''

چرن نے ایک سگرٹ جنڈیال کو پیش کیا اور ایک خود سلگایا۔ روز دفتر آ کر وہ سب سے پہلے سگرٹ ہی پیتا ہے جیسے خود کو کام کرنے کے لئے تیار کرتا ہو۔ لیکن ان دفتروں میں کام ہی نہیں ہوتا اور سب کچھ ہوتا ہے سامنے پڑی ہوئی فائل ابھی اور بہت دن ایسے ہی پڑی رہ سکتی ہے۔ شروع شروع میں اس نے کوشش کی تھی باقائدہ کام کرنے کی تو جنڈیال نے اس کے پاس آ کر کہا تھا۔ بھئی چرن صاحب آپ نے کیا سمجھا ہے کہ یہ کوئی فوجی دفتر ہے؟ مہاراج آپ کی یہ پہلی ملازمت ہے آپ کو سمجھانا ہمارا فرض ہے۔ اس طرح کام کر کے کیوں اپنی جان نکالتے ہو۔ نئے نئے آئے ہو کچھ دیکھو سنو یہاں کے طور طریقے سمجھو۔ اپنے نازک ہاتھوں پیروں کو اتنی تکلیف نہ دو۔''

چرن سمجھ گیا یہاں کام کوئی نہیں کرتا سب اپنے کندھے سے کوے اڑاتے ہیں۔ یہاں کام کرنے کا مطلب ہے سب کو اپنا دشمن بنالینا۔ کچھ دن وہ انہیں دیکھتا رہا اور پھر خود بھی ان جیسا ہو گیا۔

''جے دیا مہاراج۔'' وزیر بیلی رام آ پہنچا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے جیب سے بیڑی نکال کر سلگائی۔

کیا شور شر پڑا ہے باہر۔ اندر آنا بھی مشکل ہے۔ جتنی دیر شور مچتا رہا تینوں گپ بازی کرتے

رہے اور سگرٹ اور بیڑیاں پھونکتے رہے۔ کوئی بارہ بجے یہ ہنگامہ ختم ہوا تو چرن نے سامنے پڑی فائل اٹھائی۔ اس نے کل بھی اسے اٹھایا تھا لیکن کیا کچھ نہیں تھا۔ فائل کے اندر لگی ہوئی پہلی ہی درخواست میں کسی نے لکھا تھا کہ ''کٹھیکیں دے تلا'' جگہ جگہ کوڑے کے ڈھیر لگے ہیں ان کا کچھ علاج کیا جائے۔ نیچے بہت سے محلہ داروں کے دستخط تھے۔ کٹھیکیوں کے تالاب کا نام پڑھ کر چرن کی آنکھوں کے سامنے رانی کا چہرہ آ گیا۔ اسپتال میں رانی نے پوچھا تھا۔ کبھی آؤ گے؟'' ہاں'' اس نے جواب دیا تھا۔ لیکن وہ پھر وہاں کبھی نہیں گیا۔ ایک بار وہ اسے بازار میں نظر آئی تھی۔ رانی نے بھی اسے دور سے دیکھ لیا تھا۔ وہ کھڑی ہوگئی تھی اس کا انتظار کرنے لگی تھی لیکن چرن فوراً دوسری گلی میں بڑھ گیا تھا وہ جب اسپتال آئی تھی کتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے گلابی گالوں کے ہنستے گڈھے اسے یاد آئے۔ ہاتھوں میں فائل لئے وہ کتنی ہی دیر رانی کی یادوں میں ڈوبا رہا۔

''کن سوچوں میں پڑے ہو چرن صاحب'' پرویز کھڑا تھا۔ ہونٹ ہنستے ہوئے گال کھلے ہوئے آنکھوں میں، چمک صاف نظر آ رہا تھا کہ قلعہ جیت لیا ہے۔'' کب آئے؟'' چرن نے پوچھا۔

''ابھی۔''

''بیٹھ جاؤ۔''

''نہیں تم آؤ تھوڑی دیر کے لئے باہر۔''

چرن اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں منڈی کی ڈیوڑھی میں ایک طرف کھڑے ہو گئے۔'' تمہیں تو دیکھتے ہی معلوم ہو گیا کہ میدان مار لیا ہے۔'' چرن بولا پرویز نے اس کے گلے میں بانہہ ڈالتے ہوئے کہا۔ میدان تو مارا لیکن یہ پوچھو کہ کس طرح مارا۔ ادھر آؤ۔ پھر وہ اسے اور آگے ایک گوشے میں لے گیا اور بولا'' میڈم جتنے نخرے کرتی تھی اس کی حقدار تھی۔ یار جس کے پاس جیسا مال ہوگا اس پر ویسا ہی غرور بھی کرے گا۔ میں بتا نہیں سکتا کہ اس کے پاس کیا ہے۔ بھرا پرا خزانہ ملا ہے مجھے۔ زندگی میں پہلی بار وہ جھولے لیے کہ سارا آسمان ہی میرے بازؤں میں آ گیا۔'' پرویز کی باتیں سنتے ہوئے چرن ٹکر ٹکر اسے دیکھتا جا رہا تھا۔'' چرن یار ہمیں تو آج تک کئی پوشیدہ باتوں کا پتہ ہی نہیں تھا۔ یہ بھی لامحدود علم ہے بھئی ماننا پڑے گا۔ کیا بتاؤں کیا کیا نظارہ دیکھا۔ خواب تھا یا حقیقت۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

پرویز کی باتیں سن کر چرن کو لگا کہ اس کی روگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی ہے۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ پرویز آخر یہ کہہ کر چلا گیا۔'' تجھے سنائے بغیر مجھے دفتر میں بیٹھا نہیں جاتا تھا۔ اچھا اب شام کو ملیں گے۔'' چرن دل کے اندر ایک جلن سی محسوس کرتا اپنے دفتر میں آ کر بیٹھ گیا۔ لیکن بہت دیر

تک موڈ ہی نہیں ہوا کہ فائل اٹھا کر دیکھے۔ جب فائل اٹھائی تو پھر سے کھٹیکوں کے تالاب والی درخواست سامنے آ گئی۔ رانی کا چہرہ صاف نظر آنے لگا۔ اسے محسوس ہوا کہ پرویز کو جس جادونگری میں میڈم لے گئی تھی وہ رانی کے ساتھ وہاں پہنچ گیا ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگی۔ ہوش تب آیا جب جنڈیال کی آواز کانوں میں پڑی۔ ''بھئی چرن صاحب کیا بات ہے آج چائے وائے نہیں پینی کیا؟ ڈھائی بجنے والے ہیں۔ دینا ایک سگرٹ ادھر بھی۔ کش تو لگا لیں۔''

گوپال کو امید نہیں تھی کہ شکنتلا سچ مچ اس کے گھر آ جائے گی۔ آخری کلاس پڑھا کر جب وہ باہر نکلا تھا شکنتلا تیزی سے اس کے آگے آ کھڑی ہوئی تھی۔ ''سر رات میں نے ریڈیو پر آپ کا ناٹک سنا تھا۔ بڑا اچھا تھا۔''

''تھینک یو۔'' گوپال بولا۔

''سر میں نے بھی ایک ناٹک لکھا ہے۔''

''اچھا'' وہ خوش ہوا۔

''ہاں سر۔ میں وہ ناٹک آپ کو دکھانا چاہتی ہوں۔''

''کل لے آنا۔''

''نہیں سر۔ میں آپ کے گھر آؤں گی۔''

گوپال بڑے غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''آپ گھر کتنے بجے ملیں گے سر؟''

''میرا گھر تمہیں معلوم ہے؟''

''ہاں سر میں کتنی بار ادھر سے گذرتی ہوں۔ آپ کو ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے دیکھا ہے۔''

''جب مرضی ہو آ جانا میں تو گھر ہی پر ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا لیکن بہت دیر تک اس کے بارے میں ہی سوچتا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ شکنتلا فرنگی مل کی لڑکی ہے اور ٹھیکیدار فرنگی مل شہر کے جانے مانے لوگوں میں سے ایک ہیں۔ مدن نے بتایا تھا کہ آجکل ان کے منسٹر بننے کے چانس بھی ہیں۔ بے شک شکنتلا کے آنے کی امید نہیں تھی لیکن پھر بھی دو دن تک وہ اس کا انتظار کرتا رہا تھا۔ آج تیسرے دن اس نے ایک نیا ناٹک لکھنا شروع کیا تھا اور وہ بھول گیا تھا کہ شکنتلا نے آنے کے لئے کہا تھا۔ دروازہ کھلا تو بنا ادھر دیکھے ہی اسے جان پڑا کہ کوئی دروازے میں کھڑا ہے۔ آنکھیں اٹھائیں تو شکنتلا کو دیکھ حیران رہ گیا۔ اس کی نمستے کا جواب بھی نہیں دے سکا۔ وہ تھوڑا تھوڑا مسکرا رہی تھی۔ کالج میں پڑھنے والی شکنتلا اُسے کچھ الگ الگ نظر آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک بڑی سی کاپی تھی۔

''آ جاؤ۔'' گوپال کے منہ سے بڑی مشکل سے نکلا۔ وہ پاس آ کر کھڑی ہوگئی تو اس نے اسے دوسری کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ ''سر میں نے آپ کے لکھے سبھی ناٹک ریڈیو پر سنے ہیں۔ آپ کے ناٹک سن سن کر مجھے بھی لکھنے کی پریرنا ملی تو میں نے یہ ناٹک لکھا۔'' گوپال نے ہاتھ بڑھایا۔ شکنتلا نے کاپی دی۔ وہ ورق الٹنے پلٹنے لگا۔

''سر میں نے آپ سے ایک بات پوچھی تھی۔''

''کیا؟ ورق الٹتے پلٹتے بند کر کے گوپال اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''سر آپ اتنے اچھے ناٹک کیسے لکھ لیتے ہیں؟'' شکنتلا کا معصوم سوال سن کر گوپال ہنس دیا۔

''میں اتنے اچھے ناٹک تو نہیں لکھتا جتنا تم کہہ رہی ہو۔''

''آپ کی سوچ آپ کی کلپنا بڑی انوکھی ہے۔''

اپنے ناٹکوں کی اتنی تعریف سن کر گوپال کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ شکنتلا کے بات کرنے کا وہ ڈھنگ کچھ ایسا تھا کہ لفظ لفظ معصومیت اور سچائی میں ڈوبا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی طرف دیکھتے دیکھتے وہ سوچنے لگا کہ کتنی سندر ہے شکنتلا۔ گوپال کی سوچوں سے انجان شکنتلا پھر بولی۔ ''سر میرا ناٹک ضرور پڑھنا اگر ڈھنگ کا نہ ہو تو ہنسنا نہیں پھاڑ کر پھینک دینا۔'' کہکر وہ چلی گئی اور گوپال بہت دیر تک اس کا ناٹک ہاتھوں میں پکڑے اسی طرح چپ چاپ وہیں ہی بیٹھا رہا۔ ہوا کا ایک ایسا جھونکا اس کے کمرے میں سے گذر گیا تھا جو پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ چرن کی آواز سن کر وہ جیسے اپنے آپ میں لوٹا۔

''کس کے دھیان میں بیٹھے ہو پروفیسر صاحب؟'' کہتے ہوئے چرن اندر آیا تو اس کرسی پر بیٹھ گیا جہاں تھوڑی دیر پہلے شکنتلا بیٹھی ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں۔ ایسے ہی۔ آج ایک نیا ناٹک لکھنا شروع کیا تھا اس کے ایک سین میں پھنس کر رہ گیا۔ گوپال نے بات بناتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے ناٹک کو میز کی سب سے نیچے والی دراز میں رکھ دیا۔

''کچھ سنا؟'' چرن نے کہا۔

''کیا؟''

''پرویز نے میدان مار لیا۔''

''اچھا۔''

''ہاں مجھے اس نے خود سنایا اور سنا کر دل میں ہلچل مچا گیا۔'' پھر چرن نے گوپال کو وہ ساری

بات سنائی جو پرویز اسے سنا گیا تھا۔

گوپال بولا۔ ''سالا پرویز ہے بڑا خوش قسمت۔''

''اب ہم کیا کریں؟''

''کیوں۔ کیا ہوا تمہیں؟''

''سالا آگ لگا گیا اندر باہر۔''

''میں بتاؤں کیا کر؟''

''کیا؟''

''ریڈیو اسٹیشن چلتے ہیں پرسوں بیگم اختر کی میوزیکل کانفرنس ہو رہی ہے۔ اس کے پاس لانے ضروری ہیں۔''

چلو یہ ٹھیک ہے۔ مجھے بھی کچھ پاس چاہیے۔ ساتھ ہی میں سوچ رہا ہوں کہ کھجوریا کو ایک بار ہوٹل بلا کر کیوں نہ خوش کر دیں۔ سنا ہے وہ ڈراما پروڈیوسر بننے والا ہے۔''

''اب سیدھے راستے پڑے ہو تم۔'' گوپال نے کہا۔ چرن ہنستے ہوئے بولا۔ ''اب مجھے پیسے کی قیمت معلوم ہوئی ہے۔ پیسہ نہ ہو تو آدمی کی زندگی نرک بن جاتی ہے۔ میں نے یہ نرک اتنا بھوگا ہے کہ اب پیسے بغیر جینے کی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''جو باتیں تم آج کر رہے ہو میں نے ان کی اہمیت بچپن میں ہی جان لی تھی۔ چلو آؤ چلیں۔'' دونوں کمرہ بند کر کے نکل ئے۔

☆

پھاٹک پر رجسٹر میں اپنا نام لکھ کر دونوں بیگم کی حویلی میں جا پہنچے۔ جگندر ورما کا پتہ کیا تو کسی نے بتایا کہ کینٹین کی طرف ہیں۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ کینٹین کے پاس ہی ٹیبل ٹینس کا بڑا ٹیبل رکھا ہوا ہے اور جگندر ورما شام کمار گپتا اور شمع چاروں پنگ پانگ کھیلنے میں مصروف ہیں۔ آس پاس کھڑے ایس کھجوریا دیوان چند، دیوان کشن، چندشرما اور مصور حسین انہیں کھیلتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ گوپال اور چرن بھی ان میں جا شامل ہوئے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ سب اناڑی کھلاڑی ہیں۔

پھر بھی چرن کو یہ کھیل بڑا پسند آیا۔ گپتا کے کھیلنے کا اسٹائل اسے اچھا لگا۔ اس کا من ہوا کہ وہ بھی ایک بازی کھیلے۔ لیکن ابھی کھیلنے والوں کی باری ختم ہونے کو ہی تھی کہ درگا داس چپراسی نے گذرتے گذرتے بتایا کہ برگد کے پیڑ میں سے سانپ نکلا ہے۔ سب چوکنے ہو گئے اور کھیل چھوڑ کر حویلی کے آنگن میں برگد کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ وہاں سچ مچ جیسے کوئی تماشا ہو رہا تھا۔ برگد

کے نیچے بنے ہوئے ڈنگے کے پاس ایک جوگی کھڑا تھا۔ یہاں کے مالی نے عرض گذاری تھی اسٹیشن ڈائریکٹر کے سامنے کہ جوگی کو پیسے تو دینے ہی ہیں بین بجانے کے کیوں نہ برگد کے پیڑ سے ناگ نکلوالیا جائے۔ پرسوں اسی جگہ میوزیکل کانفرنس بھی ہونی ہے۔ مالی کی بات سن کر اسٹیشن ڈائرکٹر اور ڈر گئے۔ انہوں نے پوچھا۔ تمہیں کیسے پتہ ہے کہ وہاں ناگ ہے۔؟''

''مہاراج میں نے کئی بار اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' مالی نے جواب دیا۔ اسٹیشن ڈائرکٹر نے اسی وقت جوگی کو مالی کے ساتھ بھیج دیا ناگ نکالنے کے لئے۔ ریڈیو اسٹیشن کے سارے لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ سب کو سانپ دیکھنے کی پڑی تھی۔ لیکن دل میں خدشہ بھی تھا کہ پتہ نہیں سانپ وہاں ہے بھی کہ نہیں؟ اگر ہے تو سچ ہی نکل آئے گا یا نہیں؟ اگر نکلے گا تو کس طرف جائے گا۔ کہیں ادھر ہی تو نہیں آجائے گا؟ سبھی خوف بھرا جوش لیے کھڑے تھے۔ چرن بھی انہیں خدشوں میں پڑا آگے کی طرف جھکا کھڑا جوگی کو دیکھ رہا تھا۔

جوگی نے ڈنگے کے چاروں طرف چکر لگایا۔ پھر بین کو منہ سے لگا کہ پل بھر کے لیے کوئی سر نکالا اور پھر ڈنگے پر چڑھ کر سب کی طرف دیکھ کر بولا'' بھائیو! اس برگد میں ایک بہت بڑا پھن والا سانپ سمادھی لگا کر بیٹھا ہے۔ میں نے ابھی بین بجا کر اسے پکارا تھا۔ اس نے آگے ہو کر میری پکار کا جواب دیا لیکن آپ کو سنائی نہیں دیا ہوگا۔ آپ ذرا پیچھے پیچھے ہٹ جائیے۔ ناگ چوکنا ہو گیا ہے۔ باہر آنے ہی والا ہے۔''

ہر طرف خاموشی تھی۔ گوپال نے دھیرے سے چرن کے کان میں کہا۔'' بہت بڑا ایکٹر ہے سالا۔'' چرن نے بھی آہستہ سے جواب دیا۔'' آج کل کے لیڈروں سے بھی اچھی تقریر کر ڈالی۔''

ادھر جوگی ڈنگے سے نیچے اتر آیا۔ قدم کبھی آگے بڑھاتا کبھی پیچھے ہٹاتا پھر ایسے ہی آگے پیچھے ہوتے وہ سانپ کو پکارنے لگا۔ اوشنکر بھگوان کے چیلے میرے گرو بھائی چھوڑ اپنی سمادھی باہر آجا۔ ڈر نہیں میں تجھے وچن دیتا ہوں تیری زندگی پر ہاتھ نہیں ڈالوں گا۔ میں تیری جان کا دشمن نہیں۔ حوصلہ رکھ باہر آ۔ تجھے دودھ پلاؤں گا اور آخر دریا کنارے چھوڑ کر آؤں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے بین بجانی شروع کی۔ سب برگد کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کس طرف سے سانپ گردن نکالے گا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ اس وقت تو ایسا لگتا تھا جیسے برگد نے بھی اپنی سانس روک لی تھی۔ کوئی پتا بھی نہیں ہل رہا تھا۔ جوگی نے بین بجانی بند کی اور پھر سے ان دیکھے ناگ کو پکارنے لگا۔'' اوشنکر بھگوان کے چیلے میرے گرو بھائی دیر مت لگا تجھے دودھ پلاؤں گا دریا کنارے چھوڑ آؤں گا۔ شاید تو ان لوگوں سے جھجک رہا ہے۔ لے میں ہی آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر جوگی نے ایک طرف زمین پر پڑی ایک ٹہنی اٹھائی اور اسے

برگد کے نچلے حصے میں ایک طرف ڈالا۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے اسے کھینچا اور سب نے دیکھا اور سب دیکھنے والوں کے ہوش گم ہو گئے ایک کوبرا گردن اٹھائے باہر آرہا تھا۔

جوگی پھر سے بین بجانے لگا۔ ناگ ڈنگے سے نیچے اتر آیا تھا اور بین کے سروں پر مست ہوکر گردن ہلا رہا تھا۔ اب جوگی اسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ بین بجانی بند کر کے وہ دھیرے دھیرے بین کو ہلاتا رہا ناگ بین کے ساتھ ساتھ اپنی گردن ہلا رہا تھا۔ جوگی نے دھیرے دھیرے بین کھینچ لی۔ ناگ اپنا پھن کھولے بت سا بن گیا۔ جوگی نے بین ایک طرف رکھی اور ایک ہاتھ میں ایک چھڑی لے کر ناگ کو تھوڑا چھیڑا ناگ پہلے تو سہم کر سمٹا پھر اس نے اپنی کنڈلی کھول دی اور لمبا ہوکر ایک طرف کو چل دیا۔ جوگی نے اس کے سر پر چھڑی رکھ کر اسے دم سے پکڑ لیا۔ ناگ دم کی طرف مڑا لیکن جوگی نے جھٹ اسے چھڑی سے دبا دیا۔ جوگی نے اس کی دم اوپر اٹھائی تو ناگ سارا ہی اوپر اٹھ گیا۔ وہ ہوا میں اسطرح لہرا رہا تھا جیسے بڑی لمبی ناؤ پانی میں ہچکولے کھاتی ہے۔ جوگی نے پھر سے چھڑی سے اس کی گردن دبائی اور آخر اسے دبوچ لیا۔ دیکھنے والوں کی جان میں جان آئی اور بھیڑ تتر بتر ہونے لگی۔

گوپال نے چرن سے کہا۔ ''بھئی کمال ہے آج تک بس سنا ہی تھا کہ سانپ ایسے پکڑتے ہیں۔'' چرن بولا۔ ''ان کے پاس کئی منتر ہوتے ہیں۔ لیکن سالا ایکٹر زبردست تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی۔ گوپال نے کہا۔ ''میں سوچ رہا ہوں کہ اگر آج اس سانپ کو پکڑا نہیں گیا ہوتا تو پرسوں جو میوزیکل کانفرنس ہونی ہے اس میں کوئی آرٹسٹ ایسے ہی بین بجاتا اور سارے لوگوں کے سامنے یہ سانپ چپ چاپ برگد سے نکل آتا تو کیا ہوتا؟'' خود ہی بات کر کے گوپال ہنس دیا اور ساتھ ہی چرن بھی۔ اسی وقت کھجوریا کو پاس سے گذرتے دیکھ کر گوپال نے آواز دی ''کھجوریا صاحب کیا حال ہے؟''

''اچھا ہے آپ سناؤ؟ کہتے ہوئے کھجوریا پاس آ کھڑا ہوا۔'' آپ سے بات کرنی تھی۔ '' کہہ کر گوپال اسے ایک طرف لے گیا۔'' چرن آج اپنے کچھ دوستوں کو ہوٹل میں پارٹی دے رہا ہے۔ صاحب کے پاس کچھ ٹائم ہو تو ضرور آئیے۔''

''ضرور ضرور۔'' کھجوریا بولا۔ اچھا ہوا جو آپ دونوں آ گئے۔ سیکشن کے ہیکس مجھے کہہ رہے تھے کہ ایک دو انٹیلجنٹ لوگوں کو بلاؤ۔ ایک ڈکشن کا پروگرام ہے۔ اگر آپ تھوڑی دیر انتظار کریں تو کانٹریکٹ پر سائن کر کے ہی جائیں۔'' کھجوریا چلا گیا تو گوپال نے چرن کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ''لو پارٹی سے پہلے کام بن گیا تمہارا۔''

دیہاتی بھائیوں کا پروگرام ڈراما سیکشن بال جگت اور ناری سنسار کی سیر کرتے دو گھنٹے گذر گئے۔ سب جگہ گوپال اور چرن کوئی نہ کوئی بات بنا کر نکلے۔ پھر انہوں نے میوزک سیکشن میں جا کر کانفرنس کے پاس لیے۔ جب وہ ٹاک سیکشن میں پہنچے جہاں کھجوریا ان کا انتظار کر رہا تھا تو چھ بجنے والے تھے۔ کھجوریا نے دونوں کے آگے کانٹریکٹ فارم رکھے۔ موضوع تھا'' طالب علموں کو سیاست میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں؟'' دونوں نے فارم پر دستخط کر کے دے دیئے۔ پروگرام کی ریکارڈنگ دوسرے دن شام کو تھی۔ دونوں جب ریڈیو اسٹیشن سے باہر نکل رہے تھے تو گوپال بولا۔ کل تیار ہو کر آنا پڑے گا۔ تم کس پہلو کی تیاری کر کے آؤ گے؟'' چرن نے جواب دیا۔'' میں تو کہوں گا کہ طالب علموں کو سیاست میں ضرور حصہ لینا چاہیے۔'' گوپال کھڑا ہو گیا۔ غور سے چرن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔'' میں سمجھا تھا تمہیں عقل آ گئی ہے لیکن تمہارے تو وہی ڈھاک کے تین پات ہیں۔''

'' میں اس بحث میں تب ہی حصہ لے سکتا ہوں اگر اپنے دل کی بات کہہ سکوں۔''

'' تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ تم سرکاری نوکر ہو۔ تمہیں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جس سے تمہاری طرف کوئی انگلی اٹھا سکے۔''

'' میں کھجوریا کو کہہ دوں گا کہ میں اس بحث میں حصہ نہیں لے سکتا۔''

'' اگر تمہیں اپنے ان ہی اصولوں پر قائم رہنا ہے تو پھر تم پیسہ کیسے کما سکتے ہو؟ تم خود ہی تو کہہ رہے تھے کہ بغیر پیسے کے یہ زندگی کی نرک ہے۔''

چرن کوئی جواب نہیں دے سکا۔ گوپال نے پھر کہنا شروع کیا۔

'' تمہیں یا تو ادھر ہونا پڑے گا یا ادھر۔ تم نے دینو بھائی پنت کی کویتا نہیں سنی۔ آڑیل پیڑا۔ (اڑیل بیل) تمہارے وہی حال ہے۔ ایک طرف آنا پڑے گا تمہیں۔ اب تمہیں ہر وہ بات کرنی چاہئے جس سے تم اپنی زندگی سنوار سکو۔ اصل میں تمہارے دل میں بغاوت کا سانپ بیٹھا ہوا ہے۔ میرا کہا مانو اور اسے سمجھداری کی بین بجا کر پکڑ لو اور پٹارے میں بند کر کے دریا کنارے جا کر چھوڑ آؤ۔'' چرن سے کچھ بولا نہیں گیا۔ دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ گوپال کی باتوں نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔ پرانی منڈی کی ڈھکی اتر کر دونوں سٹی چوک پہنچے تو سامنے مدن اور پرویز کھڑے تھے۔ مدن بولا۔

'' آج تو ہر طرف سے خوش خبریاں سننے کو مل رہی ہیں۔''

'' تمہاری نوکری کا آرڈر مل گیا لگتا ہے۔'' گوپال نے کہا۔

'' آرڈر نکلنے کا آڈر ہو گیا ہے۔'' مدن نے بتایا۔'' پرائم منسٹر نے چیف سیکرٹری کو کچھ دیا ہے۔ چیف سیکرٹری نے میرے ساتھ دو دن کا وعدہ کیا ہے لیکن مجھے اس حرام زادے کی کارستانیوں کا

علم ہے وہ کوئی پندرہ دن لگائے گا آرڈر نکالنے میں بھی تب اگر میں اس کے پیچھے پیچھے گھومتا رہا اور ساتھ ساتھ پرائم منسٹر صاحب کو پوری رپورٹ دیتا رہا تب۔''

سبھی مدن کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے ہنسنے لگے۔ گوپال بولا۔'' تمہارا کام اب کوئی نہیں روک سکتا۔ میں لکھ کر تمہیں دیتا ہوں دس دن کے اندر تمہاری نوکری کے آڈر نکل جائیں گے۔''

'' یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ مدن نے پوچھا۔

'' بھئی چیف سیکرٹری کو دو دن میں معلوم پڑ جائے گا کہ تمہاری ہستی کیا ہے۔''

سب پھر سے ہنس دیئے۔ چرن بولا۔'' ادھر پرویز نے منزل مار لی ادھر تم نے۔ آج ہوٹل کا پروگرام بن جانا چاہئے۔ اسی لیے تو تمہارا انتظار کر رہے تھے ہم۔'' پرویز بولا۔ لیکن ابھی تو سات بھی نہیں بجے۔''

'' چلو ایک ایک کپ چائے کا پیتے ہیں۔'' مدن نے تجویز پیش کی اور چاروں بھارت ٹی اسٹال جا پہنچے۔

وہاں محفل پورے رنگ پر تھی۔ سوہن سنگھ اجاگر اونچے اونچے اردو کا شعر پڑھ رہا تھا۔'' زندگی چاندسی عورت کے سوا کچھ بھی نہیں۔'' کامریڈ ارجن چیخ پڑا۔'' سب بکواس ہے۔ خرافات ہے۔ اس انقلابی دور میں عورت کی کوئی اہمیت نہیں۔ آج زندگی خود ایک بیمار عورت کی طرح ہے۔ اس کا علاج کیا جانا چاہئے۔ آج اسے پیار کی نہیں دوا دارو کی ضرورت ہے۔'' اپنے آپ تالیاں بج اٹھیں۔ گوپال نے سب سے زیادہ داد دی۔'' واہ کامریڈ واہ! تم نے اجاگر صاحب کی بات کا جواب نہیں دیا ایک خوب صورت نظم پڑھی ہے۔ یہ نظم تمہاری کتاب میں ضرور چھپنی چاہئے۔ مجھے ابھی لکھ کر دے دو۔ میں کل ہی پریس میں دے دوں گا ابھی اس کا آخری فرما چھپنا باقی ہے۔''

اجاگر کو محسوس ہوا کہ وہ کچھ ہلکا پڑ گیا ہے۔ اپنے آپ میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولا۔'' تم سب کو سیاست کا کینسر ہو گیا ہے۔ اسی لیے تمہیں زندگی بھی بیمار محسوس ہوتی ہے۔ تم زندگی کی اور شعر و ادب کی صحت مند قدروں کو بھول چکے ہو۔ سب سے پہلے تمہیں اپنا علاج کرنا چاہئے۔''

چرن سے رہا نہیں گیا۔ اچانک ہی بول پڑا۔'' اجاگر صاحب زندگی اور شعر و ادب کے لیے سیاست کی لڑائی بہت ضروری ہے۔ لیکن میں آپ کی اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ سیاست کی لڑائی لڑتے لڑتے ہمیں چاہئے کہ ہم صحت مند قدروں کو نہ بھول جائیں۔''

'' یہ تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ ایک لاٹھی کھانے کے بہانے تم نے اپنے لیے نوکری لپک لی۔

دوسروں کی آگ میں لوگ ایسے ہی اپنے ہاتھ سینکتے ہیں۔" ارجن کی بات اتنی زہریلی۔ تیر اتنا پینا تھا کہ سیدھا چرن کے کلیجے میں جالگا۔ پل بھر کے لئے تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی رگوں میں بہتا خون جم گیا ہے۔ اتنے لوگوں کے بیچ جیسے کسی نے اسے ننگا کر دیا تھا۔ سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ مدن سے یہ خاموشی برداشت نہیں ہوئی۔ کڑکتی آواز میں بولا۔" کامریڈ دوسروں پر تنقید کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر ضرور دیکھ لینا چاہئے۔ سیاست کا جو کھیل تم جیسے ٹٹ پونجیے کھیل رہے ہیں وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ لوگوں کے چھوٹے موٹے کام کرا کرا اُن سے تم نے جو پیسے انیٹھے ہیں ان کا بھی کوئی حساب تمہارے پاس ہے یا نہیں؟"

"تم بکواس کر رہے ہو۔" ارجن چلایا۔

"میں بکواس نہیں کر رہا تمہیں تمہاری اصلیت بتا رہا ہوں۔ تمہاری سڑی ہوئی نظموں کی جو کتاب چھپ رہی ہے اس کا راز بھی۔" گوپال نے جھٹ ٹوکا۔" یہ کون سی بحث میں پھنس گئے ہو تم؟ چھوڑو اب یہ بیکار کی باتیں۔ چلو چلیں۔ پرویز اٹھو۔ آؤ چرن نہیں تو دیر ہو جائے گی۔" بات کا ملیدہ تو ہو ہی چکا تھا۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن اٹھتے اٹھتے چرن کو محسوس ہوا جیسے اس میں کھڑے ہونے کی بھی سکت نہیں رہی۔

☆

ٹی اسٹال کے باہر آ کر چاروں کاسمو ہوٹل کی طرف چل دیئے۔ گرمی کے آثار ابھی بھی ان کے چہروں پر تھے۔ مدن کہہ رہا تھا۔" یہ سالا کامریڈ بڑا ہی کمینہ آدمی ہے۔" پرویز بولا۔" اسے کامریڈ کہنا کامریڈ لفظ کی توہین ہے۔"

"ایسے بدذاتوں کو منہ ہی کیوں لگانا۔" کہتے ہوئے گوپال سوچ رہا تھا۔ شکر ہے اس کی کتاب چھپنے والی بات ڈھکی ہی رہ گئی۔ چرن پر ان سب کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اب بھی خود شرمساری کے احساس میں ڈوبا ہوا تھا۔ ارجن نے جو بات اس پر چوٹ کرنے کے لئے کہی تھی اس کی سچائی نے کسی چوہے کی طرح اس کے اندر کتر کتر لگا رکھی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ یہاں کھسک کر کہیں تنہائی میں اکیلا جا بیٹھے لیکن کھجوریا کو اس نے خود بلایا ہوا تھا کھسک نہیں سکتا تھا۔

کھجوریا پہلے ہی کاسمو ہوٹل کے باہر کھڑا تھا۔ گوپال نے پرویز اور مدن کو بتایا کہ اسے انہوں نے ہی بلایا ہے۔ اندر آتے ہی انہوں نے وہسکی کا آڈر دیا۔ چرن کو خاموش دیکھ کر کھجوریا بولا۔

"کیا بات ہے چرن جی آپ کچھ بول نہیں رہے؟"

"وہ سالے کامریڈ ارجن نے چرن کا موڈ خراب کر دیا ہے۔" گوپال نے بتایا۔

''کس کی بات کرر ہے ہو؟'' کھجوریا بولا۔ ''وہ بھی کس گنتی میں ہے؟ میں اور وہ رنبیر ہائی اسکول ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ شروع سے ہی نیم سودائی ہے۔ گنوار کو کھانے پینے کا سلیقہ نہیں۔ ویسے خود کو شاعر کہتا ہے۔ سر کھالیا ہے میرا کہ میں اسے ریڈیو کے مشاعرے میں نظم پڑھنے کا چانس دوں۔ تب آپ ہی تو اس کی سفارش کرر ہے تھے گوپال جی؟'' گوپال شرمندگی اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ صفائی دیتا ہوا بولا۔ ''مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ اتنا کمینہ ہے؟''

''ہمیں ایسے لوگوں کی خوب پہچان رہتی ہے۔ انہیں ایک بار ریڈیو پر چانس دے دو پھر پلا بھی نہیں چھوڑتے۔'' وہسکی کے پانچ گلاس آ گئے۔ کھجوریا ریڈیو اسٹیشن کی خوبیاں کا بیان کرر ہا تھا۔ گوپال اسے بات کو لٹکانے کا موقع دیتا جار ہا تھا۔ صرف مدن کچھ کچھ بور ہو ر ہا تھا اور اسے کھجوریا پر غصہ آ ر ہا تھا۔

چرن کا دھیان کسی طرف نہیں تھا وہ ابھی بھی ارجن کی آواز سن رہا تھا۔ ''ایک لاٹھی کھانے کے بہانے تم اپنے لیئے نوکری لپک لی۔ دوسروں کی آگ میں لوگ ایسے ہی اپنے ہاتھ سینکتے ہیں۔''

سب سے پہلے چرن کا گلاس ہی خالی ہوا۔

پھر سب کے لئے دوسرا گلاس آیا۔

اب کھجوریا چپ ہو گیا تھا اور مدن شروع ہو گیا تھا۔ ''کھجوریا صاحب پتہ نہیں کیوں لوگوں نے آپ کی قدر ہی نہیں جانی۔ آپ لوگوں کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ ان کے من پسند گیت سناتے ہو۔ ڈرامے براڈ کاسٹ کرتے ہو۔ کیسے کیسے پروگرام نہیں کرتے آپ؟ لیکن لوگوں نے آپ کی قدر ہی نہیں جانی صاحب کا کیا خیال ہے؟

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' کھجوریا اور کیا کہتا۔ یہ پارٹی مدن نے اپنی نوکری کی خوشی میں دی تھی اور اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کھجوریا جیسا بے ہودہ شخص بھی آجائے گا۔ کھجوریا نے کبھی اس کی پروا نہیں کی تھی اور مدن نے بھی کبھی اس کی بات نہیں پوچھی تھی۔ ایک روز کھجوریا ریڈیو اسٹیشن میں کسی سے بات کرتے کرتے کہہ رہا تھا۔ ''ہم اتنا کچھ کرتے ہیں لوگوں کے لئے پھر بھی ہماری شکایتیں اوپر پہنچ جاتی ہیں لوگوں نے ہماری قدر ہی نہیں جانی۔'' مدن بھی وہاں بیٹھا یہ بات سن رہا تھا۔ پتہ نہیں اس وقت کھجوریا کی یہ بات اسے کس طرح یاد آ گئی اور گھڑی گھڑی اس کے منہ سے نکلنے لگی۔ گوپال کو ڈر لگا کہ مدن کی باتوں سے کھجوریا کہیں ناراض ہی نہ ہو جائے۔ اس نے روکنے کی بہت کوشش کی۔ ''مدن کیوں نہیں تم کل میرے ساتھ ریڈیو اسٹیشن چلتے، کھجوریا صاحب تمہیں کسی نہ کسی پروگرام میں فٹ کردیں گے۔''

''ہم تو ان فٹ آدمی ہیں۔ ہمیں کھجوریا صاحب کیسے فٹ کر سکتے ہیں۔ کیوں کھجوریا صاحب؟ میں تو کہہ رہا تھا کہ آپ ریڈیو کے ذریعے لوگوں کی اتنی خدمت کرتے ہیں لیکن لوگوں نے آپ کی قدر ہی نہیں جانی۔ صاحب کا کیا خیال ہے؟'' ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' کھجوریا مری ہوئی آواز میں بولا۔ اسے تھوڑا شرمسار ہوتے دیکھ کر گوپال گھبرانے لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور چرن اپنے ہی خیالوں میں ڈوبا کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا۔ سب کا اب تیسرا پیگ تھا۔

اچانک چرن اپنا تیسرا پیگ ایک ہی بار میں کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ ''دوستو معاف کرنا مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ میں تم لوگوں سے کل ملوں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے کیبن کا دروازہ کھولا اور جھٹ سے باہر نکل گیا وہ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ گوپال نے موقع سنبھالنے کی کوشش کی۔ ''شام سے ہی چرن کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ کھجوریا صاحب آپ برا نہیں ماننا۔ میں بیٹھا ہوا ہوں۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔''

''گوپال ٹھیک کہہ رہا ہے کھجوریا صاحب فکر کی کوئی بات نہیں جب ہم بیٹھے ہیں۔ ہماری خوش قسمتی ہے۔ کہ ہمیں آپ کی خدمت کرنے کا موقع ملا۔ آپ ریڈیو کے ذیعے لوگوں کی اتنی خدمت کرتے ہو لیکن کیا فائدہ۔ لوگوں نے آپ کی قدر ہی نہیں جانی صاحب کا کیا خیال ہے؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' کھجوریا بولا۔ پرویز سے رہا نہیں گیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔ کھجوریا کی بھی ہنسی نکل گئی۔ لیکن گوپال چرن کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس وقت وہ کہاں گیا ہوگا۔

☆

چرن کو ہوش نہیں تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے۔ لیکن اس کے پیر اُسی طرف اُٹھ رہے تھے جدھر اس کا دل اسے کھینچ رہا تھا۔ پچھلے تین مہینوں سے وہ اپنے آپ کو روک تا رہا تھا اس اندھیری گلی میں جانے سے جہاں کے اندھیروں نے ایک بار اسے نگل لیا تھا۔ آج پھر سے انہیں اندھیروں کی طرف وہ اس طرح کھنچتا جا رہا تھا جیسے دریا کی لہروں میں جڑوں سمیت اکھڑا ہوا پیڑ بے تحاشہ بہتا جاتا ہے۔

اور کوئی جگہ نہیں تھی جہاں وہ اس وقت جا سکتا ہو جہاں جا کر وہ اپنے کو بھول سکتا۔ جہاں جانا ہی خود کو پہنائی گئی زنجیروں کو توڑنے کے برابر تھا۔ اس وقت وہ اپنی اصلیت کو چھونا چاہتا تھا اور اپنی اصلیت کو چھونے کے لئے ضروری تھا اپنے وجود پر پڑے پردوں کو نوچ پھاڑ جھٹک کر پھینک دینا۔ اس کا ایک ایک قدم ایسے اٹھ رہا تھا جیسے کسی باغی سپاہی کے بوٹ رات کے اندھیرے میں دشمن کی حدیں توڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

''کھٹکیں دے تلا'' پہنچ کر اسے ہوش آیا کہ وہ کہاں جارہا ہے۔ کھمبے کا لیمپ جل رہا تھا لیکن روشنی اتنی مدھم تھی کہ گلی کا اندھیرا اس سے اور بھی زیادہ گاڑھا ہو گیا تھا۔ چرن اس اندھیرے میں اسطرح گھسا جیسے کوئی یاتری 'ادھ کنواری' کی 'گربھ جون' میں داخل ہوتا ہے۔ پتھر گڑھوں کو ٹٹولتے اس کے پیر دروازے کے آگے جا کھڑے ہوئے۔ آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تھوڑی دیر بعد ٹھک ٹھک کیا۔ چٹخنی کھلنے کی آواز آئی دروازہ کھلا۔ وہ دھیرے سے اندر چلا گیا۔ دروازہ پھر سے بند ہو گیا۔

چرن نے مڑ کر دیکھا۔ رانی دروازے کے ساتھ لگی کھڑی تھی اور حیران ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ چرن نے پاس آ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دونوں کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ''آج کیسے رستہ بھول گئے؟'' رانی نے پوچھا۔ چرن نے کچھ کہا نہیں۔ ایک دم اسے اپنی آغوش میں بھر لیا۔ ''چھوڑو مجھے۔'' کہتی ہوئی رانی اس کی بانہوں کے گھیرے سے نکل گئی۔ ''ناراض ہو؟'' چرن نے پوچھا۔ رانی بولی۔ ''میں کیوں ناراض ہونے لگی۔ میرا کام تو آنے والے کی خواہش پوری کرنا ہے وہ اندر کوٹھری کا دروازہ کھو لنے لگی۔'' میرا نام بھی تو معلوم ہے تمہیں۔'' چرن نے کہا

''نہیں مجھے یاد نہیں رہا۔'' وہ اندر داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے پیچھے اندر آتے ہی چرن نے اسے بانہوں میں جکڑ لیا۔

''لیٹنے تو دو۔''

''کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''مجھے کیا ہونا ہے؟''

دونوں لیٹ گئے۔ چرن کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

''اتنی بھی کیا ناراضگی؟''

''مجھے کس بات کی ناراضگی؟ میرا تمہارا تعلق ہی کیا ہے؟''

چرن کو کچھ سوجھا نہیں کہ اب وہ کیا کہے۔ رنگ منچ پر جیسے کوئی ایکٹر غلط موقع پر آ کر کھڑا ہو جائے اور تذبذب میں کھڑا رہ جائے کچھ ایسی ہی حالت اس کی تھی۔ رانی بولی۔ ''آئے کیوں نہیں؟'' چرن جواب دیا۔'' میں غلطی سے کسی اور جگہ آ گیا ہوں۔ میں نے سوچا تھا شاید یہاں رانی رہتی ہے۔''

''اس سے کیا لینا ہے تمہیں؟ جو کچھ تمہیں چاہئے میں دیتی ہوں۔''

''مجھے اس پہچان کی ضرورت ہے جو میرے اور اس کے درمیان تھی۔''

''خالی جھولی میں سے تمہیں کیا نکال کر دوں؟'' رانی کی آواز بھیگ گئی۔ چرن نے

اندھیرے میں اس کی طرف کروٹ بدلی اور اس کی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''میں تمہیں پھر سے وہ پہچان دینے آیا ہوں۔''

''مجھے نہیں چاہئے وہ پہچان جو چوٹ دے کر ایک طرف کھڑی ہو جائے۔ اس سے تو یہ گھڑی بھر کا سمبندھ اچھا جو نہ کوئی چوٹ دیتا ہے نہ کوئی درد نہ کوئی یاد نہ کوئی پچھتاوا۔ نشے سے بوجھل آنکھیں بند کر چرن رانی کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر بولا۔'' میں کوئی تمہیں درد یا پچھتاوا دینے نہیں آیا۔ وہ بھولی ہوئی پہچان پھر سے دینے اور تم سے لینے آیا ہوں جو ہم دونوں سے گم ہو گئی تھی۔ اب تم نہ نہیں کرنا۔ لے لو وہ پہچان دے دو وہ پہچان۔'' کہہ کر چرن اسے بے تحاشہ چومنے لگا۔ رانی نے بھی سودائی کی طرح اسے اپنی بانہوں میں کس لیا۔''

''چرن۔''

''ہنہ۔''

''چرن۔''

''اب تمہیں میرا نام کیسے یاد آیا؟

''بھولا ہی کب تھا؟

''پر اتنا کیوں ترسایا؟''

''خود بھی تو کم نہیں تڑپی۔ تین مہینوں سے گم تھے تم آج میں نے تمہیں تلاش کر لیا۔ چرن تیرے اس پیار کا مول میں کیا دے کر چکاؤنگی؟''

''دے تو تم سب کچھ رہی ہو۔ بدلے میں مجھے لے لو پورے کا پورا۔''

''اور؟''

''ہاں اور پاس آ جاؤ۔''

''اور؟''

''ہاں اور۔۔اور۔۔اور۔۔۔''

آدھی رات ہو گئی ہو گی۔ ابھی تک دونوں ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے تھے۔ چرن اٹھنے لگتا تو رانی ہاتھ پکڑ لیتی رانی اٹھنے کو ہوتی تو چرن کھینچ لیتا۔ عجیب کشش تھی دونوں کے درمیان۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اپنا آپ اس طرح دیا تھا جیسے آگ میں آہوتی دیتے ہیں۔ اچانک ہی اندھیرے میں دھیرے دھیرے رانی کے گانے کی آواز ابھری۔

''بیٹھ جانا او دوست پل بھر

بیٹھ جانا

پل بھر بیٹھ کر دو باتیں کر لینی ہیں
کبھی ہنس لینا کبھی آنکھیں بھر لینی ہیں

بیٹھ جانا او دوست۔

چرن حیرت میں پڑا سن رہا تھا۔ پل بھر کو اسے محسوس ہوا کہ وہ اصلی رانی کو ابھی نہیں جانتا جو یہ گیت گا رہی ہے۔ ''کتنا اچھا گاتی ہو تم۔'' وہ بولا۔ رانی اس کی چھاتی میں منہ دیئے ہوئے دھیرے سے بولی۔ ''مجھے سب کچھ بھولا ہوا یاد آ رہا ہے اور جو کچھ یاد تھا وہ سب کچھ بھولتا جا رہا ہے۔''

''اور کیا کیا بھول گئی تھیں تم؟''

''چھوٹی تھی تو سارے گاؤں میں ادھر ادھر گھومتی گیت گاتی تھی سارا دن گرتے بیر جامن اتار اتار کر کھاتی۔ ننگے پاؤں۔ بال بکھرے ہوئے پرندوں کی طرح اڑتی پھرتی۔ ماں کہتی تھی میں سوتے میں بھی کئی بار گانے لگ جاتی تھی۔ لیکن مدت سے وہ گیت۔ گیت گانے والی رانی۔ چھوٹی سی رانی۔ وہ گاؤں۔ گاؤں کی گلیاں۔ وہ لوگ۔ سبھی کچھ گم ہو گیا تھا۔ آج دیر بعد تمہارے آنے سے وہ سب کچھ یاد آ گیا۔

''بچپن میں کون سا گیت تم زیادہ گاتی تھیں؟''

''سناؤں؟''

''ہاں۔''

اور رانی کی آواز پھر سے اندھیرے میں ایسے چمک اٹھی جیسے سروں کی جوت جل اٹھی ہو۔

طوطا توڑ پھینکے گٹھلیاں
ہمیں سارے گھر کی جھڑکیاں
طوطا ڈالی پر بولے
جان میری پنجرے میں ڈولے
طوطا کترکتر پھینکے بور
دل نہیں ہوتا جان سے دور
طوطا ڈالی پر بولے
جان میری پنجرے میں ڈولے

گاتے گاتے رانی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دھیرے دھیرے سسکنے لگی۔ چرن نے گھبرا

کر پوچھا۔ ''کیا ہوا تمہیں؟'' رانی نے جواب نہیں دیا۔ دھیرے دھیرے سسکتی رہی۔ اس کے منہ پر منہ رکھ کر چرن بولا۔ ''نہیں رو رانی نہیں رو۔'' رانی سسکتے ہوئے بولی۔ ''رونا بھی تو بھول گئی تھی میں۔ مجھے رونے سے مت روکو۔ چھاتی ہلکی کرنے والی یہ گھڑیاں پھر شاید کبھی آئیں نہ آئیں۔''

''تمہیں میری قسم ہے رانی مت رو۔''

''میں اس رانی کو رو رہی ہوں جس نے میرے اندر جنم لیا اور بڑی ہوتی ہوتی اندر ہی اندر کہیں مر کھپ گئی۔ میں تو اس رانی کا پنجر ہوں۔ سڑی گلی ہڈیوں کا پنجر۔'' چرن نے اسے اپنے سینے لگا لیا اس کی آنسو بہاتی آنکھوں پر اپنے ہونٹ رکھ کر اس کے آنسوؤں کو ختم کرنا شروع کیا۔

رانی نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''اب کبھی آنکھوں سے اوجھل تو نہیں ہونگے؟''

''کبھی نہیں۔ لیکن تم تو نہیں مجھے چھوڑ کر کہیں جاؤ گی؟''

''میں نے کہاں جانا ہے کرم جلی۔ میرے سارے راستے بند ہیں''

''میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''کہاں؟''

''جہاں تم کہو گی۔''

''سچ؟''

''ہاں''

دونوں کے ننگے بدن پھر سے ایک دوسرے کی آگ میں جلنے لگے تھے۔

کھاٹ پر بائیں طرف لیٹا چرن بولا۔ ''اب جانے دو مجھے۔''

''میرا سب کچھ چھین کر کیوں جا رہے ہو؟''

''میں تو سب کچھ ہار کر جا رہا ہوں۔''

''نہیں جاؤ۔ نہیں جاؤ۔'' کروٹ بدل کر رانی پھر اس سے چپک گئی۔ چرن کچھ دیر کے لئے خاموش رہا پھر بولا۔ ''اور تو کوئی بات نہیں۔ میری ماں میرا انتظار کر رہی ہوگی۔'' رانی ایک جھٹکے سے الگ ہو کر بیٹھ گئی۔ ''پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے؟'' چرن بھی اٹھتے ہوئے بولا۔ ''میری ماں کی بڑی ہمدرد نکلیں تم؟''

''مائیں سب کی ایک جیسی ہوتی ہیں۔''

کپڑے پہن کر دونوں کوٹھری سے باہر آ گئے۔ لالٹین بھی شاید نیند کے بوجھ سے بالکل مدہم ہو گئی تھی۔ دروازے کی طرف جاتے ہوئے چرن نے رانی کی طرف دیکھا تو بے ساختہ رک گیا۔ رانی

بھی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پل بھر کے لئے ایسا لگا جیسے دونوں کا وجود نظروں کے تاروں میں کھینچ آیا ہے۔ ان دیکھے تاروں میں بندھے دونوں پھر سے ایک دوسرے کے پاس آنے لگے۔ سانسیں سانسوں کو اسطرح چھونے لگیں جیسے آگ سے آگ چھوتی ہے۔ بانہیں اوپر اٹھیں اور دونوں نے پھر سے ایک دوسرے کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔

''تم نہیں جانے دوگی مجھے۔''

''جاؤ۔'' رانی جھٹ الگ ہوگئی۔

''جاؤں؟''

''ہاں جاؤ۔''

چرن دروازے کی طرف چل دیا۔ رانی کی نظروں کا مقناطیس ابھی بھی اسے پیچھے کھینچ رہا تھا اور رانی اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے چرن اس کے دل کو نوچ جھپٹ کر لے جارہا ہے۔ دروازے کے پاس پہنچ کر اچانک ہی چرن کو کچھ یاد آیا۔ ''اوہ'' اس کے منہ سے نکلا۔ ''کیا بات ہے؟'' رانی نے پوچھا۔ چرن کے چہرے کا رنگ سفید ہوگیا تھا۔ آنکھوں میں گھبراہٹ تھی۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ کیا بات ہے؟'' رانی نے پھر پوچھا چرن دھیرے دھیرے چلتا اس کے پاس آ کھڑا ہوا اور آہستہ سے بولا۔ ''میں تمہیں کچھ دیئے بغیر ہی جارہا تھا۔'' پل بھر کے لئے رانی کے لئے کا چہرہ بھی پھیکا پڑ گیا لیکن اس نے جھٹ ہی خود کو سنبھال لیا اور پھر مسکرا کر بولی۔ ''تم کیا سچ مچ بنا کچھ دیئے جارہے ہو؟''

''جتنا دیا ہے اس سے زیادہ لے کر جارہا ہوں۔'' چرن نے اپنی گہری آواز میں جواب دیا۔ رانی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اس کے پاس سرک آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی۔ ''تم نہیں جان سکتے کہ میں نے تم سے کیا لیا ہے۔ اگر تم کچھ دینا ہی چاہتے ہو تو کل کی روٹی کے پیسے دے جاؤ۔ اب میں بھوکی رہ کر جلدی مرنا نہیں چاہتی۔ تمہارے لئے جینا چاہتی ہوں۔'' چرن کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ رانی کو بانہوں میں کس کر بولا'' تم نے آج روٹی کھائی تھی۔ یا نہیں میری قسم جھوٹ نہیں بولنا۔'' رانی نے مسکرا کر کہا۔ ''آج میرے پاس پانچ روپے تھے بچے ہوئے۔ لیکن میک اپ کا سارا سامان ختم ہوگیا تھا۔ میرے لئے روٹی سے زیادہ زیادہ پاؤڈر، لپ اسٹک ضروری ہے۔ میں نے روٹی نہیں کھائی۔ وہ سامان لے آئی۔'' چرن اپنی آنکھیں پونچھنے لگا اور بولا۔ ''مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ تم ٹھہرو میں ابھی تمہارے لئے کچھ لے کر آتا ہوں۔''

آدھی رات ہو چکی ہے اس وقت کہیں کچھ نہیں ملتا۔ میری فکر نہ کرو۔ مجھے بھوک نہیں کھاتی۔

میں اسے کھاتی ہوں۔ تم گھر جاؤ۔''

''گھر ماں نے میرے لئے روٹی رکھی ہوگی وہی لے آؤں گا'' چرن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ رانی بھی ہنس دی اور بولی'' جانے آنے میں ہی صبح ہو جائے گی۔ تم جاؤ میں صبح سویرے ہی کچھ کھا لوں گی۔ تمہیں قسم ہے گھر جا کر روٹی ضرور کھانا۔''

''جب یاد آئے گا کہ تم بھوکی پیاسی ہو تو مجھ سے کیسے کھائی جائے گی؟''

''کون کہتا ہے کہ میں بھوکی پیاسی ہوں۔ آج تو میرا پیٹ بہت اچھی طرح بھرا ہے۔ تم نے میری بھوک بھی مٹا دی اور پیاس بھی۔ رانی کی بات سن کر چرن اس کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔ دل نے چاہا کہ وہ گھر نہ جائے۔ رانی اس کی نیت بھانپ کر بولی۔'' دیر ہو گئی۔ اب جاؤ۔'' چرن نے اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بغیر دیکھے گنے جتنے نوٹ تھے رانی کے ہاتھ میں پکڑانے لگا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' رانی نے نوٹ واپس لوٹاتے ہوئے کہا۔

''کل روٹی کا سارا سامان لے آنا۔'' کہہ کر چرن نے زبردستی نوٹ اس کے ہاتھ میں تھمائے اور جھٹ پٹ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا رانی کتنی دیر منجمد سی کھڑی رہی۔

☆

دوسرے دن شام کے ساڑھے سات بجے تھے۔ فرنگی مل اور ہردیال نے اپنا گلاس اٹھایا ہی تھا کہ رام سروپ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

''بڑے موقع سے پہنچے رام سروپ۔ بیٹھ جاؤ۔ لو پکڑو گلاس'' کہتے ہوئے فرنگی مل نے تیسرا گلاس بھر کر اسے دیا۔ کیا خبر ہے؟ اس نے پوچھا رام سروپ بولا'' خبر نہیں خوشی خبری ہے۔ آپ کونسل میں نامزد ہو کر نہیں چن کر جا رہے ہیں اب آپ کا ڈپٹی منسٹر بننا پکا ہے۔ پھر رام سروپ نے اٹھ کر فرنگی مل کو فرشی سلام کیا اور بولا'' عالی جناب مستقبل کے ڈپٹی منسٹر صاحب بہادر قبلہ چودھری فرنگی مل جی، رئیس اعظم کو بندہ سلام گذارش کرتا ہے۔''

''بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ رام سروپ تم ہمیں ایسے ہی بانس پر مت چڑھاؤ۔ اتنا آسان کام نہیں منسٹر بننا۔ اس کے لئے بہت قربانیاں دینی پڑے گی۔ ہر بات کی لہر ہے۔ مہاراج اب آپ کو منسٹر بننے سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے کتنی بھی قربانیں کیوں نہ دینی پڑیں۔''

''کیسی ناکارہ سوچ ہے آپ کی ہردیال جی۔'' رام سروپ کو وار کرنے کا موقع مل گیا۔ ''آپ نے چودھری صاحب کو کیا سمجھا ہے؟ آپ کو معلوم نہیں کہ ان کا چکر کتنا بڑا ہے؟ اپنی جگہ سے ہلنے والے کوئی اور ہوں گے۔''

''وہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔'' ہردیال نے رام سروپ کو دل ہی دل میں گالی دیتے ہوئے بات کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔ ''چودھری صاحب کی ہر بات مردوں والی ہے۔ شیر کا کلیجہ ہے ان کا۔''

اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ فرنگی مل نے فون اٹھا کر بات کرنی شروع کی۔ دوسری طرف کی آواز سنتے ہی ان کی آواز بدل گئی۔ ''جناب...... جناب..... صاحب یہاں آرہے ہیں؟ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے۔ جناب ضرور تشریف لائیں۔ کیا؟ کیا کہا؟ اچھا۔ اچھا۔ کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ وہ تو چیز ہی ایسی ہے جناب آپ بے فکر ہو کر آئیے۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں جناب؟ معمولی بات ہے۔ سب انتظام ہو جائے گا۔ صاحب کے لیے تو ہم آسمان کے تارے بھی توڑ کر لا سکتے ہیں۔'' فون رکھ کر فرنگی مل نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''لو پڑ گئی نہ ایک نئی مصیبت؟''

''کیا ہوا؟''

''اپنے منسٹر صاحب آرہے ہیں۔ اسی وقت۔ اور ساتھ ہی رانی کی فرمائش بھی کر بیٹھے ہیں۔''

''ابھی؟''

''ہاں جی ابھی۔''

رانی کا نام سن کر لالا ہردیال اور پنڈت رام سروپ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کو ہی تین مہینے پہلے والی رام کہانی یاد آگئی۔ آنکھوں میں اس رات کی پرچھائیاں کانپ اٹھیں۔ فرنگی مل کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ نوکر کو بلا کر اسے کباب تکوں کے لئے بازار دوڑایا۔ پھر ڈرائیور کو بلا کر رانی کے پاس جانے اور کوئی ایک گھنٹے کے بعد اپنے ساتھ لانے کے لئے کہا۔ ڈرائیور چلنے لگا تو پیچھے سے پھر آواز دی۔ ''اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تمہارا خون پی جاؤں گا۔''

☆

اندر آکر چرن نے خود دروازہ بند کیا اور چٹخنی چڑھا کر رانی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے گالوں کے گڈھے آج اور بھی زیادہ اچھے لگ رہے تھے۔ آج اس نے میک اپ بھی الگ ڈھنگ سے کیا ہوا تھا۔ منہ پر پاؤڈر لگا جان ہی نہیں پڑتا تھا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک کی جگہ دنداسا ہنس رہا تھا اور آنکھوں میں کاجل بھی کم کم تھا۔ بال اوپر اٹھا کر دائیں بائیں کیے ہوئے تھے۔ ماتھے پر بندی تھی۔ ہرے رنگ کی جو ہرے رنگ کے دوپٹے کے ساتھ خوب جچ رہی تھی۔ آج اس کی آنکھوں کی چمک بھی کچھ اور ہی تھی۔ چرن نے آگے جا کر اس کے تپتے ہوئے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ دونوں کی

بانہوں نے ایک دوسرے کو کس لیا۔ چرن نے دھیرے سے اسے اندروٹھی کی طرف دھکیلا تو رانی جھٹ اس کی گرفت سے آزاد ہو کر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ ''نہیں آج نہیں۔''

''کیوں؟''

''آج میری بات تمہیں ماننی پڑے گی۔''

''پہلے کون سی بات نہیں مانی میں نے۔''

''آج میں نے تمہارے لیئے روٹی بنا کر رکھی ہے پہلے وہ کھاؤ۔''

چرن اسے ٹکر ٹکر دیکھنے لگا۔ رانی اسے اور بھی بدلی ہوئی لگی۔ اس کی مسکراہٹ میں اس کی ضد بھی نظر آ رہی تھی۔ ''چلو ڈالو روٹی۔'' چرن نے کہا۔ رانی کھل اٹھی۔ اس نے چرن کو چوکی پر بٹھایا اور چولہے میں لکڑی لگا کر آگ جلانے لگی۔ پیچھے والے چولہے پر سبزی والا پتیلا ٹکایا اور آگے والے پر توا رکھا۔ آٹا پہلے سے گوندھ رکھا تھا اس کے ہاتھ مشین کی طرح جلدی جلدی چل رہے تھے۔ ہونٹوں پر ہنسی کے سائے تھے۔ اور گالوں کے گڈھے گلاب کی کلیوں کی طرح مسکرا رہے تھے۔ چرن دیکھتا جا رہا تھا اور مسکراتا جا رہا تھا۔ ویسے بھی آج وہ بہت خوش تھا۔ ریڈیو اسٹیشن پر وہ بحث میں حصہ لے کر آیا تھا۔ اور اس نے اپنے من کی کی تھی۔ وہ اس بات کا حمایتی بنا تھا کہ طالب علموں کو سیاست میں اپنا رول ادا کرنا چاہیے۔ گوپال نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ نہیں مانا۔ اس نے اپنا نظریہ ایسے ڈھنگ سے پیش کیا کہ کھجوریا خوش ہو گیا اور کل کا غصہ ناراضگی بھول گیا۔ ریڈیو اسٹیشن کا چیک چرن کی جیب میں تھا۔

رانی نے تھالی میں ایک طرف کھٹے ترڑ ڈالے اور کٹوری میں ماش کی دال۔ اچار کی پھانک بھی شیشی میں سے نکال کر رکھی۔ پھلکا پھلا کر اس پر گھی لگایا اور تھالی اس کے آگے کی۔ چرن ابھی بھی اسے ہی دیکھتا جا رہا تھا۔ رانی مسکرا کر بولی۔ ''کھاؤ'' چرن نے تھالی اور قریب کھینچی اور ایک نوالہ ابھی منہ میں ڈالنے ہی لگا تھا کہ رانی کی نظروں سے نظریں ٹکرائیں۔ اس کے ہاتھ رک گئے۔ ''کھاؤ نا'' رانی پھر بولی۔ اس نے نوالہ منہ میں ڈال لیا۔ رانی دوسرا پھلکا بنانے میں مصروف ہوگئی۔

آج تک ماں کے ہاتھوں کی بنی ہی کھائی تھیں وہ کبھی کبھی تو شی بھی بنا لیتی تھی۔ رانی کے ہاتھ کا مزہ کچھ اور ہی تھا۔

''ترڑ بہت لذیذ ہیں۔'' اس نے کہا۔

''اور لو نہ۔''

''نہیں اور بھوک نہیں۔''

''تمہیں میری قسم۔'' رانی نے کڑچھی بھر کر ترڑ اس کی تھالی میں ڈالے۔ چرن اس کے منہ کی

طرف دیکھتا رہ گیا۔ رانی بولی۔ ''کھلانے کا اتنا سواد کبھی نہ آیا۔'' اب چرن جو کچھ کھا رہا تھا فالتو تھا۔ پھر بھی سواد سواد میں کھایا گیا۔ کھا کر اٹھتے ہوئے بولا۔ ''اب تم بھی کھالو۔'' موری کے پاس جا کر اس نے کُلا کیا ہاتھ دھوئے مڑا تو دیکھا رانی اس کی تھالی میں ہی اپنے لئے روٹی ڈال رہی ہے۔ ''مجھے تو بھوک ہی نہیں لگی۔ لیکن تمہاری تھالی میں کھانے کے لالچ میں دو نوالے کھالیتی ہوں۔'' رانی بولی۔

چرن سگریٹ سلگا کر اس کے پاس چوکی پر جا بیٹھا۔ رانی نوالہ منہ میں ڈالنے ہی لگی تھی کہ اسی وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس کا ہاتھ اسی طرح ہونٹوں کے پاس رک گیا۔ چرن منہ کے سگریٹ کا دھواں منہ میں ہی رہ گیا۔ دونوں بت سے بنے ایک دوسرے کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے نظریں بھی پتھرا گئی ہوں۔

دروازے پر پھر دستک ہوئی تو رانی نے اشارہ کیا کہ وہ چپ چاپ بیٹھا رہے دستک دینے والا خود ہی لوٹ جائے گا۔

دروازہ پھر کھٹکھٹایا گیا۔ پھر ایک بار اور کھٹکھٹایا گیا پھر ایک بار اور دونوں اسی طرح سانس روکے بیٹھے رہے۔ پھر بڑی دیر کوئی آہٹ آواز نہیں ہوئی۔ رانی نے ہاتھ کا نوالہ خاموشی سے تھال میں رکھ دیا۔

''تمہاری تھالی کا نوالہ جسے اتنے چاؤ سے کھانے لگی تھی وہ بھی اب کیسے کھایا جائے گا؟''

''تمہیں میری قسم ہے کھالو۔''

رانی نے بھاری من سے تھالی کا وہ نوالہ پھر اٹھایا اور دھیرے سے منہ میں ڈال کر آہستہ چبانے لگی آنکھیں بھیگ آئی تھیں۔ الٹے ہاتھ سے آنکھیں پونچھتی ہوئی اٹھی اور تھالی ایک طرف رکھ کر کُلا کرنے لگی۔ ہاتھ دھو کر دوپٹے سے پونچھ لیے۔ چرن اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ ''کیا ہوا تمہیں؟''

''کچھ نہیں۔''

''ادھر آؤ'' اور چرن اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر روٹھی لے گیا۔

''میرے سامنے اس طرح نہ رو۔''

''کرموں کی مار ہو تو کوئی کیا کرے۔''

''تمہیں کیا چاہئے؟''

''تمہارے سوا مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔''

''میں نے تو تمہیں اپنا سب کچھ دے دیا۔''

''میرے اردگرد جو کالے سائے ہیں۔ ڈرتی ہوں وہ میرے تیرے بیچ دوری نہ پیدا

کردیں۔''

''یہ دوری پیدا کرنے والا اب کوئی پیدا نہیں ہوگا۔''

''کبھی چھوڑ تو نہیں جاؤ گے؟''

''کہو تو اپنے خون سے لکھ کر دے دوں۔''

''ایسے مت بولو۔'' کہہ کر رانی اس کے ساتھ آ گئی۔

دونوں جب کوٹھی سے باہر نکلے تو رانی چرن کو باہنہ سے پکڑ کر پیچھے والی دیوار کے پاس لے گئی وہاں ایک طاق میں ایک چھوٹی سی مٹی کی مورتت رکھی تھی۔ رانی نے مورت کی طرف اشارہ کیا اور بولی۔اس گندے گھر میں ایک یہی مورت ہے بھگوان شری کرشن جی کی۔ چرن میں ان کے چرنوں کی سوگند کھاتی ہوں۔ آگے سے سوا تمہارے کوئی بھی مرد مجھے ہاتھ نہیں لگائے گا۔ میں بھی انسانوں کی طرح جینا چاہتی ہوں۔ جو تم سہارا دو گے تو ٹھیک نہیں تو بھوکی مر جاؤں گی لیکن اپنا شریر نہیں بیچوں گی۔ ''چرن نے اسے بھینچ کر چھاتی سے لگا لیا اور اس نے اس کے ہونٹوں پر اس کی آنکھوں پر اس کے ماتھے پر بوسوں کی بوچھار کر دی رانی سبک سبک کر رونے لگی۔'' میں نے تمہارے لیے ہی جینا ہے صرف تمہارے لیے۔ چرن... چرن... چرن اسے پیار کر رہا تھا اور وہ روتی جا رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے اسے چپ کرایا۔ دوسرے دن آنے کا وچن دے کر جانے لگا تو رانی دوپٹے سے آنسو پونچھتی پونچھتی مسکرا دی تھی۔

چرن ابھی گلی سے باہر نکلا ہی تھا کہ اسے ٹھیکدار کی کار آتی نظر آئی۔ وہ جھٹ ایک طرف اندھیرے میں ہو گیا۔ کار گلی کے سرے پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ ڈرائیور باہر نکلا اور گلی کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ چرن کے دل میں اتھل پتھل مچ گئی۔ ڈرائیور ضرور رانی کو لینے آیا ہے۔ پہلے بھی وہی آیا ہوگا۔ چرن کا دل یہ سوچ کر کانپ گیا کہ ابھی جس رانی نے بھگوان کی مورت کے سامنے رو رو کر سوگند کھائی تھی وہ ڈرائیور کے ساتھ کہیں چل تو نہیں دے گی؟ دل کے وسوسے بچھوؤں کی طرح ڈنک مارنے لگے۔ کھڑے رہنا بھی مشکل ہو گیا۔ وہ دکان کے چبوترے پر بیٹھ گیا۔ نظریں گلی اور کار کے درمیان اٹکی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد ڈرائیور اکیلا ہی لوٹا۔ کار میں بیٹھا اور کار اسٹارٹ کر کے چلا گیا۔ چرن کی جان میں جان آئی۔ خدشات کے بادل جسے پلوں میں اس کے دل پر گھر آئے ویسے ہی پلوں میں چھٹ گئے۔ وہ بے ساختہ مسکرا رہا تھا۔

☆

منسٹر صاحب نے اپنا دایاں ہاتھ جس میں گلاس تھا اپنی توند پر رکھا ہوا تھا۔ تپائی پر گلاس رکھنے

اور پھر اسے بار بار اٹھانے کی تکلیف کیا کرنی۔ اس طرح کام آسان تھا۔ بائیں ہاتھ میں انہوں نے بڑا سا سیخ کباب پکڑا ہوا تھا۔ تاکہ پلیٹ سے اٹھانا نہ پڑے ایک گھونٹ وہسکی اور ایک ٹکڑا کباب ساتھ ساتھ وہ ریاست کے حالات پر حاضر تبصرہ فرماتے جا رہے تھے۔ ''چوہدری صاحب آجکل سیاست کے میدان میں ڈٹے رہنا آسان کام نہیں رہا۔ بڑی شطرنجی چالیں چلنی پڑتی ہیں۔'' فرنگی مل نے جواب دیا۔'' جناب ٹھیک فرما رہے ہیں۔ سیاست بڑا اچالا کی بھرا کھیل ہوگئی ہے۔''

''اس دن پرائم منسٹر صاحب نے مجھے کہا۔ سوپوری! ہمیں کشمیر کی اتنی فکر نہیں جتنی جموں کی ہے۔ جموں میں مضبوطی سے پیر جمانا زیادہ ضروری ہے۔ چودھری صاحب مجھے جھٹ آپ کا خیال آیا۔ میں نے انہیں جانتے ہیں کیا کہا؟'' بات روک کر منسٹر صاحب نے سارا کباب منہ میں ٹھونس لیا اور بنا چبائے ہی وہسکی کے دو گھونٹ بھر کر نگل لیا۔ فرنگی مل ہر دیال اور رام سروپ تینوں حیران نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے اور سننا چاہتے تھے کہ اس نے پرائم منسٹر کو کیا کہا۔ کوٹ کے بازو سے منہ پونچھتے ہوئے منسٹر صاحب نے بات آگے بڑھائی۔ ''میں نے کہا پرائم منسٹر صاحب! جناب عالی! اگر ہم جموں کے لوگوں پر اپنی قابلیت اپنی شرافت اور اپنی کارکردگی کا سکہ بٹھانا چاہتے ہیں تو چودھری فرنگی مل کو اپنی کیبنٹ میں شامل کرنا ضروری ہے۔ جموں کے لوگوں میں ان جیسی مقبول شخصیت کوئی اور نہیں۔ ''

''یہ تو حضور کی ذرہ نوازی ہے نہیں تو ہم آپ کے پیروں کی دھول بھی نہیں۔'' فرنگی مل نے انکساری سے کہا۔ پنڈت رام سروپ نے موقع لپکا۔ اٹھ کر فرشی سلام گزارا پھر عرض کیا۔'' جناب قبلہ منسٹر صاحب بہادر! چودھری فرنگی مل صاحب نے سولہ آنے ٹھیک فرمایا۔ یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ صاحب ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھاتے پیتے ہیں۔ میں کہوں گا یہی سچا لوک راج ہے۔ بغیر کسی بھید بھاؤ کے اپنی پرجا کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا موج مارنا آنند لینا۔ اور لوک راج کسے کہتے ہیں؟''

منسٹر صاحب نے خوش ہو کر رام سروپ کو داد دی۔'' سچ میں آپ بڑے جہاں دیدہ اور تجربہ کار آدمی ہیں رام سروپ جی بات چیت کے نقطے پہچاننا کوئی آپ سے سیکھے۔''

ہر دیال سے رام سروپ کی اتنی تعریف برداشت نہیں ہوئی وہسکی کا بڑا گھونٹ بھر کر بولا۔'' یہ سب چودھری فرنگی مل جی کی محبت کا اثر ہے۔ یہ تو پارس پتھر ہیں جو ان سے چھو گیا سونا ہو گیا۔'' فرنگی مل خوشی کے جھولے جھولنے لگا اور رام سروپ دل ہی دل جل بھن کر رہ گیا۔ منسٹر صاحب کو بات بھی بنانے کا موقع ملا بولے۔'' یہ بالکل سچی بات ہے فرنگی مل جی آپ کے پاس جو بھی آیا اس نے اپنے من کی مراد ضرور پائی۔ ہمیں ہی دیکھو'' یہ کہتے ہوئے منسٹر صاحب نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ سب

ان کا اشارہ سمجھ گئے آج اپنی زیادہ ہی تعریف ہوئی دیکھ کر فرنگی مل اتنا ہی زیادہ گھبرا رہا تھا۔ پہلی بار جب ڈرائیور نے آ کر کہا۔ ''جی کسی نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔'' تو فرنگی مل نے اس پر ہاتھ بھی اٹھالیا تھا۔ ''مادر چو... حرام زادہ۔ تیری میں... جیسے بھی ہوتا ہے اسے لے کر آ۔ جا پھر سے۔ جلدی کر۔''

ڈرائیور اسی گھر میں پلا یتیم لڑکا تھا مالک کی باتیں اور گالیاں اس کے لیے برابر تھیں۔ ویسے بھی سادھو مزاج کا تھا۔ چل دیا پھر سے۔ اسے چلتا کر کے فرنگی مل اندر آیا تو منسٹر صاحب کی نظریں سوالیہ نشان بنی ہوئی تھیں فرنگی مل انہیں دیکھتے ہوئے بھی نہ دیکھنے کا بہانہ کرتے ہوئے بولا۔ آج کل تو جتنے بھی نیچ کمینے ہیں سر پر چڑھ بیٹھے ہیں۔ ''منسٹر صاحب کے دل میں خدشہ پڑ گیا۔'' چوہدری صاحب بُتا تو نہیں دے جائے گی اس دن کی طرح۔'' فرنگی مل نے موقع سنبھالا۔'' جناب عالی آپ فکر نہ کریں۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ کا اتنا بھی کام نہیں ہو سکا تو لعنت ہے ہم پر'' ہر دیال اور رام سروپ دونوں کے چہروں کا رنگ اڑ گیا تھا۔ دونوں کو معلوم تھا کہ رانی نہیں آئی تو کئی دنوں تک ان کا اس محفل میں بیٹھنا مشکل ہو جائے گا۔ فرنگی مل نے رونا دھونا ڈالے رکھنا ہے اور آج کی بدمزگی ہوگی سو الگ۔

منسٹر صاحب نے اپنا دل بہلانا شروع کیا۔ ''بھئی اس دن تو مزہ آ گیا۔ سیکرٹری صاحب نے اتنی پی لی کہ کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ جو حسن پری آپ لائے سیکرٹری صاحب اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکے۔ میں نے سوچا کہ اب آئی ہے تو فائدہ اٹھاؤ لیکن وہ ایسی گلی سڑی چیز تھی کہ گلے گلے وہسکی پی کر بھی لطف نہیں آیا۔ اصلی چیز تو یہ ہے جس کا انتظار ہے واہ واہ کیا چیز ہے۔ چوہدری صاحب ہمارے ساتھ وہ چالاکی نہیں کرنا جو ہم نے سیکرٹری صاحب سے کی۔ آج ہم نے بھی کچھ زیادہ ہی پی ہے۔'' فرنگی مل دانت نکالتے ہوئے بولا۔ ''توبہ کرو جناب! ہم آپ کے ساتھ چالاکی کریں گے؟ ہماری اتنی جرات ہو سکتی ہے؟ صاحب کی یہ چھوٹی سی فرمائش ہے۔ ہم تو آپ کے کہنے پر اندر سبھا کی پریاں بھی اٹھا لائیں۔''

''ہمیں اندر سبھا کی پریاں نہیں وہی حسن پری چاہیئے۔'' منسٹر صاحب نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ ہر دیال اور رام سروپ کو جان کے لالے پڑنے لگے۔ اگر رانی نہیں آئی تو اس سانڈ کو کس نے تھامنا ہے؟ نہ جانے کون سی دیوار میں سر مارے۔ وہسکی کا ایک ایک گلاس اور کھنچتے کھنچتے باہر کار کھڑی ہونے کی آواز سنائی دی۔ فرنگی مل تیزی سے چھوٹے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ ڈرائیور ہاتھ جوڑ کر کانپتی آواز میں کہنے لگا۔ ''مہاراج میں نے بڑا ہی دروازہ کھٹکھٹایا بڑی دیر کے بعد اس نے دروازہ کھولا تو میں نے آپ کا نام لے کر ساتھ آنے لیے کہا۔ لیکن اس نے نہ کر دی۔

میں نے زیادہ ضد کی تو وہ گالیاں نکالنے لگی۔ اور مجھے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔'' فرنگی مل کو اندر باہر آگ لگ گئی۔ ہاتھ پیر کانپنے لگے۔ پہلے تو جی کیا کہ ڈرائیور کو دو چار لگائیں لیکن اتنی بھی فرصت نہیں تھی اندر منسٹر صاحب کا رواں رواں رانی کا انتظار کر رہا تھا اور رانی نے اس کا نام سن کر بھی گالیاں نکالیں اور ڈرائیور کو دھکا دیا۔ فرنگی مل نے منہ پھلا کر گالیاں دینی شروع کیں۔'' گشتی رانڈ۔ اس کی بہن۔ اب وہ مجھ سے بچ نہیں سکتی۔ بھول ہو گئی جو پہلے معاف کر دیا لیکن اب کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ منسٹر صاحب کو جا کر کیا کہے کیسے کہے؟''

کچھ انہونی سونگھتے سونگھتے ہردیال باہر آیا۔'' مجھے پہلے ہی پتہ تھا چودھری صاحب اس کتیا نے نہیں آنا۔''

'' اب ہو گا کیا؟''

'' صاحب صاف کہو دو کہ وہ ہے ہی نہیں یہاں۔ گاؤں گئی ہوئی ہے اور اگر مرضی ہو تو وہی نہر والی۔''

'' تمہیں اس کتے کا پتہ نہیں ہردیال۔ یہ خنزیز کا بیٹا اس وقت پاگل ہو رہا ہے۔ ہڈی نہیں ڈالی تو ساری کری کرائی پر پانی پھر جائے گا۔''

'' تب ہی تو کہہ رہا ہوں۔ صاف کہہ دو۔ نہر والی آ سکتی ہے۔'' دیوار کے ساتھ سر پھوڑنے کا من ہو رہا تھا فرنگی مل کا کس بات کے لیے کہاں پھنسے؟ دونوں اندر پہنچے۔ منسٹر صاحب کی سوالیہ نظریں برچھیوں کی طرح اوپر اٹھی ہوئی تھیں۔'' اندر آ جاؤ'' فرنگی مل نے منسٹر صاحب کو کہا۔'' منسٹر صاحب کو کہا۔ منسٹر صاحب اپنی توند سنبھالتے ہوئے اٹھے۔ ہردیال نے بانہہ پکڑ کر سہارا دیا۔ چھوٹے کمرے میں کسی کو نہ دیکھ کر منسٹر صاحب نے آنکھیں ٹیڑھی کر کے دیکھا فرنگی مل سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ بڑی مشکل سے انہوں نے کہا۔'' جناب وہ تو گاؤں گئی ہوئی ہے۔ آپ کہیں تو اس دن والی بلا لیں۔'' منسٹر صاحب کو آگ لگی ہوئی تھی۔ بولے'' نہیں نہیں اس وقت دیر ہو گئی ہے پھر کبھی سہی۔''

'' جناب ابھی تو گیارہ بھی نہیں بجے۔''

'' نہیں میں نے کچھ زیادہ پی لی ہے۔ بیٹھا نہیں جا رہا۔''

'' آپ بیٹھو میں خود جا کر اسے نہر سے کر آتا ہوں۔''

'' آپ رہنے دو فرنگی مل جی۔ جس پر موڈ تھا وہ آئی نہیں ویسے آپ اندر سبھا کی پریاں لا رہے تھے۔ پہلے کہہ دیتے خواہ مخواہ وقت برباد کیا۔ اجازت دو۔ میں جا رہا ہوں۔'' وہ پچھلے دروازے سے ہی باہر نکل گئے۔ فرنگی مل نے ڈرائیور کو کہا کہ وہ انہیں چھوڑ آئے۔ منسٹر صاحب تو چلے

گئے لیکن ساتھ ہی فرنگی مل کی رگوں میں سے خون نچوڑ کر لے گئے۔

دوسرے دن صبح منہ اندھیرے ہی رانی کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھنے کا من نہیں ہو رہا تھا۔ ساری رات عجیب سپنے دیکھتی رہی تھی۔ جب اس نے فرنگی مل کے ڈرائیور کو گالیاں دے کر باہر دھکیلا تھا اور چٹخنی چڑھا کر کھاٹ پر لیٹ گئی تھی تب اس نے سونے کی بہت کوشش کی تھی لیکن نیند کو نہیں آنا تھا سو نہیں آئی۔ چھت اور دیواریں کھانے کو آ رہی تھیں۔ من ہوا کہ لالٹین بجھا دے لیکن ایسا لگا کہ اگر لالٹین بجھا دی تو اندھیرا اسے نگل جائے گا۔ اندر باہر سے وہ چھٹپٹا رہی تھی۔ نہ جانے کب لالٹین کا تیل ختم ہوا اور کب اسکی آنکھ لگی۔ سپنے میں وہ ندی کے کنارے بیٹھی گا رہی تھی۔

توی کے تیر اک دل کو چرانے والے

ہمیں لے چلو اس پار سجن

نگر تیرے میں دشمن بستے

رہنے نہیں دیتے رات سجن

توی ندی میں کشتی تیرتی دکھائی دے رہی تھی اور کشتی میں چرن چپو لئے بیٹھا تھا۔ اسکا ہاتھ پکڑ کر چرن نے اسے کشتی میں بیٹھایا اور پھر دھیرے دھیرے اسے اس پار لے چلا۔ پھر اچانک ہی توی میں سیلاب آ گیا اور اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ کشتی الٹ گئی اور چرن اسے اٹھا کر بپھری ہوئی لہروں کے بیچ سے گزرنے لگا۔ پھر اچانک ہی ایک بڑی لہر آئی اور کمرے میں اندھیرا تھا اور اسے پسینے آ رہے تھے۔ خوف سے جسم کانپ رہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر دوڑنا چاہتی تھی لیکن باہر بھی تو اندھیرا ہی تھا۔ دھیرے سے خاموشی سے اٹھ کر وہ اندھیرے میں ہی چلتی چلتی اس طاق کے پاس جا کھڑی ہوئی جہاں کرشن بھگوان کی مورت تھی۔ اندھیرے میں ہی اس نے مورت کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ کچھ حوصلہ ہوا۔ پھر سے کھاٹ پر آ کر لیٹ گئی مورت کو سینے سے لگائے ہوئے وہ پھر ایک سپنا دیکھنے لگی۔ اپنے گاؤں کے باہر ایک بیری پر چرن چڑھا ہوا ہے اور بیر توڑ توڑ کر اس کی جھولی میں پھینک رہا ہے۔ پھر اس نے دیکھا کہ پرمنڈل کے میلے میں ایک دم وہ اکیلی ایک جھولے میں بیٹھی ہوئی ہے اور چرن اسے جھلا رہا ہے۔ مندر کی ایک دیوار پر اسے بھگوان کی ایک مورت ملی ہے۔ یہ وہی بھگوان ہیں۔ اس کی چھوٹی سی مورت والے بھگوان۔ پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اور اس نے دیکھا مورت کے ہاتھ اس کی چھاتی پر رکھے ہیں۔

روشنی ہونے والی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ باہر سے آتی نل کی شوں شڑاں کی آواز سنائی دی تو جھٹ سے اٹھ کر پانی بھرنے چلی گئی۔ دن کا اجالا ہوتے ہوتے وہ پانی بھر کر نہا دھو کر بیٹھی تھی۔ جی کیا

کہ کوئی اچھی سی سبزی ترکاری بازار سے جا کر لے آئے۔ شام کو چرن آئے گا تو وہ آج بھی اسے روٹی کھلائے گی۔ تالا لگا کر جب وہ باہر نکلی تو سڑک پر بڑی چہل پہل محسوس ہوئی۔ کرانے کی دوکان والے سے معلوم ہوا کہ آج شوراتری ہے۔ حیرانی ہوئی کہ اسے اتنی بھی سدھ بدھ نہیں۔ کیسی بے خبر ہوگئی ہے وہ؟ کیوں نہ رپیوں والے مندر ہو آئے۔ اب سال سال بھی نہیں جانا ہوتا۔ وہ مندر پہنچی۔ بہت لوگ اندر باہر آ جا رہے تھے۔ بل پتر لے کر وہ بھی اندر گئی۔ ماتھا ٹیکتے اچانک ہی چرن کا چہرہ آنکھوں کے آگے آ گیا۔ آنکھیں بند کر کے وہ چرن کو دیکھتی رہی۔ آنکھیں کھولی تو شوجی سامنے تھے۔ اس نے پرارتھا کی کہ چرن کبھی اس سے دور نہ جائے۔

مندر سے باہر آئی تو سامنے بملا نظر آ گئی۔ ہسپتال میں نرس ہے۔ جب وہ چرن کو دیکھنے گئی تھی تو اس نے ہی اسے بے وقت ہسپتال میں داخل کروایا تھا۔ پہلے بملا بھی رانی کی طرح در بدری کا شکار تھی۔ نوکری لگی تو جیسے پڑاو گیا۔ پھر سنا کہ ایک سردار ڈاکٹر اس پر عاشق ہو گیا ہے۔ ''بملا'' رانی نے پکارا۔ '' ارے کہیں نظر ہی نہیں آتی تم؟'' بملا نے بتایا۔ کہ سردار ڈاکٹر سے اس کی شادی ہونے والی ہے۔ بہت خوش تھی۔ چہرہ کھلا کھلا لگ رہا تھا۔ '' مبارک ہو!'' رانی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا '' اری ہمیں بھی بلانا۔ کہیں بھول نہیں جانا۔''

'' تم آؤ نا کبھی ہسپتال گپ شپ ماریں گے۔''

'' آؤں گی۔''

'' ضرور آنا۔ بملا چلی گئی۔ رانی کو بہت خوشی ہوئی یہ سن کر کہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔ کتنی قسمت والی ہے۔ کتنا اچھا سردار ہے ہمیشہ کے لیے نرک سے نکل گئی۔ بملا کے بارے میں سوچتی سوچتی وہ سبزی والی دکان پر پہنچی۔ کل چرن کو تر ڑ اچھے لگے تھے۔ آج کیا لے جائے؟ من ہی من جھنجھلا اٹھی کل ہی کیوں نہیں پوچھ لیا کہ اسے اور کیا پسند ہے۔ آخر اس نے پھول گوبھی اور آلو خریدے۔ پھر کلوراج ماں لے کر گھر کی طرف چل دی۔ گلی میں گھستے ہی اسے اپنے دروازے کے سامنے کھڑا دھرموشاہ نظر آیا۔ وہ تالا دیکھ کر سوچوں میں پڑا ہوا تھا۔ '' آ پہنچا مرا'' رانی الجھن میں پڑ گئی۔ تھوڑی دیر لگا کر آتی تو شاید ملاقات نہیں ہوتی۔ لیکن اب تو سامنے آ پہنچی تھی۔ چپ چاپ تالا کھولنے لگی۔ دھرموشاہ سگریٹ کا کش لگاتے لگاتے رانی کو نظروں ہی نظروں میں ایسے ٹٹول رہا تھا جیسے قصائی بکرے کو دیکھتا پرکھتا ہے'' آج صبح سویرے ہی شاہ جی کیسے آنا ہوا'' رانی نے اندر گھستے ہی پوچھا۔

'' شوراتری ہے نہ؟ لڑکے کی چھٹی تھی۔ اسے دکان پر بٹھایا تو فرصت ملی۔ سوچا کر آیہ ہی اگاہ

لائیں۔" "دودن اور ٹھہر جاؤ میں آپ کو پہنچادونگی۔"

دھرموشاہ نے آخری کش لگایا اور سگریٹ موری کی طرف پھینک کر کھاٹ پر بیٹھ گیا بولا۔

"کرائے کی چنتا کس بھڑوے کو ہے۔ چاہے چار مہینوں سے کچھ نہیں ملا لیکن رقم ڈوبی ہوئی تھوڑی ہے۔ میں تو صرف بیاج لینے آیا ہوں۔" اسکی شرارتی آنکھوں کی طرف دیکھ کر رانی خوف زدہ ہوگئی۔

"آؤ بیٹھ جاؤ۔" دھرموشاہ نے کہا۔

"نہیں میری طبیعت ٹھیک نہیں تم جاؤ یہاں سے۔" رانی کا تن بدن مجبوری اور ڈر سے کانپنے لگا۔ دھرموشاہ کھاٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "کیا بات ہے آج نخرے تمہارے پیر ہی زمین پر نہیں پڑنے دیتے ہیں۔" کہتے کہتے وہ اسکے پاس آیا اور اس کا ہاتھ پکڑنے لگا۔ رانی نے ہاتھ کھینچ لیا اور بولی "جاؤ یہاں سے مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔"

"پہلے تو تم نے کبھی اس طرح نخرے نہیں کیے۔"

"میں نے یہ کام چھوڑ دیا ہے۔"

کب سے ستی ساوتری ہوئی ہو؟ دھرموشاہ نے طنز کیا۔ لیکن رانی نے جواب نہیں دیا۔ پھر ایکدم دھرموشاہ کو جنون چڑھ آیا۔ "میری جان ہمارے ساتھ یہ ستی ساوتری والے کھیل نہیں کھیل ہم تو شروع سے تمہارے چاہنے والے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے رانی کو اپنی مضبوط جکڑ میں کس لیا۔ رانی زور لگا کر اپنے آپ کو چھڑانے لگی۔ دھرمو سانڈ کی طرح ہانپ رہا تھا۔ دھینگا مشتی میں سنبھلا نہیں گیا تو دونوں ایک طرف جا گرے۔ پیڑھی کا پایا دھرموشاہ کی پیٹھ پر ایسا لگا کہ اسکی چیخ نکل گئی۔ رانی نے جھٹ اٹھنے کی کوشش کی لیکن دھرموشاہ سے اب ہلنا بھی مشکل تھا۔ رانی نے جھٹ اٹھنے کی کوشش کی۔ رانی جھٹ پٹ دروازے کے پاس پہنچ کر دروازہ کھولنے ہی لگی تھی کہ باہر سے کسی نے دوروازے پر دستک دی۔ وہ رک گئی۔ دھرموشاہ کی طرف دیکھ کر اس نے جھٹ اپنے بال سنبھالے اور کپڑے سیدھے کرنے شروع کیے۔ دھرمو بھی دروازے کی آہٹ سن کر کھڑا ہوگیا تھا۔ رانی نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے پولیس کا سپاہی کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر دونوں حیران رہ گئے۔ سپاہی نے پوچھا۔ "تمہارا نام رانی ہے؟" رانی نے سر ہلایا۔

"تمہیں تھانیدار صاحب نے بلایا ہے۔"

"کہاں"

"ستی تھانے"

رانی کی سانس رک گئی۔ کچھ سمجھ نہیں آیا۔

سپاہی پھر بولا۔ ''یہاں کا مالک مکان کون ہے؟''

رانی حیران پریشان سی تھوڑا ایک طرف ہٹ گئی۔ تاکہ سپاہی دھرموشاہ کو دیکھ لے۔ ادھر دھرموشاہ کی جیسے جان ہی نکل گئی تھی۔ اس سے نہ تو ہلا جا رہا تھا نہ کچھ بولا جا رہا تھا۔ سپاہی مسکرا کر بولا۔ ''یہاں تو صبح سویرے ہی عشق کی دوکان کھلی نظر آتی ہے۔ شوراتری ہے کہ۔'' کہتے کہتے وہ اندر گھس آیا۔ ''کیا نام ہے تمہارا؟''

''دھرموشاہ۔'' اس نے ہونٹ لٹکاتے ہوئے جواب دیا سپاہی ہنس دیا۔ یہ کوٹھا دھرم پنیہ کے کام کے لئے کرائے پر چڑھایا لگتا ہے شاہ؟ تم بھی تھانے آ جانا۔ اگر تم دونوں چار بجے تک نہیں پہنچے تو وارنٹ لے آؤں گا اور ہتھکڑیاں ڈال کر لے جاؤں گا۔ سمجھ لیا نا۔؟'' پھر وہ باہر نکلنے لگا لیکن دروازے کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ ''یہاں پڑوس میں کون رہتا ہے؟''

رانی نے جواب دیا۔ ''مسلمانوں کا گھر ہے ایک۔''

''اچھا میں دیکھ لیتا ہوں۔ لیکن تم ٹائم سے پہنچ جانا۔'' کہہ کر سپاہی چلا گیا۔

''آئی مصیبت۔'' دھرموشاہ ایسے بولا جیسے موت سر پر کھڑی ہو۔

''سالی ہمیں بھی اپنے ساتھ بندھوانے لگی۔ کیا منحوس دن چڑھا ہے آج۔ سارے شہر میں بدنامی ہو جائے گی۔'' کہتے کہتے دھرموشاہ باہر نکل گیا اور رانی جہاں کھڑی تھی وہاں ہی بت بنی کھڑی رہی۔ اسے کچھ سدھ بدھ نہیں رہی تھی۔

☆

تھانیدار سمیال کرسی پر بیٹھا تھا اور رمضان سامنے کھڑا تھا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' سمیال نے پوچھا

''جی رمضان۔''

''کیا کام کرتے ہو؟''

''بڑھئی ہوں جی''

''گھر میں کتنے لوگ ہیں؟''

''تین۔ ایک میں میری بیوی اور ماں۔''

''بیوی بیوی ہے یا کہیں سے بھگا کر لے آئے ہو۔''

''صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔ جناب وہ میری بیوی ہے۔ نکاح کیا ہوا ہے۔''

''نکاح کیا ہوا ہے تو شرم نہیں آتی اس سے خراب کام کرواتے؟''

''جناب ہم شریف لوگ ہیں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''پھر تمہاری شکایت کیوں آئی؟

''کسی نے دشمنی نکالی ہوگی۔ جناب ہمیں یہ کسب نہیں آتے۔''

''چپ کر۔'' سیمال نے ہاتھ میں پکڑا ہوا رول زور سے میز پر مارا۔'' ہماری اطلاع کہیں غلط نہیں ہوسکتی۔ اب بھی سچ بول دے نہیں تو ہمیشہ کے لیے اندر کردوں گا۔''

رمضان گھبرا گیا۔ دھیرے سے بولا۔'' جناب آپ نے جسے باہر بیٹھا رکھا ہے کسی نے اسی کی شکایت کی ہوگی۔ وہ ہمارے گھر کے پاس رہتی ہے۔''

''زیادہ بک بک مت کرو۔ تمہیں معلوم ہے کسی پر جھوٹا الزام لگانے کی کیا سزا ہے؟''

''مہاراج میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ وہ پیشہ کرتی ہے۔''

''کوئی ثبوت ہے؟''

''مہاراج ہم دن رات یہ تماشا دیکھتے ہیں۔''

''تجھے اپنی بیوی کا ذرا بھی خیال نہیں چاروں پہر یہ کنجر کھیل دیکھ کر وہ کیا سوچتی ہوگی۔''

''مہاراج ہمارے ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ ہی بتاؤ۔''

''درخواست تو دے ہی سکتے ہو کہ سرعام غیر قانونی دھندا ہو رہا ہے اسے بند کرایا جائے۔ آگے جو ہم کریں۔ چلو جاؤ۔ اس حوالدار کے پاس بیٹھ کر درخواست لکھو۔ یہ تمہارے ہی فائدے کی بات ہے۔ نہیں تو تمہیں ہی اندر کردوں گا۔'' تھانیدار سمیال نے آواز دے کر حوالدار کو بلایا سب کچھ سمجھایا اور رمضان کو اس کے ساتھ چلتا کیا۔ پھر اس نے باہر بیٹھے دھرمو شاہ کو بلایا۔ رانی بھی وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ دھرمو سمیال کے سامنے آ کر اس طرح کھڑا ہوا جیسے ماں مرگئی ہو۔ سمیال نے اسے دیکھا تو بولا۔'' کیوں بھئی دھرمو شاہ اچھا نام نکالا تم نے اپنے باپ کا؟ فتح شاہ کی اولاد بھی حرام کاری کی راہ پڑ گئی؟''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں تھانیدار صاحب؟ ہم ایسے خراب کاموں میں پڑ سکتے ہیں؟''

''پھر یہ سب کیا کسب پکڑے نہیں؟ ہیں۔ آج شیوراتری کے دن صبح سویرے ہی رنڈی کے پاس جا پہنچے۔''

''مہاراج میں تو مکان کا کرایہ اگاہنے گیا ہوا تھا۔''

کنڈا چڑھا کر کرایہ اگاہ رہے تھے یا دھرم کرم کے دن دیوا سنان کر رہے تھے؟''

''مہاراج میں تو گھر سے نہا دھو کر گیا تھا لیکن یہ منحوس ایسی ٹکرائی کہ آپ کے سامنے حاضر

ہونا پڑ گیا۔ پتہ نہیں کس منحوس دن اسے مکان کرائے پر دیا تھا۔ مجھے اس جھنجھٹ میں مت پھنسانا مہاراج۔ میں آپ کی منت کرتا ہوں۔''

''تم ایک منٹ میں اندر ہو سکتے ہو۔ اپنے مکان میں عورت سے پیشہ کرانے کے جرم میں۔ لیکن ہمارے باپو کا بڑے شاہ جی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا اس لیے انکے لحاظ سے کچھ نہیں کہتا لیکن ایک درخواست لکھنی پڑے گی کہ اس عورت کے برے کاموں کی تمہیں کوئی جانکاری نہیں تھی اور بھول سے تم نے اسے مکان کرائے پر دے دیا۔ اب مفاد عامہ کے پیش نظر اس کسبی کو اس مکان سے باہر نکالا جائے۔ کیا کہتے ہو؟''

''مہاراج آپ تو میرے فائدے کی بات کر رہے ہو۔ ایسی بدکار عورتوں نے شہر میں گندگی پھیلا رکھی ہے۔ انہیں تو شہر بدر کرنا ہی چاہیے۔''

''چلو پھر لکھو درخواست'' اور سمیال نے اسی حوالدار کو بلا کر اسے بھی اس کے ساتھ بھیج دیا۔

درخواستیں لکھی گئیں دستخط ہوئے تو سمیال نے دھرموشاہ کو دھیرے سے کہا۔ ''چاولوں کی بوری گھر چھوڑے جانا۔'' پھر رمضان اور دھرموشاہ کے جاتے ہی درخواستوں کو ہاتھ میں پکڑ کر سمیال نے فرنگی مل کو فون کیا۔ ''چوہدری جی ہم نے پہلے ہی کہا تھا آپ کا کام ہمارے بائیں ہاتھ کی مار ہے۔ ایک آدھ گھنٹے کے بعد آپ ادھر سے ہوتے جانا۔'' فرنگی مل نے خوش ہو کر جواب دیا سمیال صاحب اسی لیے تو ساری ریاست میں آپ جیسا فرض شناس پولیس افسر کوئی نہیں۔ آپ نے ہمارا کام کیا۔ ہم بھی۔ میں ایک گھنٹے میں بعد آتا ہوں۔'' سمیال نے فون رکھا اور سامنے کھڑے حوالدار کو اشارہ کیا کہ باہر بیٹھی عورت کو اندر بلائے۔

سہمے ہوئے من سے رانی تھانیدار کے سامنے ایسے آئی جیسے کوئی بت اپنی جگہ سے چلتا چلتا آئے۔ ہاتھ بانہہ ہلا رہی تھی نہ آنکھ جھپکا رہی تھی۔

سگریٹ کا کش لگاتے اور تھوڑا تھوڑا مسکراتے ہوئے سمیال نے نظروں ہی نظروں میں جانچا پرکھا اور دل ہی دل میں کہا ''چیز بڑھیا ہے۔'' اور پھر اسے سامنے کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ رانی جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی۔ سمیال نے حوالدار کی طرف گھور کر دیکھا۔ اس کا مطلب تھا دفع ہو اور وہ دفع ہو گیا۔

رانی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سمیال کہنے لگا۔ ''کیسی حیرانی کی بات ہے کہ عورت جتنی خوبصورت ہوتی ہے اس کے دماغ میں اتنا ہی بھس بھرا ہوتا ہے۔ اور اگر وہ تمہاری طرح اکیلی ہو تو اپنی ہی مٹی خراب کر بیٹھتی ہے۔ تمہیں معلوم تمہارے خلاف کتنی شکایتیں آ چکی ہیں؟''

دھرموشاہ نے لکھ کر دیا ہے کہ اس کا مکان خالی کرایا جائے کیونکہ تم وہاں غیر اخلاقی اور غیر سماجی کام کرتی ہو۔ رمضان اور اس کے گھر والے تمہارے خلاف گواہی دینے کو تیار ہیں۔''

رانی نے روہانسے لہجے میں جواب دیا۔ ''تھانیدار جی میں ایسا کوئی کام اب نہیں کرتی۔''

''مگر تم کرتی تو رہی ہو۔ تمہارے خلاف ثبوت ہیں ہی۔ تمہیں اندر کرانا ایک منٹ کا کام ہے۔''

رانی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا ''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

سمیال دھیرے سے بولا۔ ''تمہیں فرنگی مل کی بات ماننی ہوگی۔''

رانی کو دھکا سا لگا۔ سمجھ گئی کہ ساری مصیبت فرنگی مل کی پیدا کی ہوئی ہے۔ رات کو اس نے اس کے ڈرائیور کو گالیاں دی تھیں اور دھکے دے کر نکال دیا تھا۔ اسی کا بدلا لے رہا ہے۔ ٹھیک ہے لیتا رہے بدلا۔ کر لے جو کرنا ہے۔ میں نے اپنی قسم نہیں توڑنی۔ رانی نے سوچا اسے چپ دیکھ کر سمیال پھر بولا۔ ''بڑے لوگوں سے ہمیشہ بنا کر رکھنی چاہیے۔ سنا نہیں جن کی پیٹھ پر بڑے لوگ ہوتے ہیں ان کی برابری کوئی نہیں کر سکتا۔''

رانی سے اب چپ نہیں رہا گیا۔ بولی۔ ''ایک طرف آپ مجھے گناہ کرنے کو کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف قانون کا خوف بھی دے رہے ہیں۔''

مونچھوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے سمیال نے سمجھانا شروع کیا۔ ''یہ قانونی داؤ پیچ ہیں تم نہیں سمجھ سکتیں۔ تم اتنا جان لو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہارا بھلا اس میں ہے۔''

''میں نے پھر سے وہ پیشہ نہیں کرنا۔'' رانی نے جس مضبوط لہجے میں یہ بات کہی اسے دیکھتے ہوئے سمیال سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پوچھا ''تم کسی کے گھر بیٹھ گئی ہو؟''

''کوئی عقل کا اندھا تو نہیں پھنسا لیا؟''

رانی کو ابکائی آ گئی۔ لیکن اس نے اپنے چہرے کو ویسے ہی کڑا بنائے رکھا۔ ''نہیں۔''

''پھر تمہارا گزارہ کیسے ہوتا ہے؟''

''آپ کو اس سے کیا لینا ہے؟''

ایک ٹک دیکھتے ہوئے سمیال دائیں ہاتھ میں پکڑے رول کو دھیرے دھیرے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارنے لگا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہاتھ آئی مرغی جسے وہ کسی وقت بھی مروڑ سکتا ہے زبان کیسے لڑا رہی ہے؟ رانی سر نیچا کئے ہٹ قائم رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دل کی بڑھتی دھڑکن پر

قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

سمیال نے پوچھا۔ ''پہلے کبھی تھانے حاضر ہوئی ہو؟''

''نہیں۔'' رانی نے نظریں جھکائے ہوئے جواب دے۔

''تبھی'' سمیال اسے پھر اونچ نیچ سمجھانے لگا۔ ''بکری بوچڑ خانے میں آ کر بھی اچھل کود کرتی رہتی ہے کیونکہ اسے پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کہاں آئی ہے۔ لیکن تم تو انسان ہو کچھ سوچو۔ ادھر ادھر سے کچھ سنا ہی ہوگا یہاں کے بارے میں۔ یہ تھانہ ہے۔ جہاں تم بیٹھی ہوئی ہو اپنی دشمن مت بنو میری بات مان لو۔

رانی نے نظریں اوپر اٹھائیں اور بولی۔ ''میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے پھر سے اس نرک میں مت ڈھکیلو قانون تو اس راستے پر جانے والوں کو روکتا ہے۔ آپ مجھ پر قانون کا دباؤ ڈال کر اسی راستے پر ڈال رہے ہو۔''

''تم زیادہ بک بک نہ کرو۔'' سمیال کو غصہ آ گیا۔ ''میں ڈور ڈھیلی چھوڑ رہا ہوں تو اکڑتی جا رہی ہو۔ ڈنڈے کے زور پر سیدھا کرنا ہو تو ایک منٹ نہیں لگے۔ میں آخری بار پوچھتا ہوں تم نے فرنگی مل کی بات ماننی ہے یا نہیں؟

''نہیں۔'' رانی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لو سی جلنے لگی تھی۔

''پھر سوچ لو۔''

''میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے۔''

''تجھے معلوم نہیں کہ تیرے ساتھ کیا بیتے گی؟''

''جو بیتنی ہے بیتے میں نے ایک بار جب خراب کام چھوڑ دیئے تو چھوڑ دیئے۔''

''پچھتاؤ گی تم۔''

''نہیں پچھتاؤں گی۔'' رانی اس طرح بول رہی تھی جیسے وہ نہیں اسے چمٹا ہوا بھوت جواب دے رہا ہو۔ سمیال نے پھر کاٹھی ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''ایک بات اور سوچ لو اندر ہی اندر تیرے ساتھ کچھ برا خراب ہو گیا تو؟''

''جب تک میرے دم میں دم ہے مجھے کچھ نہیں ہوگا۔''

''اچھا پھر تمہاری مرضی بعد میں ہمیں نہیں کہنا کہ تمہیں موقع نہیں دیا۔'' یہ کہہ کر سمیال نے باہر کھڑے حوالدار کو بلایا۔ ''اسے حوالات میں بند کرو۔ دھرمو شاہ اور رمضان نے جو درخواستیں دی ہیں ان کی بنیاد پر اس کے خلاف کیس تیار کرنا پڑے گا تبھی اس کی عقل ٹھکانے آئے گی۔''

باہر سے رانی نے چاہے جتنی بھی ضد پکڑ رکھی تھی لیکن اندر دل کانپ رہا تھا چپ چاپ حوالدار کے پیچھے چلتی ہوئی اندر چلی گئی سمپال کا خون کھول رہا تھا۔ وہ مونچھوں پر انگلیاں پھیرنے لگا۔ اسے جب بھی کسی نے للکارا تھا اس نے اسی طرح مونچھوں کو تاؤ دیا تھا۔

☆

گوپال فرنگی مل کے گھر سے نکلا تو اسے محسوس ہوا کہ شکنتلا کی آنکھیں کہیں سے جھانک کر ضرور اسے دیکھ رہی ہیں۔ اس نے ایک دو بار پیچھے مڑ کر بھی دیکھا لیکن کون سی کھڑکی کون سے دروازے کی جھری میں سے دیکھ رہے ہیں اسے پتہ نہیں چلا۔ موڑ مڑ کر وہ سڑک پر آیا تو جیب میں سے گلاب کا سرخ پھول نکال کر دیکھنے لگا۔ شکنتلا کی ماں جب چائے لینے گئی تھی تب شکنتلا نے جھٹ پٹ الماری میں سے پھول نکال کر اسے دیا اور کہا۔ ''اسے اپنی جیب میں رکھ لو۔'' دو بار پہلے بھی وہ اسے پھول دے گئی تھی اس کے گھر آ کر۔ لیکن پھول دینے کا یہ ڈھنگ کچھ عجیب ہی تھا۔ جیسے شکنتلا نے اپنا دل نکال کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا ہو۔ گوپال نے کئی بار پھول سونگھا اور پھر اسے جیب میں رکھ لیا۔ ڈر تھا کہ آس پاس سے گذرتے ہوئے لوگ کچھ اور ہی نہ سمجھ لیں۔ ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی کالج اسٹوڈنٹ ہی ہو تو کل سارے کالج میں یہ بات پھیلا دے۔ ''پروفیسر صاحب کل شکنتلا کے گھر کے پاس سڑک پر چلتے ہوئے گلاب کا پھول سونگھ رہے تھے۔ گوپال نے ارد گرد دیکھا لیکن کوئی نہیں تھا دیکھنے والا

آج وہ بہت خوش تھا۔ اتنے بڑے گھر میں اسے پہلی بار اتنی عزت اتنا آدر ملا تھا بن ماں کا لڑکا نہ گھر نہ ٹھکانہ ایک دم اکیلا اپنی لگن اور محنت سے آج یہاں تک پہنچ گیا کہ رئیس اعظم کہلانے والے چوہدری فرنگی مل کی لڑکی اسے خاص طور پر بلا کے گھر لے گئی۔ ماں خود چائے اٹھا کر لائی اور فرنگی مل خاص طور پر اس کے پاس آ کر بیٹھا اور اس کے بارے میں کئی سوال پوچھے۔ گوپال نے سب کچھ بتایا۔ کہیں کہیں جھوٹ بھی بولا۔ لیکن میل کھاتا جھوٹ۔ وہ بھی بہت کم۔ جیسے ہماری کوئی دوسو بیگھا زمین پاکستان کی طرف رہ گئی۔ دوسو بے شک نہیں لیکن سو بیگھا تو تھی ہی۔

شکنتلا نے گوپال کو پڑھنے کے لیے جو پہلا ناٹک دیا تھا اس نے اسے بیٹھ کر دھیان سے پڑھا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ تحریر بھلے ہی بچکانی ہے لیکن لکھنے والی میں امنگ ہے۔ شعور ہے لیاقت ہے۔ شکنتلا کو اس نے اس ناٹک کی کمزوریاں بتا کر کہا کہ وہ پھر سے اس ناٹک کو لکھے۔ لیکن شکنتلا نے اس کی جگہ نیا ناٹک لکھ ڈالا۔ گوپال وہ نیا ناٹک پڑھ کر دنگ رہ گیا۔ شکنتلا نے سچ مچ اچھا ناٹک لکھ لیا تھا۔ ایک دو جگہ چھوٹی موٹی غلطیاں تھیں۔ کردار نگاری کے بارے میں اور زبان کے متعلق ایک

دو مشورے دیے اور بس۔ اس نے شکنتلا کی بڑی تعریف کی۔ اس کے احساسات کی تعریف کی۔ شکنتلا بڑی خوش ہوئی۔ جب وہ ناٹک کو دوسری بار لکھ کر لائی تو ساتھ ہی گلاب کا ایک پھول بھی لے آئی۔ گوپال کو پھول بھی اچھا لگا ناٹک بھی اور شکنتلا بھی۔ پھول اس نے اپنی میز پر رکھ لیا۔ ناٹک ریڈیو اسٹیشن دے آیا اور ایک دن چپکے سے شکنتلا کا ہاتھ پکڑ لیا شکنتلا کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ تڑپتی نظروں سے اس نے گوپال کی طرف دیکھا اور ہاتھ چھوڑ کر ہونٹوں سے مسکان بکھیرتی کمرے سے باہر چلی گئی۔ دوسرے دن کالج سے دونوں نے ایک دوسرے کو اس طرح دیکھا جیسے وہ دونوں نئے نئے ہو گئے ہوں۔ نظر اور تھی۔ مسکان اور تھی۔ رنگ ڈھنگ اور ہی تھے۔ پھر ایک روز شکنتلا نے کہا۔ پروفیسر صاحب آپ ہمارے گھر کب آئیں گے؟''

گوپال سوچ رہا تھا کہ آج جس طرح اس کا سواگت ہوا تھا اس کی عزت ہوئی تھی اس کا کچھ اور بھی مطلب ہے۔ شکنتلا کی ماں تو زیادہ ہی مہربان ہو رہی تھی۔ فرنگی مل بھی جیسے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کرید کرید کر پوچھ تاچھ کرنے لگا، غیر کو کوئی اس طرح پوچھتا ہے؟ گوپال کو زندگی کا سفر اور سیدھا اور آسان محسوس ہو رہا تھا۔ جیب میں سے پھول نکال کر اس نے پھر سے اسے سونگھا۔ اسی وقت اسکی نظر اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے مدن پر پڑی۔ اس نے جھٹ پھول کو پھر سے میز پر رکھ دیا۔

مدن نے پھول کی طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ دوڑ کر پاس آیا۔ '' گوپال میری نوکری کا آرڈر نکل آیا۔'' یہ کہہ کر وہ گوپال سے بغل گیر ہوگیا۔

'' شکر ہے میں تمہیں تمغہ دینا چاہتا ہوں۔ جس ڈھنگ سے تم نے یہ نوکری حاصل کی ہے بڑے بڑے تیس مار خاں ایسا نہیں کر سکتے۔''

'' چھوڑ یہ باتیں۔ یہ آرڈر پڑھو۔'' مدن نے جیب میں سے آرڈر نکال کر اسے دیا۔ اس میں اس لکھا ہوا تھا کہ انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کے اندر ایک نیا ونگ بنایا جا رہا ہے اور مدن لال شرما کو اس کا انچارج بنایا جاتا ہے۔ جموں صوبہ میں جتنے ویرائٹی شو، ناٹک، سنگیت سمیلن، مشاعرے وغیرہ ہوں گے وہ سب اسی ونگ کے تحت ہوں گے۔ آرڈر پڑھ کر گوپال کو خوشی بھی ہوئی اور جلن بھی۔ اس شاندار پوسٹ پر اس کا حق تھا۔ پھر جب اس نے تنخواہ پر نظر ڈالی تو تسلی ہوئی۔ مدن کی تنخواہ اس سے کافی کم تھی۔ یہ اندازہ لگانے میں بھی اسے وقت نہیں لگا کہ مدن کی اس پوسٹ کی وجہ سے اسے بھی کافی فائدہ ہوگا۔ مدن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس نے کہا، '' یار تم بہت خوش قسمت ہو تمہارے لئے پرائم منسٹر نے نئی پوسٹ کریٹ کی ہے۔ ان کے دماغ کی داد دینی پڑے گی۔ یہ نوکری تیرے ہی قابل ہے۔ تم تو ایسے یاروں کے یار ہو جو تمہارے ساتھ مل کر یہ سارے کام کر سکتے ہیں۔''

''یہ بھی سچ ہے۔''ترنگ میں آیا ہوا مدن بولا۔''مل جل کر ہی کام کریں گے۔''
''چرن اور پرویز کو بھی آرڈر دکھایا یا نہیں؟''
''ان کو بتا کر آ رہا ہوں۔آج میری طرف سے جشن ہوگا۔تم کہیں جانا نہیں۔ وہ دونوں یہیں آ رہے ہیں۔ میں بھی گھر والوں کو آرڈر دکھا کر آتا ہوں۔''
''ٹھیک ہے۔''گوپال بولا۔ مدن چلا گیا۔اور گوپال کی نظر پھر میز پر رکھے پھول پر پڑی۔ اسے پھر شکنتلا کی یاد آ گئی۔آہستہ سے پھول کو اٹھا کر سونگھنے لگا۔
اپنے دفتر میں بیٹھا چرن سوچ رہا تھا بیچاری رانی آج اس کا انتظار ہی کرتی رہے گی۔ ہوٹل میں سے وہ کھسکنا بھی چاہے گا تو مدن گوپال اور پرویز اسے کھسکنے نہیں دیں گے۔ پھر اس نے سوچا کا سمو ہوٹل سے وہ محلہ زیادہ دور نہیں وہ پانچ منٹ کے لیے وہاں سے ہو آئے گا۔ چار بجنے والے تھے۔ وہ اٹھا چنڈیال بولا۔آج پھر یاروں کی محفل جمتی لگتی ہے؟''
چرن ہنس پڑا۔''آج اپنے جگری دوست کی اپائنٹمنٹ ہوئی ہے۔ایسے موقعے روز روز تھوڑا ہی آتے ہیں۔''
''بڑی قسمت والے ہو۔ ہماری طرح گھر گرہستی کے جھنجھٹوں میں تھوڑے پھنسے ہوئے ہو۔'' جنڈیال کی بات سن کر وزیر بیلی رام نے چٹکی لی۔'' جنڈیال صاحب ان چھوکروں کی بات چھوڑو۔آج آپ میرے ساتھ امب پھلے چلو ٹھیکے کی ایسی پلاؤں گا کہ سورگ کا جھولا جھولنے لگو گے۔''
''وزیر جی اب اس عمر میں آپ نے ہماری مٹی پلید کرنے کی سوچی ہے۔آج امب پھلے لے جا رہے ہو کل پلوڑے بھی پہنچاؤ گے۔''
چرن ہنستا ہنستا باہر نکل گیا۔
پرویز اس کا انتظار کر رہا تھا۔
''آج تو چاروں طرف خوش خبریاں ہی خبریاں ہیں۔''
''اور کون سی خوش خبری ہے؟''چرن نے پوچھا
''شکروار کو میڈم بسو بلی کے دورے پر جا رہی ہے۔اتنی جلدی اگلے دورے کا پروگرام خاص طور پر بنایا گیا لگتا ہے۔یار جو میرا دل اتنا تڑپتا رہتا ہے تو اس طرف بھی تو کوئی آگ لگی ہوئی ہوگی۔ ہنس کر دونوں نے ہاتھ ملائے۔ پرویز نے پھر کہا۔''آج سیکرٹریٹ کے باہر مجھے مسز راج دیو ملی تھی کہہ رہی تھی۔ مہیلا منڈل کی طرف سے ایک اور ڈراما کرانے کی منظوری مل گئی ہے۔اس نے ہم سب

کو اپنے گھر بلایا ہے۔''

''بہت زیادہ ٹھنڈی ہوائیں آ رہی ہیں چاروں طرف سے۔ اچھا چلو اب چلیں مدن اور گوپال انتظار کر رہے ہوں گے۔''

پرویز نے اپنی فائلیں سمیٹیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اٹھتے اٹھتے اس کی نظریں چرن کے سویٹر پر پڑی۔ ''چرن یار آج تو تم نے بڑا خوبصورت سویٹر پہن رکھا ہے۔ کس نے بنا ہے؟''

''تمہیں بتایا تھا نہ کہ چینچل میرے لیے بن رہی ہے۔ بہت دنوں سے بننا شروع کیا ہوا تھا۔ بیچ میں اسے اچانک ہی اپنے ننھیال جانا پڑ گیا تو سویٹر یہاں بھول گئی۔ اب آ کر پورا کیا تو ہمیں پہننے کو ملا۔''

''آج کل تمہاری قسمت بڑی چمک رہی ہے۔''

''سویٹر کی بات چھوڑ یار اصلی گرمی تو رانی کے عشق کی ہے۔''

''تم سچ ہی اس سے عشق کرنے لگے ہو؟''

''ہاں مجھے سچ ہی اس سے عشق ہو گیا ہے۔''

چلتے چلتے پرویز اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ دونوں گوپال کے گھر پہنچے تو باہر سے ہی مدن کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ سنا رہا تھا کہ جس وقت اس نے گھر میں نوکری کا آرڈر دکھایا تو ماں نے جھٹ اسے گلے سے لگا لیا۔ پیار کیا اور کل ویشنو ماتا جانے کی تیاری شروع کر دی۔ چرن بولا۔ ''جب میری نوکری لگی تھی تو ماں خوشی سے رونے لگی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں نوکری کا آرڈر ہے۔ اپنے ہاتھ میں نوکری کا کاغذ لے کر ماں اسے دیکھنے سمجھنے لگی۔ پڑھنا تو کیا تھا آخر میری بات کا یقین کر کے کاغذ کو ماتھے سے لگا لیا اور اپنے آنسوؤں سے اسے گیلا کر دیا۔''

چرن کی بات سن کر سب چپ ہو گئے۔ پھر گوپال بولا۔ ''آج کے زمانے میں نوکری سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں سارے رشتے ناتے ساری عزت آبرو سارے بھائی چارے اسی کے ساتھ بندھے ہیں۔ اس کے بغیر سب سکھ آنند موج میلے جھوٹ سمجھو۔''

''اچھا اب یہ ساری لیکچر بازیاں چھوڑو اور چلو چلیں۔'' مدن نے کہا۔

''بھئی ایک بات میں پہلے ہی کہہ دیتا ہوں۔'' چرن بولا۔ ''مجھے بعد میں نہیں کہنا۔ میں نے کاسمو سے اٹھ کر دس منٹ کے لیے کھٹیکیں کے تالاب ضرور جانا ہے۔''

''تمہیں جانا ہو گا تو بعد میں جاتے رہنا۔'' گوپال نے کہا۔

''نہیں اس وقت بڑی دیر ہو جاتی ہے۔ وہ شام سے ہی میرا انتظار کرتی رہتی ہے۔''

مدن گوپال اور پرویز نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ گوپال مسکرا کر بولا۔ ''معاملہ کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا لگتا ہے۔''

چرن نے کہا۔ ''اتنا بڑھا ہوا ہے کہ بہت سی باتیں تمہیں بھی نہیں بتا سکا۔''

''اچھا اب یاروں سے بھی چوری۔'' مدن نے طنز کی۔

''چوری نہیں کچھ باتیں ہی ایسی ہیں۔'' چرن کچھ دیر چپ رہا اور پھر دھیرے لہجے میں بولا۔ ''ہم دونوں ایک دوسرے کو اتنا چاہنے لگے ہیں کہ اس نے میرے واسطے سب کچھ چھوڑ دیا ہے۔''

''یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔'' پرویز بولا۔ ''تم اس کے جال میں پھنس گئے ہو۔''

''اسی لیے تو میں نے تمہیں سنایا نہیں تھا۔ تمہیں یقین بھی کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ دل کی کتنی پاک صاف ہے پوتر ہے اس بات کا اندازہ تم نہیں لگا سکتے۔''

دو گھنٹے بعد کاسمو ہوٹل کے ایک کیبن میں بیٹھے ہوئے وہ چاروں دو دو پیگ غٹک چکے تھے۔ چرن کہہ رہا تھا۔ ''دوستو کسی نے سچ کہا ہے عشق اندھا ہوتا ہے لیکن میرے تجربے کے مطابق عشق اس لیے اندھا ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی آنکھیں عشق کرنے والوں کو دے دیتا ہے۔ میری تیسری آنکھ۔ عشق کی آنکھ کھل چکی ہے۔ اس تیسری آنکھ نے ہی مجھے یہ توفیق دی ہے کہ میں دیکھ سکوں کہ غریبی بھوک ننگ انسان سے کیا کچھ کراتی ہیں اور آدمی کیسے کیسے پاپ کرم کرنے کے لیئے مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ دیکھنے کی توفیق بھی مجھے اسی تیسری آنکھ نے دی ہے کہ گناہ کرتے ہوئے آدمی اندر سے کیسے بے گناہ بھی رہ سکتا ہے۔ جسم کا اپنا عمل ہے دل کا اپنا۔ زیادہ اندھیرے میں جیسے تارا اور بھی زیادہ روشنی دیتا ہے اسی طرح جسم کے باہر کی گندگی اور میل دل کو اور بھی پاک صاف کرتی ہے۔''

مدن گوپال اور پرویز ٹکر ٹکر چرن کو دیکھ رہے تھے اور اس کی باتیں ایسے سن رہے تھے جیسے چرن کو ایک اور آنکھ ہی نہیں ایک اور زبان بھی ملی ہوئی ہے۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ چرن جس گہرے پانی میں ڈوب چکا ہے اب اسے وہاں سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ اسی لیے اس کی کسی بات کی مخالفت نہیں کر رہے تھے اور نہ ہی اسے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ تینوں کو اس سے ہمدردی تھی۔ انہیں چرن اس وقت اپنے سے بڑا اور اونچا محسوس ہو رہا تھا۔

چرن تیسرا پیگ پی کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''دوستو مجھے معاف کرنا میں وہاں سے ہو کر ابھی آتا ہوں'' کہہ کر وہ کیبن سے باہر نکلنے لگا۔ اس کا گھٹنا میز کے کنارے سے لگا اور سارے گلاس جیسے چیخ اٹھے۔ ''ساری'' چرن کے منہ سے نکلا اور پھر وہ باہر نکل گیا۔

پرویز بولا۔ ''اب یہ نہیں آنے والا۔ اس کا خدا ہی حافظ ہے۔''

''نہ جانے کیا ہوگیا ہے اسے۔'' مدن نے کہا۔

''اگر اس کی کرتوت نشر ہوئی تو ہماری بھی خیر نہیں سمجھو'' گوپال نے پوری طرح نشے میں ڈوبے ہوئے لیکن دور کی سوچتے ہوئے کہا۔

☆

کونے میں بیٹھی رانی دل ہی دل میں کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔ اپنے آپ پر غصے اور جھنجھلاہٹ کے سبب آنکھوں میں آنسو آ گئے ہوئے تھے۔ وہ کیوں سمیال کے کہنے پر جیپ میں بیٹھ گئی؟ کیوں نہیں ضد کرکے وہ تھانے میں ہی رہی؟ نہ یہاں آتی نہ یوں بے بس ہوتی کوئی سبیل نہیں تھی اس پھندے سے نکلنے کی۔ سمیال اور اس کے دو دم چھلے حوالدار۔ تینوں مشٹنڈے سامنے بیٹھ کر شراب پی رہے تھے اور بھُنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے چبا رہے تھے۔ رانی کی طرف وہ دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا رانی ان کے جال سے نکل نہیں سکتی۔ اس کی باری بعد میں آئے گی۔ شراب اور گوشت کے بعد زندہ گوشت کی!

کچی لسی کے رنگ کی سونفی شراب کا پورا گلاس ایک ہی سانس میں گلے سے اتار کر سمیال نے مونچھیں مروڑی اور چلا کر بولا۔ ''دونی چند ہم نے بڑوں بڑوں کے گھمنڈ توڑ ڈالے اور یہ ایک دھیلے کی گشتی ہمیں ہی آنکھیں دکھانے لگی۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ کس کے آگے بکواس کر رہی ہے۔ اب دیکھنا کیسے کڑاکا نکلتا ہے اس کا۔ سارا غرور نہ توڑ ڈالا تو ہمارا نام بھی بھوپ سنگھ نہیں۔''

''تھانیدار صاحب کچھ عورتیں ایکدم ٹیڑھی ہوتی ہیں۔ یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔'' دونی چند نے شراب کے نشے کے جھولے میں جھولتے ہوئے چٹکی لی۔ دوسرے حولدار کیہری سنگھ نے للچائی ہوئی نظروں سے رانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مہاراج اس وقت تو پھاٹک میں بند ہوئی گائے نظر آ رہی ہے۔''

سمیال نے کھٹے گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''یہ ڈھکوسلے میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اندر سے یہ زہر کی پڑیا ہے۔ آج میں نے اسے کچا چبا جانا ہے۔''

رانی سن سن کر دیکھ دیکھ کر خوف سے کانپ رہی تھی۔ اس نے پکا ارادہ کر رکھا تھا کہ وہ آسانی سے ان سانڈوں کے ہاتھ نہیں آئے گی۔ مرتی مر جائے گی لیکن سمیال کو ہاتھ نہیں لگانے دے گی۔

تھانے میں جب سمیال نے رانی کو بلایا تھا تو اسے حوالات میں بند کرنے کی صرف دھمکی دی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ عدالتی کاروائی کیئے بغیر اندر چلی گئی ہے تو وہ گھبرا گیا۔ اس نے جھٹ فرنگی مل کو فون کیا۔ فرنگی مل نے بھی یہی رائے دی کہ رانی کو اندر بند کرکے کوئی فائدہ نہیں۔ ان کا کام تو تب نکلتا

ہے جب وہ سیدھے راستے آ جائے فرنگی مل نے سمیال کو یہ بھی بتلا دیا رانی کے سیدھے راستے پر آنے کے بعد ہی اسے انعام ملے گا اور منسٹر صاحب کے سامنے اس کی ترقی کی سفارش کی جائے گی۔

سمیال بڑی دیر تک پس وپیش میں پڑا رہا۔ پھر اچانک ہی خیال آیا ایک پنتھ دو کاج ہو سکتے ہیں۔ رانی کو اپنی ٹانگوں کے نیچے سے نکال کر وہ فرنگی مل کے لیئے راستہ کھول سکتا ہے۔ اپنی عیش بھی ہو جائے گی اور نوکری کے گھاٹے بھی پورے ہو سکتے ہیں۔ ترکیب دماغ میں آتے ہی اس نے اپنے دو خاص الخاص حوالدار جنہیں اس نے اپنی مونچھوں کی بالوں کی طرح پال رکھا تھا بلائے اور اپنا مقصد سمجھا دیا۔ دونی چند نے رانی کو جا کر کہا۔ ''تمہیں تھانیدار صاحب بلا رہے ہیں۔''

رانی آئی تو سمیال نے پھر سے اسے پھسلانے بہلانے کی کوشش کی۔ ''مجھے اب بھی تم پر رحم آ رہا ہے۔ کیوں اپنی نازک جان برباد کرنے پر تلی ہو؟ میرا کہنا مانو اور اپنے گھر جاؤ۔'' رانی نے نہ سر اوپر اٹھایا اور نہ ہی کوئی جواب دیا۔ سمیال پھر بولا۔ ''میں نے کسی کو اتنے موقعے کبھی نہیں دیئے۔ قسمت والی ہو تم۔ ابھی بھی مان جاؤ۔'' رانی پھر بھی نہیں بولی تو سمیال طیش میں آ گیا۔ ''تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ اگر تم نے اپنی مٹی پلید ہی کرنی ہے تو تمہیں کون روک سکتا ہے۔'' پھر اسی نے حوالدار کو اشارہ کیا۔ ''دونی چند اسے سینٹرل جیل لے جاؤ عورتوں کے وارڈ میں۔''

سر جھکائے رانی دونی چند کے پیچھے پیچھے چل دی۔ سمیال کی مونچھیں پھڑکنے لگیں اور وہ انگلیوں سے ان پر تاؤ دینے لگا۔

رانی کو پتہ نہیں تھا کہ سینٹرل جیل کہاں ہے۔ وہ جیپ میں بیٹھ گئی۔ اس کا دماغ سن ہو گیا تھا۔ اسے دائیں بائیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جیپ نہر والے محلے سے باہر نکل کر دائیں کنارے کچی سڑک پر دوڑنے لگی۔ زیادہ دھکے لگے تو اچانک ہی اسے ہوش آیا انجانی سڑک پر جیپ کو چلتے دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گئی۔ ''یہ آپ کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟''

''بڑی جیل۔'' دونی چند نے جواب دیا۔ رانی گھبرائی ہوئی بولی۔ ''یہ تو شہر سے باہر جا رہے ہیں آپ۔'' کیہر ی سنگھ نے دونی چند کو آنکھ ماری اور پھر گردن گھما کر پیچھے بیٹھی ہوئی رانی کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ ''بڑی جیل بڑے مجرموں کے لیئے ہے اور شہر سے باہر بنائی گئی ہے تا کہ شہری لوگ ان سے ڈریں نہیں۔''

رانی کچھ سمجھی نہیں۔ وہ چپ ہو گئی لیکن من میں خدشہ پیدا ہو گیا۔ اجاڑ بیابان میں ایکدم انجانے سے لگتے ایک باغیچے میں جیپ داخل ہوئی تو رانی کا کلیجا کانپ گیا۔ باغیچے کے درمیان بنے ہوئے کچے مکان کے سامنے جا کر جیپ رکی تو رانی چلائی۔ ''یہ آپ مجھے کہاں لے آئے؟''

''زیادہ بک بک مت کر اتر نیچے۔'' دونی چند نے دھمکی دی۔ رانی سمجھ گئی کہ وہ ان کے جال میں پھنس گئی ہے پھر بھی اس نے ہمت بنائے رکھی۔ دو حوالداروں کے ساتھ ایک تیسرا مشٹنڈا بھی آملا۔ شاید وہاں کا مالی تھا۔ رانی جیپ میں تھی اور تینوں نے جیپ کو گھیرا ہوا تھا۔

''خود نیچے اترتی ہو یا ہم اتاریں؟ دونی چند نے رانی کے پاس آ کر کہا۔

''میں نہیں اتروں گی۔'' رانی روہانسی ہو کر بولی۔

''تمہارا تو باپ بھی اترے گا۔'' یہ کہہ کر اس نے اس کی بانہہ پکڑ کر کھینچا۔ کیہری سنگھ اور مالی کو ہاتھ ڈالنے کا موقع ملا۔ تینوں اسے کھینچنے لگے۔ رانی گالیاں بکنے لگی۔'' ماں کے خصمو چھوڑو مجھے۔ لعنت ہے تم پر کتو۔ مجھے اکیلی دیکھ کر زور دکھا رہے ہو۔ آگ لگے تمہاری جوانی کو سوروں راکشسوں۔'' جیپ کی سیٹوں اور سیخوں کو پکڑ پکڑ کر اس نے بہتیرا زور لگایا۔ لیکن آخر وہ تینوں اسے اٹھا کر مکان کے اندر لے گئے۔ اس کی ٹانگیں بانہیں چھل گئی تھیں لیکن وہ ابھی بھی مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ آخرانہوں نے اسے کھاٹ کے ساتھ باندھ دیا اور دروازہ بھیڑ دیا۔

توپ شیر خانی کے پاس نہر کے دائیں طرف سمیال کا یہ اپنا باغیچہ تھا۔ سنتروں مالٹوں اور لوکاٹوں کے بہت سے پیڑ لگے ہوئے تھے۔ چاروں طرف دور دور تک کوئی آبادی بازار نہیں تھا۔ باغیچے کے درمیان یہی کچا مکان تھا مالی کے واسطے اور مالی بھی کوئی ان کا ہی چیلا تھا۔ کوئی دو گھنٹے بعد سمیال بھی وہاں آ پہنچا کھانے پینے کا سارا سامان لے کر۔ دونی چند اور کیہری سنگھ ایک طرف چادر دری بچھا کر بوتل گلاس جمانے لگے۔ مالی گوشت چاول بنانے کی تیاری میں لگ گیا۔

سمیال نے کھاٹ سے بندھی رانی کو کھول دیا اور بولا۔'' اب تم چاہے کچھ بھی کرو یہاں سے بھاگ نہیں سکتیں۔'' رانی روتے روتے بولی۔'' میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ تم مجھے کیوں خراب کرنے میں لگے ہو؟''

''تم کون سی ستی ساوتری ہو جس نے خراب ہو جانا ہے۔ میں نے تمہیں چھوڑنا تو ہے نہیں آج۔ تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ چپ چاپ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ کھاپی لو اور مزے کرو نہیں تو پھر ہڈیاں تڑوا کر اپنی جڑیں اکھڑواؤ۔''

رانی نے سسکتے ہوئے کہا۔ میرا گلا گھونٹ دو۔ مجھے زہر دے دو۔ مجھے خراب نہیں کرو۔ میں تمہاری منت کرتی ہوں۔ تمہیں ویشنو ماتا کی قسم۔ مجھے جانے دو۔''

سمیال ہنس دیا۔'' تمہاری مرضی آج ہمارا زور آزمانے کی ہے۔ اچھا پھر جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی ہوگا۔ پھر بعد میں کچھ نہ کہنا۔ جان تو تمہاری ہی ہلکان ہوگی۔'' رانی روتی رہی۔ سمیال اپنے دم

چھلوں کے ساتھ مل کر سونفی کے گلاس پینے لگا جیسے جیسے وہ شراب پی رہا تھا رانی کو اپنے اردگرد اندھیرا گاڑھا ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

سونفی کی آخری بوتل بھی ختم ہو رہی تھی۔ مالی نے گوشت اور چاول کی چار پلیٹیں لگائیں۔ تین ان کے آگے رکھیں اور ایک رانی کے آگے رکھنے لگا۔ رانی نے ہاتھ مارا اور پلیٹ جھٹک کر دور جا پڑی۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ سمیال نے جلتی آنکھوں سے اسے دیکھا اور تیوری چڑھا کر مالی سے کہنے لگا۔ ''مادر چود تمہیں کس نے کہا تھا اس کتیا کو پلیٹ دینے کے لیے؟ جب تک میں نے اس کی اکڑ نہیں نکالی اس نے کسی کو ہاتھ نہیں رکھنے دینا۔ چلو جلدی کرو روٹی کھاؤ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے مجھ سے بھی اب انتظار نہیں ہو رہا۔ اس بدکار کو سیدھے راستے لا کر ہی چھوڑنا ہے۔''

دونوں حوالداروں سے ٹھیک طرح سے چاول بھی نہیں کھائے گئے۔ انہیں سمیال کے مزاج کے بارے میں معلوم تھا۔ بات بات پر ہاتھ بھی اٹھا سکتا تھا اور دھکا بھی دے سکتا تھا۔ جیسے تیسے چار نوالے نگل کر وہ باہر کی طرف دوڑے مالی بھی موقع دیکھ کر کھسک گیا سمیال نے میدان خالی دیکھ کر زور سے ایک لمبا ڈکار مارا پھر نشے سے بوجھل اپنی آنکھوں سے رانی کو اس طرح دیکھا جیسے شیر اپنے شکار کو اپنی چھلانگ کی حد میں آیا دیکھتا ہے۔ پلیٹ میں ہی ہاتھ دھو کر کلا کر کے وہ اٹھا اور رانی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ رانی کانپ رہی تھی۔ سمیال نے نیچے جھک کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''چلو اٹھو۔ لیٹو کھاٹ پر۔'' رانی نے ہاتھ مار کر اس کا ہاتھ پرے کر دیا۔ سمیال نے طیش میں اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر ایکدم ایسے اٹھایا جیسے کوئی بھری ہوئی بوری اٹھاتا ہے۔ رانی تڑپ کر نکل گئی۔ سمیال اس کی طرف بڑھا۔ ''اب تم چاہے جتنا ہاتھ پیر پٹک لو میں نے تمہاری اکڑ نکال کر ہی رہنا ہے۔'' کہہ کر وہ اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لینے لگا۔ رانی نے پورا زور لگا کر دونوں ہاتھوں سے اسے دھکا دیا۔ نشے میں سمیال اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکا لڑکھڑا کر کھاٹ کے پاس زمین پر گر پڑا۔ لیکن وہ فوراً ہی کھڑا ہوا۔ آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ سے رانی کا ہاتھ بازو پکڑا اور دائیں ہاتھ سے اس نے اسے اتنے زور کا چانٹا مارا کہ وہ چیخ مار کر کھاٹ پر گر پڑی۔ چھلانگ لگا کر سمیال اس پر چڑھ گیا اور اس کی ٹانگیں اوپر اٹھانے لگا۔ رانی نے زور لگا کر دائیں ٹانگ اس کی چھاتی پر ماری اور اسے نیچے گرا دیا۔ سمیال نے طیش میں پکارا۔ ''اودونی چند! کیہری سنگھا! اندر آؤ۔'' دونوں جھٹ پٹ دروازہ کھول کر اندر آئے۔ ''پکڑو اس کتیا کو ٹانگوں بانہوں سے۔'' سمیال نے آرڈر دیا۔ دونوں حوالدار کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ رانی ہاتھ پیر پٹکتی رہی اور دونی چند نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ کیہری سنگھ دونوں پیر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ رانی بُری طرح مچل رہی تھی اور دونوں نے پورا زور لگا کر اسے جکڑا ہوا تھا۔

"رانڈ ہمارے ساتھ جچتیں کرتی ہے۔" کہتے ہوئے سمیال نے اس کی شلوار کا ناڑا کھول کر شلوار نیچے ڈھلکا دی۔ رانی کے دائیں گال پر جہاں گڈھا پڑھتا تھا اس نے اس طرح کاٹا جیسے گوشت چباتے ہیں۔ اب رانی کچھ نہیں بولی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا بدن گیلی مٹی کی طرح ڈھیلا پڑنے لگا۔ جس اندھیرے سے وہ ڈر رہی تھی وہ پوری طرح گھنا ہو گیا تھا اور دھیرے دھیرے وہ اس اندھیرے میں ڈوبتی جارہی تھی۔ وہ رونے لگی....

☆

ہوٹل سے نکل کر چرن رانی کے خیالوں میں زمین پر نہیں ہوا کے پنکھوں پر اڑتا جارہا تھا۔ اندھیرے میں اس دروازے کے پاس پہنچ کر اسے کچھ حیرانی ہوئی۔ دروازے کے کسی بھی جھری میں سے روشنی کی مہین سی لکیر بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا اندر سے کوئی آہٹ آواز سنائی نہیں دی اس نے پھر دستک دی۔ پھر دی۔ لیکن سب بیکار اس کے من میں خدشہ پیدا ہوا۔ ہاتھ مار کر دیکھا تو تالا لگا ہوا تھا۔ وہ سوچوں میں پڑ گیا۔ رانی اس وقت کہاں جاسکتی ہے۔ کسی کے ساتھ اسکی دوستی نہیں واقفیت بھی کچھ خاص نہیں۔ اگر جانا ہی ہوتا تو کل ہی کہہ دیتی۔ من میں کھٹکا لیے وہ گلی سے باہر نکل آیا۔ نشہ ٹوٹ گیا تھا۔ گلی سے باہر آ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ ادھر ادھر دیکھا دور سے آرہی کھمبے کے لیمپ کی مدھم مدھم روشنی پراسرار لگ رہی تھی جیسے رانی اسی روشنی کے جھلملاتے پردے کے پیچھے غائب ہو گئی ہے۔ وہ دکان کے چبوترے پر جا کر بیٹھ گیا۔ من کی بےچینی نے وہاں بھی زیادہ دیر بیٹھنے نہیں دیا۔ وہ پھر سے گلی میں آ گیا۔ دروازے کے پاس آ کر اس نے پھر تالے کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ دل میں آیا کہ اسے کھینچ کر توڑ ڈالے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بانہہ دروازے کو لگی اور اس خاموشی میں کچھ ہلچل ہوئی جیسے اندھیرا کانپ اٹھا ہو۔ اسی وقت ساتھ والے گھر کا دروازہ کھلنے کی آہٹ سنائی دی۔ کوئی باہر نکلا۔ لیکن اتنے اندھیرے میں شکل نظر نہیں آئی۔ چرن ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ رمضان آہستہ آہستہ چلتا اس کے پاس آ کھڑا ہوا اور دھیمی سی آواز میں پوچھنے لگا۔ "آپ کا نام چرن ہے؟"

"ہاں۔" چرن نے جواب دیا۔

"رانی سٹی تھانے میں ہے۔"

"تھانے میں؟ وہ کیوں؟"

"کیا معلوم۔ پڑوسی ہونے کے ناطے مجھے بھی بلایا تھا اور ساتھ ہی اس مکان کے مالک دھرموشاہ کو بھی۔"

''بات کیا ہوئی؟''

''تھانیدار سمیال نے مجھے کہا کہ میں اسے لکھ کر دوں کہ رانی نے اس گلی میں کنجر خانہ ڈالا ہوا ہے۔ ساتھ ہی دھرموشاہ سے لکھوایا کہ رانی کو اس کے مکان سے نکلوایا جائے کیونکہ وہ وہاں پیشہ کرتی ہے۔''

''لیکن تھانیدار کو کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی؟ کسی کی شکایت پر ہی یہ چارہ جوئی کی ہوگی دھرموشاہ نے تو نہیں کی شکایت؟''

''یہ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن تھانیدار بڑا چالاک تھا۔ مجھے اس نے ایسا ڈرایا کہ درخواست پر دستخط کرنے ہی پڑے رانی بہت ڈر گئی تھی۔ باہر بینچ پر ہم ایک ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے آپ کا نام بتایا اور کہنے لگی کہ اگر وہ رات تک گھر نہیں پہنچی تو میں آپ کو اس کے بارے میں بتلا دوں۔ نہ جانے اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہوں گے۔''

پھر کچھ دیر کے لیے دونوں خاموش ہو کر رہ گئے۔ چرن کی سوچ مفلوج ہو چکی تھی۔ دھیرے سے بولا۔ ''میں چلتا ہوں۔''

''اس کی کھوج خبر ضرور لینا۔''

''ہاں۔'' کہہ کر چرن چل دیا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ دل پژمردہ ہو گیا تھا۔ کچھ سوچا بھی نہیں جا رہا تھا۔ کاسمو ہوٹل کے پاس پہنچا تو کھڑا ہو گیا۔ خیال آیا تینوں ابھی بیٹھے ہوں گے۔ ان سے بات کر کے ہو سکتا ہے کوئی راستہ نکلے۔ لیکن نہیں۔ پھر خیال آیا۔ انہیں رانی کے ساتھ کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ ساری بات کا مذاق ہی بنائیں۔ یہ سوچ کر وہ آگے چل دیا۔

دس بجنے والے تھے اور رگھوناتھ بازار کی گہما گہمی آخری سانسوں پر تھی۔ وہ ٹی چوک پہنچا اور پھر تھانے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ باہر اندھیرا تھا اور اندر ایک لیمپ جلتا نظر آ رہا تھا۔ بندوق کندھے پر رکھے ایک سنتری کھڑا تھا لیمپ کی روشنی اس کی پیٹھ کے پیچھے تھی۔ کالے بھوت کی طرح وہ کسی شمشان کا رکھوالا لگ رہا تھا۔ چرن کا جی کیا کہ وہ اس سے رانی کے بارے میں پوچھے۔ خیال آیا کہ وہ اسے کیا بتائے گا کہ رانی کہاں ہے؟ اس سنتری کو پتہ بھی کیا ہوگا؟ اگر معلوم بھی ہوگا تو پوچھے گا تو اس کا کون لگتا ہے؟ کیا جواب دے گا؟ یہاں تو کوئی ایسی سبیل سوچنی پڑے گی جس سے چپ چاپ کام ہو جائے۔ معلوم تو پڑے معاملہ کیا ہے۔ تھانیدار سمیال کون ہے۔ رانی کو پکڑنے کا سبب کیا ہے؟ سوچوں کے دھاگے بہت الجھے ہوئے تھے۔ چرن سے قدم نہیں اٹھائے جا رہے تھے۔ پھر وہ سوچ کر کہ سنتری کو شک ہو جائے گا وہ دھیرے دھیرے چلنے لگا۔

اپنے گھر کے سامنے پہنچ کر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس وقت چینچل کے گھر کی کھڑکی کھلی اور کوئی چیز اس کے کندھے سے چھو کر نیچے گر پڑی۔ کھڑکی کی طرف دیکھا۔ وہاں مکمل اندھیرا ہونے کے سبب کچھ نظر نہیں آیا۔ آگے جھک کر اس نے دیکھا گیندے کا ایک پھول تھا۔ اس نے وہ پھول اٹھالیا۔ اسی وقت ساوتری نے دروازہ کھولا اس نے اندر آتے ہوئے کہا۔ ''تم ابھی تک جاگ رہی ہو ماں؟'' ساوتری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ بات تو وہ روز ہی پوچھتا تھا۔

''پہلے کھانا کھالے۔ کپڑے بعد میں بدلنا۔ میری پیٹھ میں درد ہو رہا ہے۔'' ساوتری نے رسوئی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اس کے الفاظ میں بھی جیسے درد گھلا ہوا تھا۔

''میں نے کھانا نہیں کھانا ماں۔ مجھے بھوک نہیں۔ تم سو جاؤ۔''

''تھوڑا کھالو۔''

''نہیں ماں میں نے شام کو کچھ زیادہ ہی الم غلم کھالیا تھا اس لیے بھوک نہیں۔ تم صبح بھی کہہ رہی تھیں کہ پیٹھ میں درد ہے۔ کچھ بام وام مل لینی تھی۔''

''تیل ملوایا تھا تو شی سے ہو جائے گا ٹھیک تم جاؤ جا کر سو جاؤ۔'' ساوتری نے رسوئی کے کواڑ بھیڑ دیئے۔

''باؤ جی نہیں آئے؟''

''نہیں''

''تم سو جاؤ۔ وہ آئیں گے تو میں کنڈا کھول دوں گا۔'' کہہ کر چرن اوپر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کا من نہیں کر رہا تھا کہ کپڑے بھی بدلے۔ انہیں کپڑوں کے ساتھ ہی وہ کھاٹ پر لیٹ گیا۔ بوٹ بھی نہیں کھولے۔ وہ رانی کے بارے میں سوچنے لگا۔ کہاں ہو گی اس وقت وہ؟ کیا کر رہی ہو گی اکیلی؟ پتہ نہیں کیا بیت رہی ہو گی اس پر تھانے جا کر اچھے اچھوں کے حواس گم ہو جاتے ہیں۔ اسے خیال آیا جب اس نے وہاں تالا لگا ہوا دیکھا تھا تو پل بھر کے لیے اسے رانی پر یقین نہیں رہا تھا۔ اور جب معلوم ہوا کہ اسے تھانے لے گئے ہیں تو کچھ راحت ہوئی تھی۔ آدمی کتنا مطلبی اور اوچھا ہوتا ہے اندر سے!

اسی وقت ایک ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ دروازہ کھول کر کوئی دبے قدموں اندر داخل ہوا۔ چرن اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اندھیرے میں ایک پرچھائیں سی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ حیران ہوا وہ ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ اس کے بہت قریب آنے پر وہ سمجھ گیا چینچل ہے اور چھت کی دیوار پھلانگ کر آئی ہے۔ اچانک ہی اسے جیب میں پڑا پھول یاد آ گیا جسے وہ بھول گیا تھا۔

''چنچل۔'' چرن نے ہولے سے بلایا۔

''ہاں میں ہوں۔'' چنچل بالکل پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔

''کوئی دیکھ لے گا تو؟'' چرن سرگوشی میں کہا۔

''اب تو میں اندر آ گئی ہوں۔ اب کون دیکھے گا؟

'' کہتے ہوئے چنچل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ چرن ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ ''تمہیں اس وقت نہیں آنا چاہیئے تھا۔ کسی کو شک پڑ گیا تو؟''

''پڑتا رہے۔'' کہہ کر وہ اور پاس سرک آئی۔ اس کی گرم سانسیں چرن کو چھونے لگیں۔ چرن گھبرا گیا۔ اس نے تھوڑا پیچھے ہونے کی کوشش کی۔ چنچل اتنا ہی اور آگے بڑھ آئی اور بولی۔ ''مجھے آتے کسی نے دیکھا۔ اب میں لوٹ جاؤں یا ٹھروں ایک ہی بات ہے۔''

''نہیں تم چلی جاؤ۔ ماں ابھی جاگ رہی ہے۔ اگر اسے بھنک پڑ گئی تو آفت آ جائے گی۔'' کہہ کر چرن ایک طرف ہٹ گیا۔

''میں نے نہیں جانا۔'' دھیمی سی آواز میں کہہ کر چنچل نے گردن نیچے کر لی۔

''تم پاگل ہوگئی ہو۔'' چرن سرگوشی میں بولا۔ ''یہ کیا ہوگیا ہے تمہیں؟''

چنچل کی آنکھیں چھلک آئی۔ چرن کی بے اعتنائی دیکھ کر وہ شرمسار ہوگئی۔ ساری امنگ ریت میں پانی کی طرح جذب ہوگئی۔ تذبذب میں بولی۔ ''میں جاؤں؟''

''ہاں'' چرن کی آواز ایکدم کرخت تھی۔

''میں جاؤں؟'' اس نے پھر بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ہاں۔''

چنچل رونے لگی۔ اس نے دوپٹے کا پلو منہ میں ٹھونس لیا اور جلدی جلدی قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔ چرن بُت بنا کتنی دیر ویسے ہی وہاں کھڑا رہا جیسے انجانے میں اس سے کوئی قتل ہوگیا ہو۔ کبھی اس میں چنچل کو اس طرح اکیلے میں حاصل کرنے کی کتنی خواہش تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑے اس کے ہونٹوں کو چھونے کے لیے کتنا تڑپتا رہا تھا۔ جسے ہنستے دیکھ کر اس کا من کھل اٹھتا تھا آج خود اس کا دل توڑ دیا۔ اسے رلا دیا۔ چرن کے منہ سے ایک لمبی ٹھنڈی سانس نکلی۔ وہ پھر کھاٹ پر لیٹ گیا۔ محسوس ہو رہا تھا دل پر چٹان سی بیٹھ گئی ہے۔ اندھیرے میں رانی کا چہرہ ابھرتا محسوس ہوا۔ کہاں ہوگی رانی؟ وہ سوچنے لگا۔ کیسے ویرانے میں اسے پھینک گئی ہے۔ ایک سیلاب کی طرح بہا کر اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ ایک آندھی کی طرح اڑا کر اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ لیکن خود کہاں چلی گئی؟ یہ کون سے اجاڑ بیابان میں

اسے ڈال گئی۔ درد کی ایک چھری اس کے دل کو چیر رہی تھی۔ وقت کا ایک ایک پل کروٹیں بدل رہا تھا۔ رات گذر رہی تھی۔ ایک پہر...دو پہر...تیسرا پہر...

☆

رانی کی آنکھ لگی تھی یا نہیں اسے کچھ پتہ نہیں۔ اچانک کمرے میں روشنی دیکھ کر سمجھ گئی کہ دن چڑھ آیا ہے ذرا ہلی تو جوڑ جوڑ میں درد بول اٹھا۔ جسم کی ایک ایک چول ڈھیلی ہو گئی تھی۔ اٹھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ آخر جب اٹھنا ہی پڑا تو ٹیسوں کو بڑی مشکل سے دباتے ہوئے اٹھی۔ کپڑوں کی سلوٹیں سیدھی کی اور دوپٹہ سر پر لے لیا۔ پورے کمرے پر نظر ڈالی تو لگا کوئی بھوتوں کا اکھاڑا ہے۔ ایک بوتل ادھر لڑھکی ہوئی تھی دوسری ادھر۔ چاروں طرف چوسی ہوئی ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں۔ پتیلے کڑچھیاں کٹوریاں پلیٹیں الٹی سیدھی پڑی ہوئی بستر نیچے گرا ہوا دو چوہے اچھل کود مچاتے ہوئے۔ اسے ابکائی آ گئی۔ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا لگا تو کچھ ہوش آیا۔ دل کی بے چینی کچھ تھمی۔ اتنی ہی دیر میں مکان کے پیچھے سے مالی آ گیا اسے دیکھ کر بولا۔ ''اگر باہر جانا ہے تو ادھر جھاڑیوں کے پاس ہو آؤ۔ پانی بھی ہے وہاں'' رانی ہولے ہولے اس طرف چل دی۔ بنا پیچھے دیکھے ہی اسے لگا کہ مالی اسے گھور رہا ہے۔ تھوڑا آگے جا کر اس نے مڑ کر دیکھا تو مالی نے اس کی طرف ٹکٹکی لگا رکھی تھی۔ وہ اور آگے ہو گئی۔ جھاڑیوں کے ایکدم پیچھے۔

جب وہ لوٹی تو مالی کمرے کے پاس کھڑا ویسے ہی اسے گھور رہا تھا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ اس پر نظر رکھے ہوئے ہے تاکہ وہ کہیں بھاگ نہ جائے۔ اچانک ہی اس کے من میں بھاگنے کا خیال آیا۔ باغیچے کے چاروں طرف اینٹوں کی دیوار تھی۔ وہ ایک جگہ کھڑی ہو کر نظروں ہی نظروں میں دیوار کی اونچائی ناپنے لگی کہ پھلانگ سکتی ہے یا نہیں۔ ''ان مردوں نے پتہ نہیں اور کتنا لتاڑنا ہے۔'' رانی سوچنے لگی۔ دیوار کے پیچھے اس کی نظر نہر کے اونچے کنارے پر پڑی۔ خیال آیا کہ اگر وہ نہر میں نہانے کے لیے جائے تو وہاں سے کھسک سکتی ہے۔ یہ سوچتے سوچتے وہ کمرے کے پاس پہنچی۔ مالی نے ابھی بھی ٹکٹکی لگا رکھی تھی بولا۔ ''اندر بالٹی پانی کی اور لوٹا رکھ دیا ہے۔۔ نہا دھولو۔''

''میں نہر میں نہانے جا رہی ہوں۔'' رانی نے کہا اور پھاٹک کی طرف چل دی۔

''تھانے دار جی کا حکم نہیں باہر جانے دینے کا'' کہہ کر مالی پیچھے لگا۔

''میں ابھی آتی ہوں۔''

''نہیں تم باہر نہیں جا سکتیں۔'' کہتے ہوئے مالی اس کے آگے آ کر کھڑا ہو گیا۔ ''تم کون ہو مجھے روکنے والے؟''

رانی نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔ ''ابھی تمہاری اکڑ نہیں گئی۔'' کہہ کر مالی نے اپنی آستین اوپر چڑھانی شروع کی۔

''پیچھے ہٹ مرے مجھے جانے دے۔'' رانی آگے بڑھی۔ مالی نے اسے کلائی سے پکڑ لیا۔ رانی نے زور لگایا تو وہ اسے کمرے کی طرف کھینچنے لگا۔ رانی نے جھٹکا دے کر بازو چھڑایا اور پھاٹک کی طرف دوڑی مالی اس کے پیچھے پیچھے دوڑا اور اس کی کمر کو اپنی بانہوں کے گھیرے میں کس کر اس نے اسے اٹھا لیا۔ رانی اس کے گھیرے میں پھنسی چھٹپٹانے لگی۔ وہ گالیاں دیتی جا رہی تھی۔ ''راکشس ماں کے خصم۔ تجھے کیڑے پڑیں چھوڑ مجھے۔ حرام زادے۔ مالی اسے اٹھائے اٹھائے ہانپتا کانپتا کمرے کے اندر لے آیا اور پھر اس نے اسے کھاٹ پر پھینک دیا۔ وہ اٹھنے کو ہوئی تو اسے بانہوں سے پکڑ لیا اور اس کے ناڑے میں ہاتھ ڈالنے لگا۔ رانی نے زور سے اس کے منہ پر ٹانگ ماری۔ مالی دور زمین پر جا گرا۔

''مردوں کو وہاں ہاتھ ڈالنے کے علاوہ کوئی جگہ ہی نظر نہیں آتی۔'' رانی کے منہ سے نکلا۔ مالی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا جنون اتر گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر اس بلا نے تھانیدار کو یہ بات سنا دی تو وہ یم دوت اس کی چمڑی ادھیڑ دے گا۔ وہ چپ چاپ باہر چلا گیا۔ رانی نے اٹھ کر اندر سے کنڈا چڑھا لیا۔

☆

نیند تو آئی نہیں ساری رات۔ دن نکلتے ہی چرن تیار ہو کر گھر سے نکل گیا اور سیدھا گوپال کے پاس پہنچا۔ گوپال اس وقت شکنتلا کے نام چھٹی لکھ رہا تھا۔ چرن کو آتے دیکھ کر اس نے فورا لیٹر پیڈ بند کر دیا اور اسے ایک طرف کھسکا دیا۔

''یار تم کل لوٹ کر آئے کیوں نہیں؟'' گوپال نے پوچھا۔ ''ہم کتنی دیر تک تمہارا انتظار کرتے رہے۔ تمہاری شکل سے لگ رہا ہے کہ رات وہاں کاٹ کر آ رہے ہو۔''

''نہیں وہ تو مجھے رات ملی ہی نہیں۔''

''کیوں؟''

''کل صبح کسی تھانیدار نے اسے سٹی تھانے بلایا تھا۔ پھر وہ واپس نہیں آئی۔'' کچھ دیر کے لیے خاموش رہ کر گوپال نے پوچھا۔ ''تمہیں کیسے پتہ چلا؟'' چرن نے ساری بات اس کے آگے کھول دی۔ گوپال سن کر بھی کچھ کہہ نہیں سکا۔ چرن بولا۔ ''میں رات بھر سو نہیں سکا۔'' اس نے چپل والی بات بھی اسے سنائی۔ گوپال نے کہا۔ ''تمہارا کیس کچھ زیادہ ہی سیریس ہو گیا لگتا ہے۔''

چرن چاہتا تھا گوپال کچھ اور بولے لیکن گوپال کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ چرن کو کس طرح

سمجھائے۔ جب چرن نے کہا کہ وہ تھانے جا کر تھانیدار سمیال سے ملنا چاہتا ہے۔ تو گوپال سے چپ نہیں رہا گیا۔ بولا۔ ''تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ ایک پیشہ کرنے والی عورت کے لیے تم تھانے جاؤ گے تو تمہیں بھی وہاں باندھ لیں گے۔ سارے شہر میں بدنام ہو جاؤ گے۔'' چرن سے یہ چوٹ برداشت نہیں ہوئی۔ جھٹ بولا'' وہ اب یہ پیشہ نہیں کرتی۔''

''اب نہیں کرتی پہلے تو کرتی تھی۔''

چرن چپ ہو گیا۔ پھر دھیرے سے بولا۔'' وہاں جائے بغیر پتہ کیسے لگے گا۔''

گوپال نے دھیرے دھیرے بولنا شروع کیا۔'' دیکھو چرن میں تمہیں کوئی اپدیش نہیں دینا چاہتا۔ میرے خیال میں تمہیں یہ مصیبت گلے نہیں لگانی چاہیے تھی۔ میری مانو تو اب بھی دامن چھڑا کر پیچھے ہٹ جاؤ تمہارا نیا نیا کیریر شروع ہوا ادھر دھیان دو۔ ویسے بھی تم آرٹسٹ ہو۔ آرٹ کے میدان میں بھی تم نے ترقی کرنی ہے۔ یہ مصیبت گلے ڈال کر تم کہیں کے نہیں رہو گے۔ جو موج بہار تم نے لوٹی تھی لوٹ لی۔ اب ایک طرف آ جاؤ۔ آگے دیکھو۔''

چرن نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ پونے دس بجے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔'' میں دفتر جاتا ہوں۔'' کہہ کر وہ باہر نکل آیا اور گوپال پھر سے شکنتلا کو چھٹی لکھنے لگا۔ آج اُسے کالج نہیں جانا تھا۔

گوپال کے گھر سے نکل کر چرن کو محسوس ہو رہا تھا۔ کہ اس کے دل پر کچھ اور بوجھ پڑ گیا ہے۔ دفتر جانے کا من نہیں ہو رہا تھا لیکن جانا ضروری تھا۔ جنڈیال نے دیکھتے ہی تکا مارا۔'' کیا بات ہے چرن جی آج کچھ زیادہ ہی گہری سوچ میں پڑے لگتے ہو۔'' چرن نے کوئی جواب نہیں دیا تو وزیر بیلی رام سے رہا نہیں گیا۔ بولا'' وقت وقت کی بات ہے۔ جنڈیال صاحب ہم جب چرن جی کی عمر کے تھے تو نہ ہمیں کسی سوچ کی جانکاری تھی اور نہ ہی سوچوں کو ہماری جانکاری تھی۔'' جنڈال ہنس دیا لیکن چرن کوشش کر کے بھی ہنس نہیں سکا۔ ایک فائل اٹھا کر کام کرنے کی کوشش کی تا کہ دل لگے لیکن کوئی سبیل نہیں بنی۔ کبھی رانی کا چہرہ آنکھوں کے آگے گھوم جاتا کبھی گوپال کی باتیں یاد آ جاتیں۔ آخر اس نے ایک سگریٹ سلگایا اور ایک جنڈیال کو پیش کرتے ہوئے بولا۔'' جنڈیال صاحب آج مجھے ایک بڑا ضروری کام ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کا شکر گذار ہوں گا۔'' جنڈیال نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔'' ہم نے آتے ہی تاڑ لیا تھا کہ کچھ بات ضرور ہے۔ آپ بے فکر ہو کر جاؤ مہاراج۔ ہمارے ہوتے کوئی آپ کی طرف انگلی اٹھائے کس کی مجال ہے۔''

چرن نے شکریہ ادا کیا اور باہر نکل گیا۔

وہ پرویز کے پاس پہنچا۔ میز پر اپنی دونوں کہنیاں ٹکائے، پرویز دونوں ہاتھوں پر منہ رکھے

کچھ سوچ رہا تھا۔ چرن کو دیکھ کر اس نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' چرن نے پوچھا۔

''یار میں بڑی ہی عجیب بات سوچ رہا ہوں۔'' پرویز بولا۔ ''پرسوں میں اور میڈم بسوہلی جارہے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے وہ بسوہلی تحصیل کی فائلیں دیکھ رہی تھی اور مجھے لکھوا رہی تھی کہ کون کون سے کام وہاں جاکر نمٹانے ہیں۔ کوئی ایک گھنٹہ ہم آمنے سامنے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ میں نے کتنی بار بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ ایک بار بھی مسکرائی نہیں۔ نہ ہی اس نے محسوس ہونے دیا کہ ہمارے درمیان کوئی ایسی ویسی بات ہے۔ بسوہلی میں قیام کہاں کرنا ہے۔ اس کا ذکر بھی آیا لیکن اس کی آنکھوں میں مجال ہے اس بات کی پرچھائیں بھی نظر آئی ہو۔ میں سوچ رہا ہوں کہیں اس کا دل تو نہیں بدل گیا۔''

''تم فکر مت کرو۔'' چرن نے کہا۔ ''میڈم بہت بڑی افسر ہے۔ اس کے لئے اپنی پوزیشن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ آخر تم اس کے ماتحت کام کرتے ہو۔ اگر اُسے پلا چھڑانا ہو تو تمہیں ساتھ کیوں لے جائے؟''

''بات تو تم نے ٹھیک کہی۔'' پرویز کا موڈ بدل گیا۔ ''یہ کھائی کھیلی تجربے کار عورتیں ہیں۔ انہیں اپنے پردے بھی تو ڈھکے رکھنے ہیں۔ ہمارے فائدے کی بات بھی تو یہی ہے کہ پردے پڑے رہیں۔ میں تو بے چین ہوا سوچتا رہتا ہوں وہ کون سی گھڑی ہوگی جب ہم بسوہلی میں ہوں گے۔ اوہ! میں تو بھول گیا تمہارے والی کا کیا حال ہے؟ تم رات مڑ کر ہوٹل میں آئے ہی نہیں۔''

چرن نے پرویز کو ساری بات سنائی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ گوپال نے اسے کیا کہا ہے۔ پرویز بولا۔ ''گوپال نے ٹھیک کہا ہے۔ تم رانی کے بارے میں جس سے بھی پوچھو گے پہلے وہ پوچھے گا کہ تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔ جو تم نہیں بتاؤ گے تبھی ان کی سمجھ میں آجائے گا۔ ایک بات بتاؤ اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم اتنے سیریس کیوں ہو؟''

''مجھے معلوم نہیں۔'' چرن بولا۔ ''کتنی باتیں ہیں زندگی میں جن کا اتا پتا آدمی کو کبھی نہیں لگتا۔ میرا اور رانی کا تعلق الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے اس کے علاوہ دنیا میں اور کوئی عورت ہی نظر نہیں آتی۔'' پھر اس نے پرویز کو چینچل کی بات بھی بتائی اور بولا ''تم ہی بتاؤ میں تمہاری بات کا کیا جواب دوں میں اتنا سیریس کیوں ہوں۔''

''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں پتہ کرنا چاہتا ہوں کہ رانی کہاں ہے۔''

''تم آج اس کے گھر نہیں گئے؟''

''نہیں۔''

''ہوسکتا ہے وہ واپس آ چکی ہو۔''

چرن فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔'' سچ ہی میری عقل ماری گئی ہے۔ میں جاتا ہوں۔ پھر ملوں گا تم سے۔'' کہہ کر وہ چل دیا۔ جا کر دیکھا تو رانی کے گھر کے باہر ویسے ہی تالا لگا ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے۔ لوٹنے لگا تو خیال آیا کہ کیوں نہ ساتھ والے گھر میں اس آدمی سے مل لے۔ آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے رجو نکل آئی۔'' کیا بات ہے؟ رجو نے پوچھا۔

''یہاں کون رہتا ہے؟''

''آپ کو کس سے ملنا ہے؟''

چرن پھنس گیا۔ رمضان کا نام تو اس نے رات پوچھا ہی نہیں تھا۔ بات سنبھالتے ہوئے بولا۔'' میں میونسپلٹی کے دفتر سے آیا ہوں۔ کتنے لوگ رہتے ہیں یہاں؟''

''تین۔''

''کون کون؟''

''میں۔ میرا بیٹا اور اس کی بیوی۔''

''بیٹے کا کیا نام ہے؟''

''رمضان۔''

''کہاں کام کرتا ہے وہ؟''

''کانجی ہاؤس کے سامنے فرنیچر کی دکان پر۔''

''ٹھیک ہے۔'' چرن نے وہاں سے سیدھے فرنیچر کی دکان پر پہنچا۔ رات رمضان سے اس نے اندھیرے میں بات کی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو پہچانتے نہیں تھے۔'' رمضان کہاں ہے؟'' اس نے دوکان کے چبوترے پر بیٹھے رمضان سے پوچھا۔

''کیا کام ہے؟ بتاؤ۔ میرا نام ہی رمضان ہے۔''

''میں رات آپ کو آپکے گھر کے باہر ملا تھا۔ رانی کے بارے میں آپ سے پوچھنا چاہتا تھا۔ وہ رات آئی تو نہیں تھی؟''

''میرا خیال ہے انہوں نے اسے چھوڑا نہیں۔'' کہہ کر رمضان دکان سے اتر کر چرن کو ایک طرف لے گیا اور ہولے سے بولا۔'' صبح تھانیدار سمیال نے مجھے پھر بلایا تھا۔ اس نے مجھے پکی تاکید

کی کہ میں کسی کے ساتھ رانی کی بات نہ کروں۔ کسی سے یہ نہ کہوں کہ رانی کو تھانے بلایا گیا تھا۔''

دھاگے اور بھی زیادہ الجھ گئے الٹی سیدھی سوچوں میں پڑا چرن پرویز کے پاس پہنچا۔ اسے سارا کچھ بتایا تو پرویز کہنے لگا۔ پیچیدہ بات لگتی ہے۔ ایک کام کرتے ہیں۔ میرا ایک کشمیری پنڈت دوست کاشی ناتھ کول پولیس انسپکٹر ہے۔ میں اسے کہتا ہوں کہ وہ کسی طرح پوچھ تاچھ کر کے معاملے کی تہہ تک پہنچے۔'' کسی بہانے پرویز بھی دفتر سے کل آیا۔ آئی جی پی کے دفتر سے کاشی ناتھ کا پتہ لیا اور اسے کچہری میں جا پکڑا۔ وہ وہاں کسی معاملے میں گواہی دے رہا تھا۔ پرویز کا لنگوٹیا تھا وہ۔ ایک طرف کونے میں کھڑے ہوکر اسے ساری بات بتائی۔ طے ہوا کہ سارا بھید معلوم کر کے وہ انہیں شام پانچ بجے بھارت ٹی اسٹال میں ملے گا۔

چرن پرویز کے دفتر میں بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا۔ چار بجے دونوں باہر نکل آئے۔ ''گوپال کو ساتھ لے لیں؟'' پرویز نے پوچھا۔ چرن بولا۔ ''نہیں اسے بعد میں سنائیں گے۔'' بھارت ٹی اسٹال پہنچ کر انہوں نے چائے کا ایک ایک کپ پیا ہی تھا کہ کاشی ناتھ آ پہنچا۔ تینوں دکان سے باہر نکلے اور ایک طرف کھڑے ہوکر باتیں کرنے لگے۔

کاشی ناتھ نے کہا۔ ''سمیال کے پاس جانے سے پہلے میں نے سٹی تھانے میں تعینات اپنے ایک خاص حوالدار کو ایک طرف بلا کر بھید نکالنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ رانی نام کی ایک عورت کو سمیال نے کل صبح بلایا تھا لیکن شام کو اسے چھوڑ دیا تھا۔ پھر میں نے سمیال سے پوچھا تو وہ صاف مکر گیا وہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ اس نے رانی نام کی کسی عورت کو بلایا تھا۔ وہ الٹا میرے پیچھے پڑ گیا کہ میں نے کیوں یہ بات پوچھی؟ وہ مجھے چھوڑ ہی نہیں رہا تھا۔ آخر میں نے یہ کہہ کر خلاصی کرائی کہ میں خود اس کے پاس جاتا تھا اور کل سے وہ کہیں مل نہیں رہی۔''

پرویز نے پوچھا۔ ''تم نے کیا اندازہ لگایا۔ ساری باتوں سے؟'' کاشی ناتھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''اس نے رانی کو بلایا تو ضرور تھا۔ لیکن وہ اسے بلا سبب اندر بند نہیں کر سکتا تھا۔ کسی بہانے اس نے اسے نکالا اور کہیں لے گیا۔ اگر وہ اسے کہیں لے گیا ہوتا تو اسے صاف مکر جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے سب کو منع کر دیا ہے کہ وہ کسی سے رانی کے بارے میں کوئی بات نہ کریں۔ میرا خیال ہے اب وہ رانی کو جلدی چھوڑ دے گا کیونکہ میں اس کے ساتھ رانی کی بات کر آیا ہوں۔''

تینوں پھر سے بھارت اسٹال میں آ کر بیٹھ گئے۔ لیکن چرن کے دل کی بے چینی کم نہیں ہو رہی تھی۔ کسی بات میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ سمیال رانی کو کہیں انجانی جگہ لے گیا ہے یہ سوچ کر اس کا خون ابل رہا تھا چائے پیتے پیتے کاشی ناتھ کہنے لگا۔ ''سمیال نے ویسے بھی آفت مچا رکھی ہے۔

ایک بار پہلے معطل ہو چکا ہے۔ کسی بھی عورت کو اغوا کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ اگر لوگوں کو شک بھی پڑ گیا تو اسے لینے کے دینے پڑ جایں گے۔

کاشی ناتھ کی بات سن کر چرن سوچ رہا تھا کہ سمیال کو مزہ چکھائے بغیر نہیں رہے گا۔

باہر سے بے شک سمیال نے کاشی ناتھ کو سر نہیں ہونے دیا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ ڈر گیا تھا۔ کاشی ناتھ کے ساتھ کس نے بات کی یہ جاننے کی اس نے بڑی کوشش کی لیکن کاشی ناتھ نے بھی پروں پر پانی نہیں پڑنے دیا۔ اس کے جانے کے بعد سمیال نے سوچنے میں ایک پل نہیں لگایا کہ رانی کو آج ہی چھوڑ دینا ضروری ہے۔ نہیں تو ہو سکتا ہے بات چلتے چلتے کہیں اور پہنچ جائے۔ آج اس نے اپنے دم چھلوں کو بھی ساتھ نہیں لیا۔ بس ایک سونفی کی بوتل لے کر چل دیا۔

نہر کے ساتھ ساتھ جیپ کچی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ اور سمیال کی سوچیں جیپ سے آگے جا کر رانی سے لپٹ رہی تھی۔ آج رانی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اس کی قسم جو ٹوٹنی تھی ٹوٹ گئی۔ اب تو وہ فرنگی مل کو بھی جھولے جھلا دیگی۔ اور فرنگی مل پانچ سات سو تو دے گا ہی۔ زیادہ للک سمیال کو پانچ سات سو کی نہیں تھی۔ اس نے رانی کا جو نخرہ غرور توڑ کر رکھ دیا تھا زیادہ نشہ تو اس کا تھا۔ پولیس والوں کا پہلا فرض تو یہی بنتا ہے کہ سامنے کھڑے آدمی کی اکڑ توڑ کر پھر اسے بات کرنے کا موقع دیا جائے۔ پچھلے پندرہ برس میں بے شمار لوگوں کی اکڑ توڑ کر یہ نشہ حاصل کیا ہے۔ اس کے آگے تو شراب کا نشہ بھی کچھ نہیں۔ جیپ باغیچے کے باہر پہنچی تو مالی نے دوڑ کر پھاٹک کھولا۔ کمرے کے پاس جیپ کھڑی کر کے سمیال باہر نکلا۔ ''کیا حال ہے کم ذات کا؟''

''صبح اٹھتے ہی بھاگنے لگی تھی۔ میں نے کھینچ گھسیٹ کر اندر کیا۔ اسی وقت سے اندر کنڈا چڑھا کر بیٹھی ہوئی ہے۔''

''کچھ کھایا نہیں؟''

''میں نے پکا کر بہت آوازیں دیں لیکن وہ نہیں بولی نہ اس نے دروازہ کھولا''

''بڑی اڑیل ہے۔'' سمیال بولا۔ آج اسے چھوڑ ہی آتے ہیں۔ بوتل نکال لو جیپ میں سے اور گلاس لے آ یہاں باہر ہی۔''

اندھیرا ابھی گھنا نہیں ہوا تھا۔ باہر ہی کھاٹ پر بیٹھ کر سمیال نے پینی شروع کی۔ آدھی بوتل اندر ڈالی تو رہا نہیں گیا۔'' کہو اسے کنڈا کھولے آج اسے شہر پہنچا دینا ہے ہم نے۔''

مالی دروازہ کھٹکھٹا کر چلانے لگا۔'' کنڈا کھولو کنڈا کھولو صاحب نے تمہیں شہر لے جانا ہے۔''

مالی کا گلا بھی بیٹھنے لگا لیکن اندر سے رانی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر سمیال گرتا پڑتا اٹھا۔'' لگتا ہے

اس نے پھر آج مجھ سے ہڈیاں تڑوانی ہیں۔'' کہتے ہوئے سمیال نے دروازہ کھٹکھٹایا۔لیکن اندر سے پھر بھی کوئی آواز کوئی آہٹ سنائی نہیں دی۔ نشے میں دھت سمیال سے صبر نہیں ہوا۔ اس نے دروازے پر زور سے ٹھوکر ماری۔ ''لالٹین لے آ اندر۔'' مالی لالٹین اندر لایا تو دونوں نے دیکھا رانی کھاٹ پر سوئی ہوئی تھی۔ مالی لالٹین ایک طرف رکھ کر باہر چلا گیا اس نے کواڑ بھیڑ دیئے۔

سمیال رانی کے پاس آیا اور اسے جھنجھوڑنے لگا۔ رانی بے ہوش پڑی تھی اس کی آنکھ نہیں کھلی سمیال پھر جھنجھوڑنے لگا۔ جھکولے دیتے دیتے اس کا ہاتھ اس کی چھاتی پر جا پڑا۔ اب وہ اس کی چھاتی دبا دبا کر جھکولے دینے لگا۔ رانی کو پھر بھی ہوش نہیں آیا۔ سمیال کا ہاتھ اس کی چھاتی سے پھسل کر اس کے پیٹ پر جا پہنچا اور پھر اس کے نیچے۔ اب اس سے رہا نہیں گیا۔ ناڑے کی گانٹھ کھول کر اس نے اس کی شلوار اتاری اور پھر اپنی پینٹ کھولی کسی سانڈ کی طرح سوں سوں کرتا ان دیکھی دیواریں توڑنے لگا۔ بجلی کی چمک کی طرح اچانک ہی اسے خیال آیا کہیں یہ مر تو نہیں گئی۔ یہ سوچتے ہی جیسے کوئی جلتے چولہے میں پانی ڈال دے سمیال کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ خوف سے گھبرا کر الگ ہو گیا۔ ہاتھ پیر کانپنے لگے۔ جلدی جلدی پینٹ پہنتے ہوئے اس نے مالی کو پکارا۔ مالی دوڑتا ہوا اندر آیا۔ ''دیکھو تو اسے کہیں لڑھک ہی تو نہیں گئی؟''

مالی نے ننگی رانی کی طرف دیکھا۔ پل بھر کے لئے اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اس نے رانی کی ناک کے آگے ہاتھ رکھ کر دل کی دھڑکن محسوس کی۔ ''جیتی ہے مہاراج۔ آپ چنتا نہ کریں۔'' کہہ کر وہ پانی لانے کو دوڑا۔ سمیال نے پینٹ پہنی اور نیچے سے شلوار اٹھا کر رانی کی ٹانگوں پر پھینک دی۔

مالی نے پانی لا کر رانی کے منہ پر چھینٹے مارے۔ ہولے ہولے رانی کی آنکھیں کچھ ہلی۔ سمیال بھی قریب آکر دیکھنے لگا۔ مالی نے اور چھینٹے مارے۔ اب گردن ہلی ساتھ ہونٹ بھی کانپے۔ ''پانی ڈالو منہ میں۔'' سمیال نے کہا۔ مالی نے بند ہونٹوں پر ہی تھوڑا پانی ڈالا تو رانی نے چڑیا کے بچے کی طرح اپنے ہونٹ کھول دیئے۔

''مہاراج جسم میں جان نہیں رہی کل کی بھوکی پیاسی ہے۔'' مالی نے کہا۔

سمیال باہر چلا گیا۔

رانی نے آنکھیں کھولیں تو مالی بولا۔ ''اٹھو تمہیں تھانیدار صاحب شہر لے جانے کے لئے آئے ہیں۔'' رانی نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس سے اٹھا نہیں گیا۔ اس نے مالی سے اور پانی مانگا۔ مالی نے اس کے منہ میں پانی ڈالا۔ اور پھر یہ کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔ ''اٹھو، کپڑے پہن لو اور باہر

آ جاؤ۔"

رانی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اپنی شلوار کھلی دیکھی تو کچھ سمجھ نہ سکی۔ اس وقت اس میں یہ بھی سوچنے کی ہمت نہیں تھی کہ شلوار کس نے کھولی۔ بڑی مشکل سے شلوار پہن کر وہ پھر لیٹ گئی۔

باہر سمیال نے بوتل میں باقی بچی بھی اندر ڈال لی۔ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے تھے۔ اور ٹھنڈے پسینے تھے کہ آئے چلے جا رہے تھے۔ مالی پاس ہی کھڑا کہہ رہا تھا۔ "بڑی ضدی عورت ہے مہاراج اول درجے کی اڑیل۔ اسے شہر لے جا کر چھوڑ آؤ۔" سمیال نے کہا " سالی خود مر کر ہمیں بھی مروانے لگی تھی۔ جاؤ اسے بیٹھا دو جیپ میں۔"

مالی پھر اندر آیا اور رانی کو کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑنے لگا۔ رانی نے آنکھیں کھولیں۔ مالی تھوڑی ہلکی آواز میں بولا۔ " تھانیدار صاحب تمہیں شہر لے جا رہے ہیں۔ اٹھو جلدی کرو۔ دیر مت لگاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ ان کا وچار بدل جائے اور کچھ اور نہ کر بیٹھیں۔"

رانی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مالی نے بانہہ پکڑ کر سہارا دیا اور دھیرے دھیرے چلاتا جیپ کے پاس لے آیا۔ پھر تھوڑا زور لگا کر اس نے اسے جیپ کی پچھلی طرف بٹھا دیا۔ سیٹ کے درمیان وہ پیٹ میں گھٹنے دے کر لیٹ گئی۔ بے ہوش سی۔ سمیال نے جیپ اسٹارٹ کی۔ وہ جلدی رانی کو اس کے گھر پہنچانا چاہتا تھا۔ اسے ابھی بھی ڈر تھا کہ راستے میں ہی اسے کچھ ہو نہ جائے۔

شہر کی حد شروع ہونے لگی تو سمیال نے ایک طرف جیپ روک لی وہ سوچ رہا تھا رانی کو وہاں اتار کر آپ آگے بڑھ جائے۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ رانی گٹھڑی سی بنی بے ہوش پڑی تھی یہ بیمار ہو گئی ہے۔ سمیال سوچنے لگا۔ اگر میں نے اسے یہاں چھوڑ دیا تو اس کا گھر پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ ایسا نہ ہو بے ہوشی میں لوگوں سے اول جلول بول دے۔ اور مفت کی مصیبت گلے پڑ جائے۔ اسے تو اس کے گھر پھینکنا ہی اچھا۔ جیسے یہ پڑی ہے اس پر کسی کی نظر بھی نہیں پڑے گی۔ یہ سوچ کر سمیال نے پھر جیپ اسٹارٹ کر دی۔

شہر میں داخل ہوتے ہی اس نے جیپ کی اسپیڈ بڑھا دی۔ کوئی واقف کار ہاتھ دے کر جیپ کھڑی کرنے کو نہ کہے یا کوئی بڑا افسر ہی سامنے سے نہ آ جائے اور جیپ روکنا ضروری ہو جائے۔ انہیں الجھنوں میں پڑا وہ جیپ کو تیزی سے دوڑا رہا تھا۔ گمٹ کے چوراہے پر ایک بوڑھا بڑی مشکل سے نیچے آتے آتے بچا۔ آخر کھٹیکوں کے تالاب پہنچ کر اس نے ایک سنسان جگہ پر جیپ کو روکا۔ وہ اندھیری گلی جہاں رانی کا گھر تھا وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی لیکن سمیال کو اس بات کا پتہ نہیں تھا۔ وہ کبھی اس کے گھر نہیں آیا تھا۔ اپنی اگلی سیٹ سے اتر کر وہ پیچھے آیا اور بولا۔ " اٹھو تمہارا گھر آ گیا ہے۔"

ہولے ہولے رانی نے آنکھیں کھولیں۔ ہمت جٹا کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نیچے اترنے لگی تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ خود کو سنبھالا نہیں گیا تو الٹ کر پیچھے گر گئی۔ سمیال نے اسے بازو سے پکڑ کر نیچے اتارا۔ ابھی وہ مشکل سے کھڑی ہی ہوئی تھی کہ سمیال نے چھلانگ لگائی جیپ میں بیٹھا اور جیپ اسٹارٹ کر کے جھٹ سے نکل گیا۔

رانی ہولے ہولے اپنے گھر کی طرف چل دی۔ اس کا جسم اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ پیر اٹھاتے ہوئے ناڑیوں میں درد کی لہریں اٹھتیں۔ جیسے تیسے وہ گلی کے اندھیرے میں داخل ہوئی اور جیب میں سے چابی نکال کر تالا کھولا۔ اندر آئی تو اندھیرے میں دیا سلائی کی ڈبی تلاش کر لالٹین جلانے لگی۔

اچانک ہی آواز آئی ''رانی۔''

اس نے دیکھا دروازے میں چرن کھڑا تھا۔ وہ اس طرح آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگی۔ جیسے کوئی عجوبہ دیکھ رہی ہو۔ دروازہ بند کر چرن ایک ٹک اسے دیکھتا رہا اور آگے بڑھا۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے کے کلیجے کو چھید رہی تھیں۔ چرن جب نزدیک آ کھڑا ہوا تو رانی ایک دم چیخ مار کر اس کے گلے سے لگ گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی جا رہی تھی اور چرن کو اس نے کس کر بانہوں میں لے لیا تھا۔

پھر اچانک ہی چرن کی چھاتی پر سے اپنا سر اٹھا کر رانی ایک طرف ہٹ گئی اور تھوڑی تلخ آواز میں بولی۔ ''تم کیوں آئے یہاں؟''

''میں تمہیں کل سے تلاش کر رہا تھا۔''

''وہ رانی مر گئی جسے تم تلاش کر رہے ہو۔'' کہہ کر وہ پھر سے رونے لگی اور سسکتے سسکتے کھاٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ چرن ہولے ہولے اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''مجھے بتاؤ تمہیں کیا ہوا رانی؟ میں کل سے تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلکان ہو گیا ہوں۔'' رانی نے سر اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''جو ہونی بیتنی تھی بیت گئی۔ تم جاؤ یہاں سے۔''

''جب تک تم مجھے بتاؤ گی نہیں میں نہیں جاؤں گا۔''

رانی اسے دیکھتے دیکھتے بولی۔ ''بے گانوں کے سامنے کوئی پردہ نہیں رہا تو اب تم سے کیا چھپاؤں۔'' کہہ کر وہ جو بھی بیتی تھی سنانے لگی۔ اس نے بتایا کہ سمیال اسے فرنگی مل کی بات ماننے کے لئے کہہ رہا تھا۔ جب وہ اس کے دباؤ میں نہیں آئی تو وہ اس کی ضد توڑنے کے لئے اسے اپنے باغیچے میں لے گیا۔ رانی نے کوئی بات چھپا کر نہیں رکھی۔ جب اس نے بتایا کہ کیسے اس کی ٹانگوں بانہوں کو

پکڑ کرانھوں نے اسے خراب کیا تو اس کی آنکھوں میں انگارے جل اٹھے۔ چرن نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ملنے شروع کیے تو رانی نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''مجھے لگتا ہے میرا جنم ہی پاپوں کی دلدل میں پھنسنے کے لیے ہوا ہے۔ نہ میں اس نرک میں سے نکلنے کی قسم کھاتی نہ یہ خرابی خواری ہوتی۔ اب تو میں جینا ہی نہیں چاہتی۔''

''لیکن میں نے تمہیں مرنے نہیں دینا رانی۔ پہلے ہی تم مرمر کر جیتی رہی ہو۔ ایک بار میرے واسطے اور سہی۔'' دوپٹے سے گالوں پر اٹکے ہوئے آنسو پونچھتے ہوئے رانی بولی۔ ''پہلے میں سوچتی تھی کہ میرے پاس کیا ہے کسی کو دینے کے لیے۔ تمہیں دے کر لگا کہ میرے پاس بھی کچھ ہے لیکن اب وہ بھی نہیں رہا۔'' چرن نے کہا ''مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیئے۔ لیکن مجھے یہاں آنے سے نہیں روکنا۔''

رانی بڑے غور سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تم چاہتے ہو میں ہمیشہ شرمسار ہوتی رہوں۔''

''شرمسار کیوں؟ کس بات کی شرمندگی اس میں تمہارا کیا دوش ہے؟''

''دوش نہیں لیکن بیتی تو میرے ساتھ ہی ہے۔''

''تب ہی تو تمہارے پاس آ کر مجھے وہ شکتی ملے گی جس کی مجھے ضرورت ہے۔''

''شکتی؟ کس شکتی کی بات کر رہے ہو تم؟''

''فرنگی مل اور سمپال جیسے لوگوں سے لڑنے کی طاقت۔''

''یہ جھنجھٹ پالنے سے کیا فائدہ؟''

''فائدے کی کس کو پڑی ہے؟ میرے اندر کی آگ تو ٹھنڈی ہوگی۔''

''میرے ساتھ جو بیتی سو بیتی۔ تم کیوں مصیبت گلے ڈالنے لگے؟''

کچھ دیر چپ رہ کر وہ پھر بولی۔ ''بھول جاؤ سب کچھ۔ کبھی سوچنا بھی نہیں کہ تمہیں رانی ملی تھی۔ جس طرح پہلے میرا نباہ ہو رہا تھا اس طرح تو ہو ہی جائے گا۔'' کہہ کر رانی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ چرن اس کے آنسو پونچھنے لگا تو رانی نے اس کے ہاتھ پرے کر دیئے اور بولی اب میں نے اپنے آنسو خود ہی پونچھنے ہیں۔ مجھے اب تمہارے ہاتھوں کی ضرورت نہیں۔ چرن اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا پھر بولی۔ ''اب جاؤ یہاں سے تمہیں میری قسم ہے جو کبھی لوٹ کر آؤ۔''

چرن خاموشی سے اٹھا اور چل دیا دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر مڑ کر رانی کو دیکھا اور بولا۔ ''میں جا رہا ہوں۔ کل آؤں گا۔ شام کو۔ روٹی یہاں کھاؤں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھولا اور باہر چلا گیا۔ رانی ادھر ہی دیکھ رہی تھی اس کی نظریں دروازے کے ساتھ چپکی ہوئی تھیں۔

☆

آج نیشنل کانفرنس کے ہیڈ کوارٹر میں صوبہ جموں کے سبھی حلقہ کمیٹیوں کے صدور اور سیکرٹریوں کا خاص اجلاس تھا۔ اور فرنگی مل کو اس میں خاص طور پر بلایا گیا تھا۔ لیجسلیٹو کونسل کے لئے اس کا چنا جانا پکا ہو گیا تھا۔ اور اب ایسی میٹنگوں میں ان کا آگے آگے رہنا ضروری تھا۔ جلدی جلدی وہ تیار ہو رہا تھا شکنتلا کی ماں نے کوٹ پتلون کو برش مار کر ایک طرف رکھا اور مولی کے پراٹھے بنا کر لے آئی۔ فرنگی مل غسل خانے سے نکلا اور کوٹ پتلون پہن کر جھٹ پٹ پراٹھے کھانے بیٹھ گیا۔ گھڑی دیکھی ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا۔

شکنتلا کی ماں بولی۔ ''ابھی تو ممبری نہیں ملی لیکن آپ سے بات کرنا ابھی سے مشکل ہو گیا۔''

''کیا کہنا چاہتی ہو۔ بتا دو۔''

''ایسا لڑکا پھر ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا۔''

''گوپال کی بات کر رہی ہو تم؟''

''ہاں''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ لیکن اتنی جلدی کیا ہے آرام سے سوچ سمجھ کر سب کچھ کریں گے۔''

''اس میں سوچنے سمجھنے والی کیا بات ہے؟ زیادہ سوچوں میں پڑے رہنے سے موقع ہاتھ سے نکل بھی جاتے ہیں۔''

''تمہاری تو شروع سے عادت ہے جس بات کے پیچھے پڑیں پڑ گیں۔ چار دن اور ٹھہر جاؤ۔ اگر میں منسٹر بن گیا تو ہر بات کا مزہ ہی کچھ اور ہو جائے گا۔'' کہہ کر فرنگی مل نے مولی کا ڈکار مارا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ بیوی بولی۔ ''آپکو تو صرف بات ٹالنی آتی ہے۔'' لیکن اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی فرنگی مل باہر نکل گیا ہوا تھا۔

وہ ڈرائینگ روم میں آیا تو ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ فون اٹھایا۔ دوسری طرف سمیال بول رہا تھا۔ ''چوہدری صاحب جے ہند۔ قلعہ فتح کر لیا مہاراج۔ آپ کا کام پورا کر دیا ہم نے۔ بڑی اڑیل گھوڑی تھی۔ سواری کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن آپ کی نظروں کی داد دینی پڑے گی۔ صاحب نے بھی چن کر دانہ پسند کیا ہے۔ ہمیں بھی مزہ آیا اس کا غرور توڑ کر۔ اب آپ بے فکر ہو کر جیسے چاہو اسے اپنے نیچے لاؤ۔'' فرنگی مل خوش ہو گیا سن کر۔ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''بہت بہت شکریہ ٹھاکر صاحب۔ میں اس وقت نیشنل کانفرنس کے ہیڈ کوارٹر جا رہا ہوں۔ بڑا بھاری اجلاس ہو رہا ہے وہاں۔ آپ دوپہر کو میرے دفتر میں آ جانا۔ اچھا؟ ٹیلی فون چھوڑ کر وہ جلدی جلدی باہر آیا۔ کار میں

بیٹھا اور ڈرائیور کو تیز چلانے کے لیے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اچھا ہوا جو سمیال نے رانی کو سیدھا کر دیا۔ اب منسٹر صاحب اور بھی خوش ہو جائیں گے۔ پچھلے چار پانچ دنوں میں ہی فرنگی مل نے بے شک اندر ہی اندر پچاس ہزار روپے دے دیئے ہیں پچیس ہزار پرائم منسٹر صاحب کے ایک رشتہ دار کی کمپنی کے شیئر خریدنے کے بہانے۔ پندرہ منسٹر صاحب کو دیئے ہیں ان کے گاؤں کی کچی سڑک کو پکا بنانے کے واسطے اور دس سکریٹری صاحب نے رکھوا لیے اپنے پرائیوٹ فنڈ کے نام پر لیکن بات ابھی صرف کونسل کی ممبری تک ہی پہنچی ہے۔ منسٹری تک پہنچتے پہنچتے لاکھوں کا چڑھاوا چڑھانا پڑے گا۔ لیکن جب سکریٹری صاحب نے یہ نیا پرساد چکھا جس کا نام رانی ہے تو وہ پورے طور پر اپنی مٹھی میں آ جائیں گے۔

ان سوچوں میں پڑا وہ ہیڈ کوارٹر پہنچا۔ بہت سے لوگ اسے آگے آ کر ملے ان کی بات چیت سے نظر آ رہا تھا کہ اسے ایک اہم آدمی سمجھا جا رہا ہے۔ دور دراز کے لوگ بھی حیلے بہانوں سے بات کر رہے تھے۔ کچھ خاص لوگوں کے ساتھ سکریٹری صاحب نے اسے خاص طور پر ملوایا۔ فرنگی مل سمجھ گیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں آگے چل کر اس کا طرف دار بننا ہے۔ آج پرائم منسٹر صاحب نے بھی باتوں باتوں میں کچھ پلوں کے لئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ساری ہوا ہی بدلی ہوئی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ کئی انچ اور اونچے اور چوڑے ہو گئے ہیں۔ اب انہیں کوئی شک نہیں رہا اپنے منسٹر بننے میں۔ پچاس ہزار کا غم نہیں رہا اور کئی لاکھ لگانے کا حوصلہ بڑھ گیا۔

پرائم منسٹر صاحب نے اپنی تقریر میں کہا۔ "آپ عوام کے سچے نمائندے ہیں۔ آپ نے ہی لوگوں کو اس بات کا احساس کرانا ہے کہ شخصی حکومت کا خاتمہ ہو چکا ہے اور عوامی راج قائم ہو چکا ہے۔ لوگ راج کا مطلب اپنا ذاتی راج نہیں بلکہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور اپنا کام دیش کا کام اور دیش کا کام سمجھ کر کرنا ہے۔ جس میں کوئی بڑا چھوٹا اونچا نیچا نہیں سب برابر اب کوئی حاکم کوئی سرمایہ دار کوئی ساہوکار عوام پر ظلم نہیں کر سکتا۔ ہمیں ایک ایسے ہی سماج کی تشکیل کرنی ہے۔ نئے کشمیر کا جو خواب ہم نے دیکھا ہے اسے صحیح معنوں میں عمل میں لانا ہمارا فرض اولین ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ہمارے راستے سے ہٹا نہیں سکتی۔ جو امن دشمن سامراجی طاقتیں ہمارے راستے میں آئیں گی ہم ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیں گے۔" سب طرف تالیاں گونج اٹھیں۔ نعرے لگنے لگے۔ نیا کشمیر۔ زندہ باد... خالد کشمیر... زندہ باد فرنگی مل کے منہ سے بھی زندہ باد نکلا۔ صرف منہ سے ہی نہیں۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ آواز اس کے دل سے نکلی ہے۔ پرائم منسٹر صاحب کی باتوں سے وہ دل سے متفق تھا۔

عام اجلاس ختم ہوا تو ادھر ادھر چھوٹی چھوٹی میٹنگیں شروع ہو گئیں۔ سکریٹری صاحب نے فرنگی مل کو دو خاص میٹنگوں میں ساتھ رکھا فرنگی مل تعجب کرتا رہا کہ کیسے کیسے اہم فیصلے ان میٹنگوں میں ہوتے ہیں۔

دوپہر جب وہ اپنے دفتر آیا تو اس کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ اسے حقیقت ہی اپنا آپ بڑا اہم لگ رہا تھا۔ اتنی دیر میں سمیال آ گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی بولا۔ ''مبارک ہے چودھری صاحب! شہر میں ہر طرف آپ کے ایم۔ ایل۔ سی بننے کا چرچا پھیلا ہوا ہے۔'' پھر ذرا اور بھی قریب سرک کر کہنے لگا ''لوگ تو آپ کے منسٹر بننے کی افواہ بھی اڑا رہے ہیں۔''

فرنگی مل ہنس دیا اور بولا۔ ''یہ سب آپ جیسے یاروں دوستوں کی مہربانیاں ہیں۔ نہیں تو ہم کی قابل ہیں'' پھر انہوں نے جیب سے پانچ سو روپے نکال کر سمیال کے ہاتھ پکڑائے۔ ''یہ لوٹھا کر صاحب۔ ہماری طرف سے نذرانہ۔''

''اس کی کوئی ضرورت تو نہیں تھی۔'' سمیال نے نوٹوں کو جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اب آپ کا حکم بھی کیسے ٹال سکتے ہیں۔ مہاراج کوشش کرنا کہ منسٹر بن کر پولیس ڈپارٹمنٹ ہاتھ لگے۔ ہمیں تو تبھی فائدہ پہنچے گا۔''

''آپ بے فکر رہو ٹھاکر صاحب میں منسٹر بنوں نہ بنوں آپ کا کام ضرور ہو جائے گا۔ آپ نے جو ہمارا کام کیا ہے وہ کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔ پولیس ڈپارٹمنٹ میں آپ جیسے چست اور فرض شناس افسروں کی ضرورت ہے۔''

سمیال نے خوش ہو کر فرنگی مل کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''یہ تو صاحب کی ذرہ نوازی ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ اب آپ کی جب مرضی ہو اس حور پری کو بلا لینا۔ میں نے اس کی اچھی طرح جھاگ بٹھادی ہے۔ کیا مجال کہ اب سی بھی کر جائے۔''

سمیال چلا گیا تو فرنگی مل سوچنے لگا اب ایک دو دن کے اندر ہی اپنے منسٹر صاحب کو دعوت دے دینی چاہئے۔

☆

آج پھر چرن صبح سویرے ہی تیار ہو کر گھر سے نکل گیا۔ سیدھا سوہن لال اجاگر کے گھر پہنچا۔ باہر سے آواز دی۔ اندر سے کسی عورت نے جواب دیا کہ وہ دفتر چلے گئے ہیں۔ لیکن اس وقت چرن اس کے دفتر نہیں جا سکتا تھا۔ اسے اپنے دفتر بھی پہنچنا تھا۔ دفتر پہنچ کر اس نے چنڈیال صاحب کو سگرٹ پر سگرٹ پلانا شروع کیا۔ وزیر صاحب کو پیش کیا لیکن انہوں نے اپنی بیڑی کے ساتھ بے

وفائی نہیں کی۔کوئی دو بجے جنڈیال سے خود ہی رہا نہیں گیا۔بولا۔'' چرن صاحب آج کوئی کام تو نظر آ نہیں رہا اگر آپ نے کہیں جانا ہے تو بے شک جاؤ۔'' شرم لحاظ میں دس پندرہ منٹ اور بیٹھ کر چرن وہاں سے نکل آیا اور سیدھا اجاگر کے دفتر پہنچا۔

اجاگر کھانا کھانے گھر گیا ہوا تھا لیکن جلدی لوٹ آیا۔ چرن کو وہاں بیٹھے دیکھ کر حیران ہوا۔ کہنے لگا'' آج کا چاند کدھر سے نکل آیا۔'' چرن نے کہا۔'' ایک ایسی کہانی لے کر آیا ہوں اجاگر صاحب جو آپ کے پرچے میں چھپتے ہی سارے شہر میں ہنگامہ پیدا کر دے گی۔

'' ایسی کون سی کہانی ہے۔سناؤ تو سہی۔''

چرن نے تمہید بنانی شروع کی۔آپ اس دن کہہ رہے تھے کہ بے ایمان افسروں خودغرض لیڈروں اور دھوکے باز ٹھیکیداروں کے پردے فاش کرنا اور ان کرتوتوں کو نشر کرنا آپ کے اخبار کا پہلا کام ہے۔ میں آپ کو ایک پولیس افسر کی کالی کرتوت بتانے آیا ہوں۔ اس نے ایک غریب مجبور عورت کو تھانے بلا کر دھمکایا ڈرایا۔ پھر اسے جیپ میں بیٹھا کر شہر سے باہر اپنے باغیچے میں لے گیا۔اسے وہاں دو دن رکھا۔اس کی عزت آبرو لوٹی اور پھر نیم مردہ حالت میں واپس چھوڑا۔''

اجاگر کی آنکھوں مے ں ایک چمک آ گئی۔اس کے نتھنے پھڑ کنے لگے بڑے دنوں سے کوئی زبردست شوشہ ہاتھ نہیں لگا تھا۔اس نے جھٹ پوچھا کون سے پولیس افسر کی بات کر رہے ہیں آپ؟

''سمیال کی۔ سٹی تھانے میں لگا ہوا ہے۔''

اجاگر کچھ یاد کرتے ہوئے بولا۔'' اس کے بارے میں آگے بھی بھنک پڑی تھی لیکن کچھ ٹھوس بات ہاتھ نہیں لگی۔ تھوڑی دیر چپ رہ کر وہ پھر بولا۔سمیال اتنا بڑا افسر نہیں جو اکیلے اتنا بڑا رسک لے سکے اس کی پیٹھ کے پیچھے ضرور کوئی اور بھی ہوگا۔'' چرن اجاگر کی تجربہ کاری پر حیران ہو کر بولا۔'' آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔اس کیس میں اور لوگ بھی انوالو ہیں۔''

'' کون لوگ ہیں؟''

'' چودھری فرنگی مل۔'' چرن نے بتایا۔اجاگر کی آنکھیں۔ چمکنے لگیں۔اس نے پل بھر میں سارے اندازے لگا لیے اور جان لیا کہ بڑی اسامی ہاتھ آئی ہے۔اس معاملے کو سوچ سمجھ کر ہینڈل کرنا پڑے گا وہ سوچنے لگا۔ پہلے اندرونی سچائی جاننا ضروری ہے۔اس نے چرن سے پوچھا۔'' وہ عورت کون ہے؟''

چرن سوچوں میں پڑ گیا۔رانی کے بارے میں کچھ بتانا اتنا آسان نہیں تھا۔لیکن بات اب دور نکل چکی تھی اور لوٹ کر پیچھے آنے کے واسطے وہ بھی تیار نہیں تھا۔کہیں نہ کہیں جا کر رانی کا نام

لینا ہی پڑے گا۔ اس نے سوچا پھر خیال آیا۔ اجاگر بھی اس معاملے میں خاصا بدنام آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ رانی کو پہلے سے جانتا ہو۔ اجاگر نے چرن کو کچھ نہ کہتے ہوئے دیکھ کر کہا۔'' اخبار میں کوئی بات لکھ کر اس کی ساری ذمہ داری ہم اپنے سر پر لیتے ہیں۔ میں نے بے شک آپ کا اور اس عورت کا نام اخبار میں نہیں چھاپنا لیکن مجھے ساری سچائی کا تو علم ہونا چاہیئے۔''

چرن بولا۔'' اس کے ساتھ میرا بڑا نزدیکی تعلق ہے۔''

اجاگر بات سمجھ گیا۔ چرن کو غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا'' مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ آپ کا اس سے کیا تعلق ہے لیکن کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟''

چرن کا من بجھ گیا۔ اس وقت فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اجاگر کے سوال کا کیا جواب دے؟ اسے پس وپیش میں پڑے دیکھ کر اجاگر بولا۔ کسی کے خلاف اتنی سیریس بات لکھ کر ہمیں ان کے جوابی حملے کا بھی تو مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ہم پر ہتک عزت کا دعوی ہوسکتا ہے۔ ایڈیٹر کو ہتکڑیاں بھی لگ سکتی ہیں چرن جی! لیکن اگر ہمیں یقین ہو جائے کہ معاملہ سچا ہے تو ہم جیل جانے کا رسک بھی لے سکتے ہیں۔ گورنمنٹ کے ساتھ لڑ سکتے ہیں سچائی کی خاطر شہید ہو سکتے ہیں۔''

اجاگر کی باتوں میں زور تھا۔ چرن نے سوچا اگر اتنی بات اخبار میں چھپنی ہے تو ثبوت تو ہونا ہی چاہیئے۔ وہ اجاگر کو رانی کے پاس لے جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اجاگر نے اسے ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے لئے کہا۔ کل اخبار چھپنا تھا اور ابھی دو صفحات کی کتابت باقی تھی۔ آخری صفحہ پر اس نے تھوڑی جگہ بچا کر رکھ لی تاکہ چرن والا میٹر لکھ کر ڈال سکے۔ باقی جگہ بھرنے کے لئے اس نے میٹر تلاش کرنا شروع کیا۔ کچھ رشین ایمبیسی کے رائیٹ اپ کاٹ کر کاتب کو دیئے تو کچھ دہلی کے اخباروں کی کترنیں۔ پھر اس نے پہلے سے کتابت شدہ صفحہ کی پروف ریڈنگ کی۔ چرن اُسے بڑے دھیان سے یہ سارے کام کرتے دیکھ رہا تھا۔ سوچ رہا تھا۔ ان لوگوں کی حقیقت میں بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ ایک بار اخبار میں چھپی ہوئی خبر لوگوں تک پہنچ جائے تو پھر واپس نہیں ہو سکتی منہ سے نکلے بول کی طرح۔ اسے سمیال اور فرنگی مل کا خیال آیا۔ خبر پڑھ کر ان کی ماں مر جائے گی تڑپ اٹھیں گے۔ جگہ جگہ لوگ باتیں کریں گے۔ گھر سے باہر نکلنا مشکل ہو جائے گا اور دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔ تب انہیں پتہ لگے گا کہ غریب اور مجبور لوگ بھی انسان ہیں ان کی عزت کا بھی کوئی مول ہے۔

کوئی دو گھنٹے بعد دونوں وہاں سے نکلے سات بجنے والے تھے اور شام کا جھٹ پٹا گھنا ہو رہا تھا۔ اس گلی تک پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو گیا۔ چرن نے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ رانی نے دروازہ کھولا اور چرن کو دیکھ کر ایک طرف ہٹ گئی۔ چرن کے پیچھے پیچھے اجاگر بھی اندر داخل ہوا چرن نے اجاگر کو ٹوٹی

ہوئی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا اور خود کھاٹ پر بیٹھ گیا پتہ نہیں کیوں رانی نے جان بوجھ کر دروازہ بند نہیں کیا ایک کواڑ تھوڑا سا کھلا رہنے دیا۔ چولہا جل رہا تھا اور توا اوپر رکھا ہوا تھا۔ ان کے آنے سے پہلے وہ روٹیاں بنا رہی تھی اس نے چرن سے پوچھا۔ ''چائے بناؤں؟''

''ہاں۔''

توا اتار کر رانی نے چائے کے لیئے پانی رکھا۔ اجاگر دل ہی دل میں اس کی خوبصورتی کی تعریف کر رہا تھا۔ پہلی نظر میں ہی وہ اس بات کا قائل ہو گیا تھا کہ اس سے زبردستی ہو سکتی ہے۔ لیکن سہمے ہوئے ڈرے ہوئے اس کوٹھری کی ہر چیز لالٹین کی غریب روشنی میں اسے بڑی بھید بھری لگ رہی تھی۔ چرن نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ ''اجاگر صاحب لوک راج کے ٹھیکیداروں نے صرف اپنا پیٹ اور اپنا گھر بھرا ہے۔ عام لوگوں کو کیا ملا ہے یہ آپ اس گھر کو دیکھ کر خود ہی سوچ لیں یہی نہیں لوک راج کے علم برداروں نے عام لوگوں کے حقوق چھین کر ان پر ظلم کرنے شروع کئے ہیں تاکہ وہ اف تک نہ کریں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں چرن جی۔'' اجاگر بولا ''آج کل تو ہر طرف لوٹ کا بازار گرم ہے۔۔ تب ہی تو لوگ کہتے ہیں کہ اس عوامی راج سے شخصی حکومت بہتر تھی۔ لیکن کیا کیا جائے؟ وقت کبھی پیچھے نہیں مڑا۔''

رانی دو پیالوں میں چائے ڈال کر لے آئی۔ ایک چرن کے ہاتھ میں پکڑائی اور ایک جھجکتے ہوئے اجاگر کے ہاتھ میں دی خود لوٹ کر چولہے کے پاس جا بیٹھی۔

''آپ نے کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لو۔''

''نہیں پوچھنا کیا ہے۔ تصویر تک خود بولتی ہے۔ اس گھر کی ہر چیز پر ظلم ہوا نظر آ رہا ہے۔ آپ نے جو کچھ مجھے بتایا ہے وہ سب میں اپنے ڈھنگ سے اخبار میں لکھوں گا اور آپ دیکھنا میں اس طرح لکھوں گا کہ ان ظالموں اور بے ایمانوں کے کلیجے کانپ جائیں گے۔''

رانی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ زیادہ باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ لیکن اجاگر کی آخری بات سن کر اس کے دل میں خدشہ پیدا ہو گیا۔ اخبار میں سب کچھ چھپ جائے گا تو چاروں طرف شور مچ جائے گا۔ سارے شہر میں اس کی بدنامی ہو جائے گی۔ وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ جائے گی۔ وہ چرن کو پاس بلا کر کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اسی وقت دروازے پر آہٹ ہوئی۔ فرنگی مل کا ڈرائیور دائیں طرف کا پورا کواڑ کھول کر کھڑا تھا۔ دو آدمیوں کو اندر بیٹھے دیکھ کر وہ تذبذب میں پڑ گیا تھا۔ غصے اور شرمندگی سے رانی کا منہ سرخ ہو گیا۔ چرن اور اجاگر کی نظریں بھی ڈرائیور کی طرف

تھیں۔

''کیا بات ہے؟ رانی نے کانپتی آواز میں پوچھا۔

ڈرائیور نے جھجکتے جھجکتے کہا۔ ''فرنگی مل جی نے بلایا ہے تمہیں۔''

رانی ایکدم کھڑی ہوگئی اور بولی۔ ''فرنگی مل کو جا کر کہو اپنی بہن کو بلا بھیجے اور کوئی جگہ نہیں ملتی بے غیرت کو۔ اگر تم پھر کبھی یہاں آئے تو تمہاری ٹانگیں توڑ کر رکھ دوں گی۔''

ڈرائیور کو بھاگتے راستہ نہیں ملا۔ رانی تھر تھر کانپتی ویسے ہی کھڑی رہی۔ چرن اور اجاگر حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد چرن بولا۔ ''اجاگر صاحب اب تو آپ نے خود دیکھ لیا میں نے جو کچھ آپ کو بتایا تھا وہ سچ ہے نا؟'' اجاگر اٹھتے ہوئے بولا ''مجھے تو سب کچھ پہلے ہی سچ معلوم ہو رہا تھا۔ یہ تو چشم دید ثبوت مل گیا۔ میں جاتا ہوں مجھے ابھی دفتر جا کر سب کچھ لکھنا پڑے گا۔ صبح اخبار چھپنے کو دینا ہے۔ دوپہر تک چھپ کر آجائے گا۔ آپ جب مرضی ہو دفتر آجانا۔'' چرن ساتھ جا کر اسے باہر تک چھوڑ آیا۔ واپس اندر آ کر دیکھا تو رانی چولہے کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ آنسو پونچھ کر چرن سے پوچھنے لگی۔ ''یہ کون تھا؟''

''اجاگر'' چرن نے جواب دیا۔ ''ایک اخبار کا ایڈیٹر ہے۔ اپنے اخبار میں وہ سمیال اور فرنگی مل کے کرتوت ظاہر کرے گا۔''

''ان کے ساتھ میری بدنامی نہیں ہوگی؟'' رانی نے پوچھا۔

''بدنامی کس بات کی؟ تمہارے ساتھ زور زبردستی ہوئی ہے اور زور زبردستی ہمیشہ شریف عورتوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ تمہاری شرافت کا گواہ میں ہوں۔ میرے سامنے تم نے قسم کھائی تھی کہ میرے سوا تم کسی اور مرد کو نزدیک نہیں آنے دو گی۔ اگر تم جھوٹی قسم اٹھاتیں تو تمہاری یہ درگت نہیں ہوتی۔ تم اپنے وچن کی سچی نکلیں میرے دل میں تمہاری عزت اور بڑھ گئی ہے۔'' چرن کی باتیں سن کر رانی کے دل میں ایک گولا سا اٹھا اور آنکھیں چھلک آئیں۔ وہ آہستہ آہستہ سسکنے لگی۔ چرن کہتا جا رہا تھا۔ ''ان جانوروں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کا بدلا لیے بغیر میں جیتا نہیں رہ سکتا۔ تم میرا ساتھ دو گی تو ٹھیک نہیں تو میں اکیلا ہی ان کا مقابلہ کروں گا۔'' رانی روتے روتے بولی۔ ''مجھے تو تمہارا خیال آتا ہے میں نے تمہیں وچن دیا تھا۔ لیکن تم نے مجھے کوئی وچن نہیں دیا تھا مجھے میری قسمت پر چھوڑ دو۔ میں تو چولہے میں جل رہی لکڑی ہوں۔ آہستہ آہستہ میں پوری ہی جل جاؤں گی۔ تمہیں اس آگ میں اپنی آہوتی دینے کی کیا ضرورت ہے۔''

''تم نے منہ سے بول کر وچن دیا تھا لیکن میں نے بغیر بولے جو اقرار کیا تھا اس کو نبھانا

ضروری ہے'' کہتے ہوئے چرن نے رانی کے گھٹنوں پر رکھے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ رانی نے ہولے سے اس کا ہاتھ پرے کیا اور بولی'' میرا دل خود سے ہی اچاٹ ہو گیا ہے کسی بات کا چاؤ نہیں رہا۔'' چرن نے ایک ٹک اسے دیکھتے ہوئے کہا۔'' کب تک یہ دوری بنائے رکھوگی؟''

رانی آنکھ جھپکائے بنا اسے دیکھنے لگی اور دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ چرن ہولے سے بولا۔'' اور سب ٹھیک ہے رانی لیکن اسطرح میرے سامنے رو و نہیں۔ اچانک اس کی نظر رانی کے پیچھے پڑی بھگوان شری کرشن کی مورت پر پڑی۔ اس کے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ اس نے حیرانگی سے پوچھا۔'' یہ مورت کس نے توڑ دی؟

'' میں نے'' رانی نے مورت کی طرف دیکھے بغیر ہی کہا۔ اس کی نظریں پتھرا گئی تھی۔

'' کیوں؟'' چرن نے پوچھا۔

ان مٹی کی مورتیوں کو پوجنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ غریب اور لاچار لوگوں کو جھوٹے دلاسے دیتی ہیں۔ وقت پڑنے پر ان کی مدد بھی نہیں کرتیں۔''

چرن نے دیکھا اب رانی کی آنکھوں سے آنسو نہیں چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ کتنی ہی دیر تک وہ دیکھتا رہا رانی کی باتوں میں اسے وہ زہر محسوس ہوا جو اس کے اپنے لہو میں گھل گیا ہوا تھا۔

☆

دفتر پہنچتے پہنچتے اجاگر نے سارا منصوبہ بنالیا تھا۔ رانی پر اسے ترس آرہا تھا اور چرن کو وہ بے وقوف مان رہا تھا جو جان بوجھ کر اپنے گلے میں بھانسی کا پھندا ڈال رہا تھا۔ لیکن اجاگر کو کسی کی فکر نہیں تھی وہ کسی کو نقصان پہنچائے بغیر اپنا مطلب نکالنا جانتا تھا۔ یہ تو اس کا روز کا کام تھا۔ لیکن فرنگی مل جیسی مرغی کبھی کبھی پھنستی ہے۔ یہ تو لاٹری لگنے والی بات تھی۔

دفتر میں کاتب اسکا انتظار کر رہا ہے۔'' اجاگر صاحب یہ تھوڑی سی جگہ آپ نے خالی رکھوائی تھی۔''

'' دو منٹ ٹھہرو ابھی لکھ کر دیتا ہوں۔'' اجاگر نے کہا اور پھر کاغذ سامنے رکھ کر لکھنے بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے اس نے سرخی جمائی۔'' رکھوالوں نے ہی عزت آبرو لوٹ لی'' اور پھر نیچے اس طرح لکھنا شروع کیا۔'' پتہ چلا ہے کہ ایک بدنام تھانیدار نے ایک بھولی بھالی غریب عورت کو تھانے بلا کر اسے اغوا کیا اور پھر اسے شہر سے باہر اکیلے میں لے جا کر اس سے زور زبردستی کی۔ اس کی عزت لوٹی اور اسے دو دن تک بھوکی پیاسی ایک کچے مکان میں بند رکھا۔ سننے میں آیا ہے کہ اس شرمناک حرکت کے پیچھے شہر کے کچھ بڑے چوہدریوں کا ہاتھ ہے۔ پوری تفصیلات اچھی طرح چھان بین کر کے اگلے

شمارے دی جائیں گی''۔ یہ لکھکر اجاگر نے پوری تحریر کو دو تین بار پڑھا اور پھر کاتب کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ ''جگہ زیادہ ہے اور خبر چھوٹی ہے۔''

''دونوں طرف خالی جگہ چھوڑ دو۔ پڑھنے والوں کی نظر اس خبر پر سیدھی پڑے گی۔''

کاتب لکھنے بیٹھ گیا۔ اجاگر کوٹ کے کندھے جھاڑنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر دھیمی ہنسی تھی کوئی بہت بڑی بازی مار لی ہو۔ دوسرے دن بارہ بجے اخبار چھپ گیا۔ سب سے پہلی کاپی جو ہاتھ آئی اجاگر نے اس پر اس خبر کے چاروں طرف لال پینسل سے حاشیہ ڈالا اور اسے کاتب کے ہاتھ فرنگی مل کے دفتر بھیج دیا۔

فرنگی مل نیشنل کانفرنس کے ہیڈ کواٹر سے ہو کر کوئی دو بجے اپنے دفتر پہنچا۔ میز پر اخبار پڑا دیکھ کر مسکرایا۔ سوچا اب لوگوں کی نظروں میں وہ سچ مچ اہم آدمی ہو گیا ہے۔ اپنے آپ اخبار آنے شروع ہو گئے ہیں۔ لیکن اس وقت اسے پڑھنے کی فرصت نہیں تھی ۔ اخبار اٹھا کر ایک طرف رکھنے لگا تو اچانک نظر لال نشان پر پڑی فوراً اخبار اٹھا کر خبر پڑھی ۔ چھوٹی سی خبر تن بدن میں سرسراہٹ پیدا کر گئی۔ ٹھنڈا پسینہ آنے میں ایک پل نہیں لگا۔ کانپتے ہاتھوں سے ٹیلی فون کر کے سمیال کو بلایا۔ سمیال دوڑتا ہوا آیا۔ خبر پڑھ کر اس کی بھی جان نکل گئی۔ ''ٹھاکر صاحب مجھے بھی اپنے ساتھ مروا دیا آپ نے''فرنگی مل نے کہا۔

''مہاراج میں نے تو جو کچھ کیا آپ کے لئے ہی کیا۔ آپ کو تو پھر بھی کچھ نہیں ہونا لیکن میرا ریکارڈ تو پہلے ہی خراب ہے۔ میری نوکری پر آبنی تو میرے بال بچے بھوکے مر جائیں گے۔''

''اس میں آپ کا ہی قصور ہے ٹھاکر صاحب۔ آپ کے ہی کسی آدمی نے ساری بات پر نظر رکھ کر خبر دی ہے۔ مجھے تو ناحق ہی مروا دیا آپ نے۔ آپ کو معلوم ہے اس رانڈ نے کل پھر آنے سے منع کر دیا تھا میرے ڈرائیور کے سامنے مجھے گالیاں دی اور اسے جھاڑ دھتکار کر بھگا دیا۔ ڈرائیور نے مجھے بتایا کہ اس وقت دو آدمی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔''

''اسے کسی نہ کسی کی شہ ضرور ہے چوہدری صاحب نہیں تو ہمارے سامنے اتنی تند نہیں ہو سکتی۔ میں نے اس کی اکڑ توڑ دی لیکن وہ ابھی بھی اتنی بگڑی ہوئی ہے۔ تعجب ہے کہ اخبار والوں کے پاس کیسے پہنچ گئی۔ رانڈ نے بکھیڑا کھڑا کر دیا۔''

''اب کیا کرنا ہے؟''

''مہاراج جلدی بلاؤ اس اخبار کے ایڈیٹر کو اور ہڈی منہ میں ڈالو۔ ان کتوں کو تو کسی طرح کی خبر ملنی چاہیے ہیں۔ کسی کی عزت کسی کی نوکری کی انہیں کیا پڑی ہے؟''

فرنگی مل نے خاص آدمی اجاگر کو بلانے کے لئے بھیجا۔ اجاگر بیٹھا ہوا تھا۔ آج دوسرے سارے کام اس نے پہلے سے ہی کینسل کر رکھے تھے۔ کوٹ کے کندھے جھاڑتا ہوا اٹھا اور فرنگی مل کی کار میں بیٹھ کر اس کے دفتر پہنچا۔ اسے اس دن کی یاد بھولی نہیں تھی۔ جب چھ مہینے پہلے وہ فرنگی مل کے پاس اخبار کا سالانہ چندہ مانگنے گیا تھا۔ تو فرنگی مل نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا۔ ''میں تو کبھی کوئی اخبار پڑھتا ہی نہیں۔'' آج اجاگر بڑی شان کے ساتھ اس کے دفتر میں داخل ہوا۔ فرنگی مل نے اٹھ کر اس کا سواگت کیا۔ ''آؤ آؤ! اجاگر صاحب۔ آؤ بیٹھو کیا حال چال ہے؟''

''جناب کی مہربانی ہے۔'' اجاگر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا پیو گے چائے۔ کافی یا...''

''چائے منگوالو۔''

چپراسی کو بلا کر فرنگی مل نے چائے لانے کے لئے کہا۔

سمیال اجاگر کو اس طرح گھور کر دیکھ رہا تھا کہ اگر اسکا بس چلتا تو اس حرام زادے کو ابھی پکڑ گلا گھونٹ دیتا۔ فرنگی مل نے ملائم آواز میں کہنا شروع کیا ''بڑے افسوس کی بات ہے اجاگر صاحب ہمارے اتنے پرانے دوست ہو کر بھی آپ نے ہمارے سر میں خاک ڈال دی۔

''آپ غلط کہہ رہے ہیں چوہدری صاحب۔ اگر میری آپ سے سمیال جی سے کوئی دشمنی ہوتی تو آپ دونوں کے نام نہیں چھاپ دیتا؟''

''یہ تو آپ نے اچھا کیا۔'' فرنگی مل نے کہا۔ لیکن سمیال سے رہا نہیں گیا۔ کڑی آواز میں بولا۔ ''آپ کو کسی نے بہکا دیا ہے۔ اس بات میں ذرا بھی سچائی نہیں۔'' اجاگر کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور جوش میں آ کر بولا۔ ''ٹھاکر صاحب ہماری خبر کبھی جھوٹ نہیں ہو سکتی۔ پچیس سال ہو گئے ہیں ہمیں اخبار چلاتے۔ بغیر ثبوت کے ہم کبھی کوئی خبر نہیں چھاپتے۔''

''کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟'' سمیال بھی جوش میں آ گیا۔

''میرے پاس رانی کا حلفیہ بیان ہے۔ اگر میں کہیں وہ چھاپ دیتا تو حکومت کا تختہ ہل جاتا۔ لوگوں نے ایجیٹیشن شروع کر دینی تھی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں ایک غریب عورت کی کوئی عزت آبرو نہیں؟ جو عورت بیچ بازار میں اپنے پردے اٹھا کر یہ کہے کہ اس کی عزت اتاری گئی ہے تو کون مائی کا لال اس کی بات کا یقین نہیں کرے گا؟''

''لیکن اس کی عزت ہے کہاں؟ وہ تو پیشہ کرنے والی بدکار عورت ہے۔''

''اگر وہ پیشہ کرنے والی ہوتی تو آپ کو اس کے ساتھ زور زبردستی کیوں کرنی پڑتی؟ میرے

سامنے چوہدری صاحب کا ڈرائیور کل شام اسے بلانے آیا تو اس نے لاکھ لاکھ گالیاں دے کر بھگا دیا۔''

چوہدری فرنگی مل کچا پڑ گیا۔ سمیال سے بھی آگے کچھ بولا نہیں گیا۔ موقع دیکھ اس نے پوچھا۔ ''اجاگر صاحب آپ کو اس کے پاس کون لے گیا؟''

''یہ ہمارے کاروباری راز ہیں۔ بزنس سیکرٹ ہیں۔ جیسے آپ کی سی آئی ڈی ہوتی ہے یسے ہم نے بھی اپنے جاسوس چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں۔''

چپڑاسی چائے بنا کر لے آیا۔ اجاگر نے گھونٹ بھرتے ہوئے پھر کہا۔ ''ٹھاکر صاحب اگر اس بات میں ذرا بھی سچائی نہیں ہوتی تو مجھے یہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ خبر پڑھ کر کسی اور کو خطرہ محسوس کیوں نہیں ہوا؟ چوہدری فرنگی مل جی نے ہی مجھے اپنے دفتر کیوں بلایا؟ شہر میں اور بھی تو کئی چوہدری ہیں۔''

فرنگی مل دانت نکالتے ہوئے بولا۔ ''آپ بھی بڑے پکے لیکھک ہیں۔ بے شک آپ نے یرا نام نہیں لکھا چوہدری لکھ کر اشارہ ضرور کر دیا۔''

''یہ تو ہماری قلم کے پینترے ہیں مہاراج۔'' اجاگر نے گردن اونچی کرتے ہوئے کہا۔ فرنگی مل بڑی حلیمی سے بولا۔ ''آپ ہمارے پرانے یار بیلی ہیں اجاگر صاحب۔ آپ کو یہ خبر چھاپنے سے پہلے ہمارے ساتھ صلاح مشورہ کر لینا تھا۔ ہر بات کی تہہ کے نیچے تہہ ہوتی ہے۔ باہر سے سچ نظر آنے والی بات بھی کبھی جھوٹ ہو سکتی ہے اور جھوٹ نظر آنے والی بات بھی سچ ہو سکتی ہے۔ ہر بات کی کئی وجوہات ہوتی ہیں جن سے آدمی گناہ گار بھی ثابت ہو سکتا ہے اور بے گناہ بھی۔ میں اس وقت ابھی اور ٹھاکر صاحب کی وکالت نہیں کرنا چاہتا۔ وقت وقت کی مجبوری ہوتی ہے۔ اندر کی بات یہ ہے کہ وہ عورت ہی ساری مصیبت کی جڑ ہے۔ لیکن اس وقت میں اس بات کا ثبوت دینے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اگر آپ ہمارے دوست ہیں تو مان جاؤ یہ ساری کہانی جھوٹی ہے۔''

اجاگر نے بھی رخ بدلتے ہوئے دیر نہیں لگائی۔ کہنے لگا۔ ''چودہدری صاحب اگر مجھے بالکل ہی شک نہیں ہوتا تو میں اتنی چھوٹی سی خبر چھاپتا؟ یہ دلچسپ کہانی تو پورے چار صفحوں میں چھپ سکتی تھی۔ لوگوں کو ایسی کہانیاں ہی تو چاہیں۔ لیکن ہمارے اخبار کا ایک اسٹینڈرڈ ہے۔ لوگوں کے شغل میلے کے لئے ہم خراب، اول جلول خبریں کہانیاں نہیں چھاپتے۔ تب ہی تو عام لوگ ہمارا اخبار اتنا نہیں پڑھتے جتنا دوسرے گھٹیا اور چیپ قسم کے اخبار پڑھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں ہمیشہ ہر چیز کی ضرورت ہی رہتی ہے۔''

''آپ نے کبھی پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے؟ میں آپکی ہر طرح سے مدد کر سکتا ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کا اخبار آپ کے پتاجی نے دیش بھگتی اور سماج سدھار کی بھاؤنا کے ساتھ نکالا تھا۔ وہ جموں کے بہت بڑے لیڈر تھے۔ ان کی تقریریں مجھے ابھی بھی یاد ہیں۔ مصیبتوں پر مصیبتیں آئیں لیکن انہوں نے اخبار کو کبھی بند نہیں ہونے دیا ہیں۔ آپ بھی تو ان کی روایت کو آگے بڑھا رہے ہو۔ کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ ہم بھی آپ کے اخبار کے ذریعے دیش اور سماج کی کچھ سیوا کریں؟ بتاؤ ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟

اجاگر نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور رومال سے منہ صاف کرتے ہوئے بولا۔ ''چودھری صاحب ہمارے ساتھ آپکے پرانے تعلقات ہیں۔ یہ تعلقات بنے رہیں بس مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔''

سمیال بڑا حیران ہوا۔ وہ تو اجاگر کو اب تک ایک چھٹا ہوا بدمعاش سمجھ رہا تھا۔ لیکن چودھری فرنگی مل نے اسے پھسلا کر ایسی جگہ لا کھڑا کیا تھا جہاں اس نے ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ فرنگی مل اپنی کامیابی پر دل ہی دل میں اٹھلاتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنا آخری پتا پھینکا۔ ''اجاگر صاحب آپ نے تھوڑا بہت تو سنا ہی ہوگا کہ میں بھی سیاست کے میدان میں قدم رکھ رہا ہوں۔ مجھے بھی آپ کے اخبار کی مدد چاہئے۔ آپ کے اخبار کا زندہ رہنا ضروری ہے۔ مہربانی کر کے مجھے بتاؤ کہ میں آپ کے واسطے کیا کر سکتا ہوں؟''

''آپ اخبار کے لائف ممبر بن جاؤ۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' فرنگی خوش ہو گیا۔ ''کتنی فیس ہے لائف ممبر شپ کی؟''

''ایک ہزار روپیئے۔''

فرنگی مل کو دھکا سا لگا۔ سمیال بھی پچھاڑ کھا گیا۔ ایسا چال باز اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دل ہی دل میں وہ جل بھن کر رہ گیا۔ اتنی محبت کر کے اسے پانچ سو ہی ملے اور یہ بے ایمان چار الفاظ لکھ کر ہزار روپے اینٹھ لے جا رہا تھا۔ آخر فرنگی مل کو ہزار دینے ہی پڑے۔ اجاگر جیب گرم کر کے بڑے پیار سے ان دونوں سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔ فرنگی مل اور سمیال بڑی دیر وہاں بیٹھے اسے گالیاں دیتے رہے۔

اجاگر کے دفتر میں بیٹھا چرن دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا۔ اخبار میں اس چھوٹی سی خبر کو اس نے کئی بار پڑھا۔ وہاں نہ فرنگی مل کا نام تھا نہ سمیال کا۔ یہ چار لائین بھلا پڑھی بھی کس نے ہوگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اجاگر جیسے سیانے ایڈیٹر نے اتنی زبردست خبر اتنے بے اثر طریقے سے

کیسے چھاپی۔ اجاگر کے وہاں آتے ہی اس نے پوچھا۔ ''یہ کیا کیا آپ نے؟ اتنی چھوٹی خبر چھاپی؟ اور نہ ہی کسی کا نام چھاپا؟'' اجاگر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ ''چرن جی شکر کرو میں اور آپ دونوں بال بال بچ گئے۔ میرا تو ستیاناس ہو جانا تھا۔''

''کیا ہوا؟'' چرن نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کل اخبار میں جگہ کم تھی۔ میں نے سوچا جتنی جگہ ہے اتنی خبر چھاپتے ہیں۔ ساتھ لکھ دیتے ہیں پورا لیکھا جوکھا اگلے شمارے میں دیں گے۔ ایسے لکھنے سے لوگوں کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ وہ اگلے شمارے کا انتظار کرتے ہیں۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ اس طرح انجانے میں ہی میں نے اپنا بیڑا غرق ہونے سے بچا لیا ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ اس وقت میں کہاں سے آ رہا ہوں؟ فرنگی مل کے دفتر سے۔ وہاں سمیال بھی بیٹھا ہوا تھا۔''

چرن نے اچھل کر پوچھا۔ ''انہوں نے یہ خبر پڑھ لی؟''

''پڑھنی نہیں تھی کیا؟ چرن جی ہمارے اخبار میں چھپی ہوئی خبر اڑ کر چاروں کونوں میں پہنچتی ہے۔ وہ دونوں اس طرح آپے سے باہر ہو رہے تھے جیسے مجھے کچا ہی چبا جائیں گے۔ سمیال مجھے اندر کرنے کی دھمکی دے رہا تھا اور فرنگی مل اخبار ہی بند کرانے پر اتارو تھا۔''

''سرکار ان کے باپ کی ہے جو اخبار بند کرا دیں۔''

''آپ کو پتہ نہیں چرن جی سرکاری حلقوں میں اس بدمعاش کا کتنا اثر ورسوخ ہے۔ جلدی ہی وہ ایم۔ ایل۔ سی بننے والا ہے اور اس کے منسٹر بننے کے بھی چانس ہیں۔''

''چرن کے دل میں اتھل پتھل ہونے لگی۔ اسے غصہ بھی آیا۔ پوچھنے لگا۔ ''اگلے شمارے میں تو آپ پوری بات چھاپیں گے نا؟''

''سوچ کر بتاؤں گا۔'' اجاگر بولا۔ لیکن اس کے بولنے کے ڈھنگ سے ہی صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ نہیں چھاپے گا۔ چرن سے رہا نہیں گیا۔ بولا ''آپ نے تو کہا تھا کہ سچائی کی خاطر آپ شہید بھی ہو سکتے ہیں؟'' اجاگر نے ترش ہو کر جواب دیا۔ ''شہید ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ سمجھدار لوگ ہر بات ٹھیک موقع پر کرتے ہیں۔ یہ بڑا نازک وقت ہے۔ آج شہید ہونے کے بجائے سچائی کو زندہ رکھنے کی خاطر زندہ رہنے کی ضرورت ہے۔ سچے لوگ دنیا میں نہیں رہیں گے تو سچائی کا نام نشان مٹ جائے گا۔''

چرن خاموشی سے اٹھا۔ اجاگر پھر کہنے لگا۔ ''فرنگی مل اور سمیال دونوں پہنچے ہوئے بدمعاش ہیں۔ ان سے سوچ سمجھ کر ماتھا لگانا چاہیے۔ موقع آنے دو چرن جی میں ان سانپوں کا سر کچل دوں گا

آپ بے فکر رہو۔''

کڑھتا کھولتا چرن باہر نکل آیا۔ اخبار کی کاپی ہاتھ میں پکڑے ہوئے وہ سیدھا گوپال کے پاس پہنچا۔ چرن کو دیکھ کر گوپال نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب ایک طرف رکھی اور بولا ''یار تم پرسوں سے نظر ہی نہیں آئے؟ خیر تو ہے؟''

چرن نے اجاگر کی ساری بات سنا کر اسے اخبار میں وہ خبر بھی پڑھائی۔ اس سارے معاملے کے پیچھے چودھری فرنگی مل کا نام دیکھ کر گوپال چوکنا ہوگیا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فرنگی مل کا نام بھی ایسے معاملے سے جڑا ہوسکتا ہے۔ اس نے چرن کو معلوم نہیں ہونے دیا کہ وہ من میں کیا سوچ رہا ہے۔ باہر سے اس نے صرف اجاگر کے بارے میں ہی اپنی رائے دی۔ ''چرن تمہیں پتہ نہیں یہ بے ایمان ٹٹ پونجیے دونوں طرف رہتے ہیں۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ اس معاملے میں کس کا ہاتھ ہے لیکن جو کوئی بھی اس پردے کے پیچھے ہے اس سے اجاگر نے پیسے اینٹھ لئے ہیں۔ یہ اس کا روز کا کام ہے۔''

بات چرن کی سمجھ میں آ گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ اجاگر اس وقت مال لے کر آیا تھا۔ اسے اور بھی آگ لگ گئی بولا۔ ''ہر طرف اندھیر گردی مچی ہوئی ہے۔ لوگوں نے اپنے چہروں پر چہرے چڑھا رکھے ہیں۔ لیکن چہرے تو گوپال دوسرے لوگوں کو دکھانے کے لئے ہوتے ہیں۔ جس طرح کی یہ باتیں کرتے ہیں مجھے تو محسوس ہوتا ہے یہ لوگ اپنے آپ کو بھی دھوکا دیتے ہیں۔''

گوپال چپ تھا۔ وہ فرنگی مل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ شکنتلا اس کی لڑکی تھی۔ اکیلی اولاد۔ دونوں کے درمیان بات کافی آگے بڑھ چلی تھی۔ اس جگہ پہنچنے کی امید کی جا سکتی تھی جو گوپال کی منزل تھی۔ لیکن یہ وہاں جس کے بارے میں چرن نے بتایا تھا اس سے فرنگی مل کی بدنامی ہوسکتی ہے۔

چرن کی آواز نے گوپال کو سوچوں میں سے نکالا۔

''گوپال میں روپ سنگھ کے پاس جاتا ہوں۔ ہوسکتا ہے وہ اپنے اخبار میں یہ سب کچھ چھاپ دے۔''

''وہ بھی نہیں چھاپ سکے گا۔'' گوپال نے جواب دیا۔ ''اسے خبر ملے گی تو وہ بھی ان لوگوں کے پاس جا کر پانچ سات سو اینٹھ لے گا اور آخر میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کرے گا۔ ان لوگوں کا یہی پیشہ ہے۔''

''چاہے کچھ بھی ہو جائے گوپال میں نے سمیال اور فرنگی مل کو چھوڑنا نہیں۔'' چرن نے اپنی پتھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ گوپال سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟''

''میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ تمہیں معلوم ہے میں جو کہتا ہوں کر کے دکھاتا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد چرن اٹھا۔ پہلی بار گوپال نے اسے پوچھا نہیں کہ وہ کہاں جارہا ہے اور نہ ہی چرن نے بتانے کی ضرورت سمجھی۔ ویسے اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ اسے یاد آیا جب ریڈیو اسٹیشن کے احاطہ میں اس جوگی نے سانپ پکڑا تھا تو گوپال نے کہا تھا۔ ''تیرے دل میں بغاوت کا ایک سانپ بیٹھا ہوا ہے۔'' اسے محسوس ہوا گوپال کی بات سچی ہے۔ اس کے اندر کا سانپ پھنکارتا جاگ پڑا تھا۔ اس کا زہر رگ رگ میں گھلتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے پیر بے ساختہ اسے کدھر لے جا رہے تھے اسے کچھ سدھ بدھ نہیں تھی۔ اسے اس وقت ہوش آیا جب ایک بپھرے ہوئے سانڈ نے اسے سینگوں پر اٹھانے کی کوشش کی۔ پیچھے ایک پھیری والا تھا۔ وہ اس کے اوپر جا گرا لیکن بچ گیا۔ دیکھا تو سانڈ ابھی بھی غصے سے بھرا گھور رہا تھا۔ اس کا من ہوا کہ آگے بڑھ کر اس کے سینگ توڑ ڈالے لیکن پھیری والے کی آواز۔ ''آگے بڑھو مہاراج۔'' سن کر اس نے ایک طرف ہو جانے میں ہی اپنی خیر سمجھی۔

سانڈ نے جس طرح اسے اٹھا کر پھینکا تھا اس سے اس کے خون کی گردش اور بھی تیز ہو گئی تھی۔ جیسے اچانک بجلی چمک اٹھے ویسے ہی اسے دشینت کا خیال آیا۔ اسے محسوس ہوا کہ دشینت سے ملنا ضروری ہے۔

دشینت گھر پر نہیں تھا۔ اس کی بہن آشا نے بتایا کہ وہ رات آٹھ نو بجے آئے گا۔ مایوس ہو کر چرن لوٹا۔ دوسری گلی میں داخل ہوتے ہی ایک عورت کو پیچھے سے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ عورت ہولے ہولے قدم بڑھاتی ہسپتال کی طرف جا رہی تھی۔ اس طرح جھلک پڑی جیسے رانی ہے۔ لیکن رانی اس وقت اس طرف کدھر؟ پھر بھی اس سے رہا نہیں گیا۔ وہ جلدی جلدی اس کے پیچھے چل دیا۔ آگے ہو کر اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ اچانک ہی وہ ایک گھر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی چرن نے دیکھا وہ رانی ہی تھی ''کیا بات؟'' اس نے گھبرا کر پوچھا۔

''میں ہسپتال جا رہی ہوں۔'' رانی بولی۔ اس کا چہرہ ایکدم پیلا پڑ گیا ہوا تھا۔

''کیوں؟''

''رات ٹھنڈے پسینے آتے رہے۔ نیند نہیں آئی۔ سر درد ہوتا رہا ساتھ ہی پیٹ میں بھی۔ دوپہر تک اٹھا نہیں گیا۔ سوچا اب ہسپتال ہو کر آتی ہوں۔''

''لیکن ہسپتال تو چھ بجے بند ہو جاتا ہے۔''

''وہاں ایک نرس میری سہیلی ہے۔ بملا'' رانی اٹھتے ہوئے بولی۔ ''دیر ہو جائے گی تب بھی کوئی بات نہیں۔'' کہہ کر وہ پھر دھیرے دھیرے چل پڑی۔ چرن نے اس کا بازو پکڑا اور بولا۔ ''میں

تمہیں لے چلتا ہوں۔'' رانی نے اپنی بانہہ کھینچ لی اور تھوڑا مسکرا کر بولی۔ ''کسی نے دیکھا لیا تو بدنام ہو جاؤ گے۔ میری مانو تو جاؤ۔ رات گھر آنا۔ میں انتظار کروں گی۔'' لیکن چرن نے اسے اکیلے نہیں جانے دیا ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ کوئی واقف مل جائے گا تو کیا کہو گے؟ رانی نے پوچھا۔

''کہوں گا یہ رانی ہے اس کے ساتھ ہسپتال جا رہا ہوں۔''

رانی نے اس کی طرف دیکھا اور پھر چپ چاپ چلتی رہی۔ ہسپتال میں لوگوں کی بہت بھیڑ تھی۔ کوئی آ رہا تھا۔ کوئی جا رہا تھا۔ آوٹ پیشنٹ وارڈ کے قریب پہنچ کر رانی بولی۔

''تم یہاں ٹھہرو میں دکھا کر آتی ہوں۔''

''میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔''

''نہیں بملا پوچھے گی تو میں کیا بتاؤں گی۔ اس کا سردار ڈاکٹر بھی وہاں ہوگا۔ تم انتظار کرو میں آتی ہوں۔''

رانی اندر چلی گئی۔ چرن وہاں کھڑا رہا اور سگریٹ لگا کر آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ لیکن اس کے من کو چین نہیں تھا۔ رانی کی حالت دیکھ کر وہ گھبرا سا گیا تھا۔ دھیرے دھیرے چلتا وہ ایک طرف پیڑ کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا اندھیرا گھنا ہونے لگا تھا۔ سوچ رہا تھا اسے اتنی دیر کیسے لگ گئی۔ پیچھے سے آواز آئی۔ ''آپ کا نام چرن ہے؟'' مڑ کر دیکھا۔ ایک نرس تھی۔ یہی بملا ہو گی۔ اس نے سوچا۔ ''ہاں میں ہی چرن ہوں۔''

''آپ کو رانی بلا رہی ہے۔''

وہ بملا کے ساتھ چل دیا۔ چلتے چلتے وہ کہہ رہی تھی۔ ''رانی کی حالت ٹھیک نہیں۔ بلڈ پریشر بہت بڑھ گیا ہے۔ پیٹ میں بھی السر ہونے کا شک ہے۔ خون تو رہا ہی نہیں ہے بدن میں۔ تھوڑے دنوں کے لئے اسے ہسپتال میں رکھنا پڑے گا۔''

بملا کی باتیں سن کر چرن کا دل اور بھی گھبرا رہا تھا۔ اندر آ کر وہ کاری ڈار میں چلنے لگے تو اچانک ہی بملا نے پوچھا۔

''رانی کے دل پر کوئی چوٹ لگی ہے؟''

''ہاں!'' چرن نے جواب دیا۔

''کیا بات ہوئی ہے؟''

''اسی سے پوچھ لینا۔''

دونوں ڈاکٹر بلبیر سنگھ کے کمرے میں داخل ہوئے۔ رانی ایک طرف معائنہ کرنے والے بیڈ

پر لیٹی ہوئی تھی۔ رانی نے چرن کے منہ کا رنگ پھیکا پڑا دیکھا تو اس نے اپنے دل میں کچھ جلتا سا محسوس کیا۔ بملا نے چرن کو ڈاکٹر سے ملوایا۔ ''یہ مسٹر چرن ہیں ان کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔''

ڈاکٹر نے چرن کو کہا۔ ''ان کا ہسپتال میں رہنا ضروری ہے۔ حالت ٹھیک نہیں۔ آپ بے شک چلے جائیں۔ بملا ان کی دیکھ بھال کر لے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' چرن نے کہا پھر وہ رانی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ رانی کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ چرن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا۔ رانی ہولے سے بولی۔ ''چنتا نہیں کرنا۔ میں جلدی ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' چرن کیا کہتا۔ چپ چاپ کھڑا رہا۔

''کل آؤ گے؟'' رانی نے پوچھا

''ہاں۔'' چرن نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ کاریڈار پار کر کے وہ آؤٹ پیشنٹ وارڈ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل وہاں سے جانے کو نہیں کر رہا تھا۔ اس کے اندر کا سانپ اُسے ڈس رہا تھا۔

☆

گلیوں میں بے مطلب چلتے ہوئے وہ رگھوناتھ مندر کے پیچھے دروازے میں سے گزر کر مولسری کے درخت کے نیچے جا کر کھڑا ہوا۔ اس طرف لیمپوں کی زیادہ روشنی بھی نہیں تھی۔ اندھیرا اسے اپنے دل میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ وہاں سے ہٹا اور سیدھا دشینت کے گھر پہنچ کر دستک دی۔ دشینت نے دروازہ کھولا وہ اندھیرے میں چرن کو پہچان نہیں سکا۔

''میں چرن ہوں۔ آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

''اندر آ جاؤ۔''

چرن بیٹھک میں داخل ہوا تو دیکھا منگت رام وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نمستے کی۔ دونوں سینیر ہائی اسکول میں پڑھتے تھے۔ لیکن منگت رام مدن کا ہم جماعت تھا۔ چرن سے دو جماعتیں آگے۔

''دیر ہو گئی۔ میں اب جاتا ہوں۔'' منگت رام نے دشینت سے کہا۔ ''اگر آپ مجھے دوپہر میں ہی مل جاتے تو میں شام کو ہی گاؤں چلا جاتا۔ اب کوئی بس نہیں ملے گی۔ صبح ہی جانا پڑے گا۔''

''اتنا ضروری کیا کام ہے آپکو وہاں؟'' دشینت نے پوچھا۔

''وہاں کے نمبردار نے بڑی اندھیر گردی مچا رکھی ہے۔ اس کے پاس ایک ہری جن مزدور تھا جو دو تین مہینے پہلے مر گیا۔ نمبردار نے زبردستی اس کی بیوی کو اپنے گھر میں ڈال لیا۔ یہ کہہ کر کہ اس

مزدور نے اس کا قرض دینا تھا۔ ہری جن لوگوں نے اکٹھے ہو کر مجھے بلایا۔ میں نے انہیں شور مچانے اور دھرنا دینے کے لئے کہا۔ آس پاس کے گاؤں والے اکٹھے ہو گئے دو دن لوگوں نے نمبردار کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا تو وہ گھبرا گیا۔ اس نے مجھے آج ہی بلا بھیجا تھا۔ لیکن میں جا نہیں سکا۔ صبح پہنچنا پڑے گا۔''

چرن اور دشینت دونوں بڑی عزت اور تعریف بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دشینت کہنے لگا۔ ''منکت رام جی منسٹری کا حق چھوڑ کر یہ آپ کن جھنجھٹوں میں پڑ گئے؟'' منکت رام نے سنجیدہ ہو کر جواب دیا۔ ''انہیں جھنجٹ جھمیلوں سے اس دیش میں اصلی انقلاب آئے گا۔ ہمیں آزادی ملی لیکن موقع پرست اور پیشہ ور سیاست والوں نے اسے دبوچ لیا۔ سرمایہ داروں کے ساتھ مل کر انہوں نے بس اپنا الو سیدھا کرنے کا پیشہ اپنا رکھا ہے۔ اگر لوگوں کو اپنی طاقت کا احساس نہیں ہوگا مزدور اور کسان جاگیں گے نہیں تو میدان مار کر بیٹھے چودھری اور نام نہاد لیڈر انہیں ہمیشہ کے لئے بے وقوف بنائے رکھیں گے۔''

چرن بڑے دھیان سے منکت رام کی باتیں سن رہا تھا۔ ایسی باتیں بہت عرصہ پہلے اس نے دشینت کے منہ سے بھی سنی تھیں۔ تب بھی باتوں کی سچائی نے اسے اسی طرح جھنجھوڑا تھا۔ منکت رام یہ کہتے ہوئے اٹھا'' اسی لیے میں نے اب بڑی اور شہری سیاست چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے گاؤں کے چھوٹے لوگوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں دلچسپی لینی شروع کی ہے۔ اچھا دشینت جی میں چلتا ہوں۔''

''پھر کب آؤ گے؟'' دشینت نے پوچھا۔

''دو تین دن بعد آؤں گا تو آپ سے ملوں گا۔'' کہہ کر منکت رام نے دشینت اور چرن کے ساتھ ہاتھ ملایا اور چلا گیا۔ اسے دروازے تک چھوڑ کر دشینت لوٹا تو چرن سے کہنے لگا۔ ''دنیا ایسے سچے اور ایماندار لوگوں سے چلتی ہے۔ لیکن مزے مارتے ہیں بے ایمان اور بدمعاش لیکن جنہیں کام کرنا ہے انہیں کرتے جانا ہے۔ منکت رام اپنے جیسے لوگوں کی ایک پارٹی بنانا چاہتا ہے جو زیادہ کام گاؤں میں ہی کرے گی۔ میرے ساتھ صلاح مشورہ کرنے آیا تھا۔''

''آپ نے کیا صلاح دی؟ چرن نے پوچھا۔

''پارٹی ضرور بنانی چاہیے۔ میں تو پہلے ہی سوچ رہا تھا۔''

''میں بھی آپ کی پارٹی میں شامل ہو جاؤں گا۔'' بغیر سوچے چرن کے منہ سے بات نکل گئی۔ دشینت ہنس پڑا اور بولا۔ ''چرن جی آپ تو سرکاری ملازم ہو۔'' چرن کو دشینت کی ہنسی میں طنز محسوس ہوا۔ کچھ شرمندگی سی محسوس کی اس نے۔ دل کی گرہ کھولتے ہوئے بولا'' مجھے معلوم ہے کہ زیادہ

تر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ نوکری لگنے کے واسطے ہی میں نے لاٹھیاں کھائی تھیں لیکن یہ بات غلط ہے۔ دشینت جی میں آپ پر اور اسٹوڈنٹس پر لاٹھیاں پڑتے نہیں دیکھ سکا اور جوش میں آگے بڑھ گیا۔ اس وقت مجھے ہوش ہی نہیں تھا۔ نوکری کی تلاش میں پہلے سے دربدر ہو رہا تھا جس بہانے بھی ملی پکڑ لی۔ اس وقت میرے لئے نوکری بڑی ضروری تھی۔''

''پھر اب آپ پارٹی میں کیوں شامل ہونا چاہتے ہیں؟ اب آپ کو ضرورت نہیں؟''

''نوکری کرتے ہوئے میں کچھ نہیں کر سکتا؟''

''ہر آدمی اپنی اپنی جگہ بیٹھا ہوا بہت کچھ کر سکتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''چھوٹی چھوٹی باتوں میں بے انصافی اور بے ایمانی کی مخالفت کر کے۔ آپ نے منگت رام کی باتیں نہیں سنیں؟ آپ کہیں بھی بیٹھے ہوں کہیں بھی کھڑے ہوں اگر آپ بے ایمان حاکموں بدمعاش لیڈروں اور چالاک سرمایہ داروں کے ظلموں اور اتیاچاروں کو نہیں برداشت کرتے اور ان کی مخالفت کرنے کے واسطے تیار ہیں تو آپ اس لڑائی میں شامل ہیں۔ میں نے یہ لڑائی اپنے کالج سے شروع کی ہے۔''

''میں بھی یہ لڑائی لڑ رہا ہوں مجھے آپ کی مدد چاہئے۔''

دشینت بت بنا اسے دیکھتا رہ گیا۔ آہستہ آہستہ چرن نے اسے اپنے بارے میں بتانا شروع کیا اس نے دشینت سے کچھ بھی چھپا نہیں رکھا۔ جو سچ تھا سب بتلا دیا۔ فرنگی مل اور سمیال کے بارے میں بھی اور پھر اجاگر کے بارے میں بھی۔

تھوڑی دیر دشینت خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ''گوپال کا کہنا ٹھیک ہے۔ اجاگر نے فرنگی مل سے پیسے جھاڑ لئے ہیں۔'' چرن نے پوچھا۔ ''کیا ایسا کوئی اخبار نہیں جس میں یہ سچی کہانی چھپ سکے؟''

پہلے تھے اب نہیں ہیں۔'' دشینت نے بتایا'' پہلے ایک وہ بھی اخبار تھا جس نے شخصی حکومت کے زمانے میں عوامی تحریکوں کی حمایت کی تھی لیکن آزادی ملنے کے بعد نیشنل کانفرنس کی حکومت کے زمانے میں وہ بند ہو گیا۔''

''وہ کیوں؟''

''نئی حکومت والے برداشت نہیں کر سکے کہ ان پر نکتہ چینی ہو۔ ان کے خیال میں وہ عوام کے منتخب نمائندے ہیں اور بزعم خود انہیں کچھ بھی کرنے کا حق ہے۔ لوگوں کے پاس اف کرنے کا بھی حق نہیں اور نہ ہی نکتہ چینی کرنے کا۔''

''مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

''آپ کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ پہلا راستہ ہے آپ نوکری کرتے رہو اور اس عورت کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔''

''اور دوسرا راستہ؟''

''دوسرا راستہ آپ کو سنگت رام بتا کر گیا ہے۔ فرنگی مل اور سمیال کے خلاف اشتہار چھاپو۔ ان کے خلاف آواز اٹھاؤ۔ لوگوں کو اکٹھے کرو۔ انہیں جگاؤ۔ شور مچاؤ۔ اتنا شور مچاؤ کہ بے انصافی کی دیواریں ہل جائیں۔'' دشینت جوش میں آ گیا تھا اور چرن بُت سا بنا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے اپنا راستہ نظر آنے لگا تھا۔ دھیرے سے بولا۔ ''دشینت جی کل آپ میرے ساتھ ہسپتال چلو اپنی آنکھوں سے ظلم کی انتہا دیکھو۔ اس کے بعد پھر ہم اشتہار لکھیں گے چھپوائیں گے اور اپنے ہاتھوں سے دیواروں پر لگائیں گے۔''

دوسرے دن چرن دشینت کو ہسپتال لے گیا۔ رانی وارڈ میں سب سے آخری بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ چرن کو دیکھ اس کے ہونٹوں پر مسکان کی ایک ہلکی سی لکیر ابھری۔ دشینت کو ساتھ دیکھ کر وہ کچھ بولی نہیں۔ اس نے دشینت کو پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ بملا نے کہا۔ ''مجھے رانی نے ساری بات سنا دی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے۔ اسے کم از کم ایک ہفتہ یہاں رہنا پڑے گا۔ ابھی تو اس کا بلڈ پریشر بھی نیچے نہیں آ رہا۔''

ہسپتال سے باہر آ کر دشینت نے چرن کو کہا۔ ''چلو اب چل کر اشتہار لکھتے ہیں۔''

جموں کو مندروں کا شہر بھی کہتے ہیں اور پتھروں کا بھی لیکن اس کا ایک اور نام بھی ہو سکتا ہے۔ اشتہاروں کا شہر۔ ہر روز صبح نئے نئے اشتہار لوگوں کو پکار پکار کر۔ چیخ چیخ کر اپنی طرف کھینچتے ہیں اور ہزاروں لوگ اٹھتے ہی منہ میں داتنیں ڈالے اشتہار پڑھنے کے لئے گھروں سے باہر نکل آتے ہیں۔

آج کے اشتہار نے توپ کے گولے کی طرح شہر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ لوگ منہ میں پڑی داتنیں چبانا بھول گئے۔ تھوکنا بھی بھول گئے۔

فرنگی مل کو روز کی طرح آج بھی دیر ہو رہی تھی۔ سیکرٹری صاحب نے ٹھیک دس بجے بلایا تھا۔ نو پینتیس ہو گئے تھے۔ مولی کے دو پراٹھے کھا کر اٹھا۔ شکنتلا کی ماں نے کہا۔ ''شام کو ممبر بننے کی خوش خبری لے کر آنا۔'' فرنگی مل نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر باہر نکل گیا۔ دہلیز پار کرتے ہی سامنے دیوار پر نظر پڑی۔ یہ سوچ کر کہ اشتہار تو روز ہی لگے ہوتے ہیں اس نے قدم آگے بڑھایا لیکن اشتہار کی بڑی سرخی نے جھٹکے سے روک لیا۔ ''دن دہاڑے سٹی تھانے سے ایک عورت کا اغوا۔'' فرنگی

مل کانپ اٹھا۔ دوسری سرخی پڑھکر ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔'' تھانیدار سمیال نے اپنے باغیچے میں زنا بالجبر کیا۔'' پھر تیسری سرخی۔'' چوہدری فرنگی مل سیکرٹری نیشنل کانفرنس اور ڈپٹی منسٹر سوپوری کے سیاہ کارنامے۔'' اور ان تین سرخیوں کے نیچے رانی کی پوری کہانی بیان کی گئی تھی۔

فرنگی مل کو پیٹ میں گولا سا اٹھتا محسوس ہوا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ پیر جیسے کسی نے وہیں جکڑ لئے۔ کھڑے رہنا بھی مشکل ہو گیا۔ اشتہار پر لکھنے والے نے اپنا نام نہیں لکھا تھا۔ پر بس اتنا ہی لکھا تھا۔

'' انصاف کے طلب گار۔''

'' ہمت کر کے فرنگی مل نے ادھر ادھر دیکھا۔ کہیں کسی اور نے اشتہار نہ پڑھ لیا ہو۔ پھر آگے بڑھ کر اشتہار کو پھاڑنے کی کوشش کی کچھ زیادہ ہی اچھی طرح چپکایا ہوا تھا۔ آدھا چوتھائی ہی پھاڑا گیا۔ اپنا نام تو اس نے کھرچ ہی ڈالا۔ ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ پھر وہ گھر کی پچھلی طرف آیا جہاں کار کھڑی تھی۔ دیکھا تو ایک ہی دیوار پر ایک ساتھ پانچ اشتہار لگے ہوئے تھے۔ پیروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی۔ اشتہار کار پر بھی لگا ہوا تھا۔ جسے ڈرائیور ناخنوں سے کھرچ رہا تھا۔'' کیوں بھئی یہ کون لگا گیا اشتہار؟'' اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

'' کیا پتہ جی میں تو ابھی آیا ہوں۔'' ڈرائیور نے جواب دیا۔ فرنگی کا من ہوا کہ وہ ڈرائیور کو مارے پیٹے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے پھر خیال آیا آگے ہی دیر ہو گئی ہے۔ چل جلدی چل۔'' کہہ کر وہ کار میں بیٹھ گیا۔ ایسی بے چینی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ پاگلوں کی طرح گالیاں دینے لگا۔'' بٹی چودوں کو سیدھا کرنا پڑے گا۔ میں ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔ تخم برباد کر دوں گا۔'' لیکن وہ کس کا تخم برباد کرنا چاہتا تھا؟ یہ اسے بھی معلوم نہیں تھا۔ اشتہار کس نے لکھوایا اور لگایا اس کا پتہ کرنا پڑے گا۔ فرنگی مل یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فضول بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔ سارے شہر میں بدنامی ہو جائے گی۔ جو لوگ پہلے ہی جلتے بھنتے ہیں انہیں اچھا مسالہ مل جائے گا۔

'' کہاں جانا ہے جی؟'' ڈرائیور نے پوچھا۔

'' نیشنل کانفرنس کے ہیڈ کوارٹر۔'' فرنگی مل نے کہا۔ اس وقت اس کی نظر سینیر ہائی اسکول کے باہر اکھٹے ہوئے پانچ سات لوگوں پر پڑی۔ وہ دیوار کی طرف منہ کر کے وہی اشتہار پڑھ رہے تھے۔ تن بدن میں کچھ سرسراتا سا محسوس ہوا۔ خیال آیا کہ اگر سیکرٹری صاحب کے پاس اشتہار پہنچ گیا تو؟''

اس کا خیال تھا۔ جب وہ سیکرٹری صاحب کے پاس پہنچا تو سیکرٹری صاحب وہی اشتہار

سامنے رکھے ہوئے پڑھ رہے تھے۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے آداب عرض کیا۔

''آؤ بیٹھو چوہدری صاحب'' سیکرٹری صاحب بولے۔ ''یہ اشتہار پڑھا؟''

''پڑھ لیا جناب۔ یہ کسی دشمن کی کارستانی ہے۔ ہم عزت دار خاندانی آدمی ہیں۔ آپ نے کہا تو میں پالیٹکس میں آیا مجھے کیا معلوم تھا کہ پبلک لائف میں شریک لوگوں کی پگڑیاں اس طرح اترتی ہیں۔''

سیکرٹری صاحب ہنس پڑے بولے۔ ''آپ نئے نئے اس میدان میں آئے ہیں۔ اس لئے ڈر رہے ہو۔ ہم پرانے کھلاڑی ہیں۔ ہمیں معلوم ہے یہ کس کی کرتوت ہے۔ دوستوں سے زیادہ ہم دشمنوں کی خبر رکھتے ہیں۔ یہ سب فرقہ پرستوں کی شرارت ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ نیشنل کرنفرنس کے قدم جموں صوبہ میں مضبوط ہوں۔ آپ جیسے جانے مانے لوگ ہمارا ساتھ دیں ابھی تو آپ ممبر بھی نہیں بنے اور فرقہ پرستوں نے آپ کے خلاف مورچہ بنالیا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب۔''

''آپ فوراً اس اشتہار کی ترمیم چھاپو۔ رات میں ہی اشتہار نکال کر سارے شہر میں لگوا دو۔ یہ بہت ضروری ہے۔ عورت کی عزت کے سوال پر لوگ جلدی بھڑک سکتے ہیں۔ اس سے دوگنا بڑا اشتہار ہونا چاہیے۔''

''بہتر جناب میں ابھی جا کر اشتہار نکلوانے کا بندوبست کرتا ہوں۔'' کہہ کر فرنگی مل اٹھنے لگا۔

''ٹھہرو اس بات کا سراغ لگانا بھی ضروری ہے کہ یہ اشتہار کس نے لکھا۔ کس نے چھپوایا اور کس پریس میں چھپوایا قوم اور عوام کے دشمنوں کا پتہ لگانا اور ان کا صفایا کرنا بھی ضروری ہے۔''

''بہتر جناب! میں جاتا ہوں۔'' کہہ کر فرنگی مل وہاں سے چل دیا۔ ممبری کے بارے میں کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ وہ سمجھ گیا دشمنوں کا وار گہری چوٹ کر گیا ہے۔ پہلے اس کا علاج کرنا پڑے گا۔ دفتر پہنچا تو سمیال پہلے سے ہی وہاں بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔

''یہ کیا ہو گیا چودھری صاحب؟'' سمیال دیکھتے ہی چیخ اٹھا۔

''آپ نے ہی ساری مصیبت لائی ہے۔'' فرنگی مل بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''ہمارا تو وہ حال ہے آسمان پر ابھی اڑے نہیں کہ مٹی چاٹنی پڑ گئی۔''

''میرا تو پہلے ہی ریکارڈ خراب ہے مہاراج۔ اب آپ نے ہی مجھے سہارا دینا ہے۔''

ٹھاکر صاحب میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کو کیا ضرورت تھی اسے باغیچے میں لے جا کر

خراب کرنے کی۔ یہ زور زبردستی کا سودا مہنگا پڑا نا؟''

''اب سارا دوش مجھے نہ دو چودھری صاب! آپ نے ہی مجھ سے کہا تھا چاہے کچھ بھی ہو اسے راستے پر لانا ہے۔''

''وہ لگی راستے پر؟''

''مہاراج اس کے پیچھے کوئی تگڑا ہاتھ ہے۔''

فرنگی مل کو فوراً سیکرٹری کی بات یاد آئی۔ ''کون ہے وہ؟ یہ سراغ نکالو تب ہی آپ کا بھی بچاؤ ہوگا۔'' سمیال بولا۔ ''آپ اس ایڈیٹر کو بلاؤ۔ کیا نام ہے اس کا۔ مادر چود کا۔ اجاگر۔ ہاں اجاگر کو بلاؤ ابھی۔''

ڈرائیور اسی وقت اجاگر کو کار میں لے آیا۔ اجاگر بڑی شان سے اندر داخل ہوا۔ کندھے جھاڑتے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''آج سارے شہر میں صاحب کے نام کی ہی دھوم مچی ہے۔''

فرنگی مل نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب دشمنوں کی چال ہے۔ لیکن اجاگر صاحب آپ تو ہمارے دوست ہیں۔'' اجاگر جھٹ بول پڑا۔ ''اگر ہم آپ کے دوست نہیں ہوتے تو اسی دن اخبار میں ساری کہانی چھاپ دیتے۔''

''آپ نے چھاپ کر پھنس جانا تھا۔ نیشنل کانفرنس کے سیکرٹری صاحب بہت ناراض ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ سب فرقہ پرستوں کی چالیں ہیں۔ خیر۔ اجاگر صاحب آپ مجھے اس حرامی کا نام بتاؤ جو آپ کو اس کتیا عورت کے پاس لے گیا تھا۔'' فرنگی مل کی بات سن کر اجاگر بھاؤ کھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ ہمارا ٹریڈ سیکریٹ ہے چودھری صاحب اخبار والے کبھی اپنا سورس نہیں بتاتے۔'' سمیال سے رہا نہیں گیا۔ ترش ہو کر بولا۔ ''ہماری جان پر آبنی ہے اور آپ کو اپنے سورس کی پڑی ہے۔''

''میں کیا کر سکتا ہوں۔ اپنی اپنی مجبوری ہے۔''

فرنگی مل نے جگت لڑاتے ہوئے کہا۔ ''اجاگر صاحب یہ نہیں بھولو کہ آپ ہمارے دوست ہیں۔ اس مشکل گھڑی میں اگر آپ ہمارے کام نہیں آئے تو کون آئے گا؟ اس جھوٹے اشتہار کے جواب میں ہمیں آپ ایک فرسٹ کلاس اشتہار لکھ دو۔ آپ اتنے بڑے قلمکار ہیں۔ آپ کی قلم کی طاقت ہمیں معلوم ہے۔ میں آپ کو یہ اشتہار لکھنے کے پانچ سو روپے دوں گا۔''

''لکھنا تو میرا پیشہ ہے۔'' پانچ سو کی بات سنتے ہی اجاگر پر کاٹھی پڑ گئی۔ بولا۔ میں آپ کو ایسا شاندار اشتہار لکھ دوں گا کہ وہ اشتہار لکھنے والے کی ماں مر جائے گی۔ لوگ بھول جائیں گے کہ

انہوں نے پہلے بھی کوئی اشتہار پڑھا تھا۔"

"لیکن وہ اشتہار لکھنے والا ہے کون؟ اتنا ضرور بتا دو۔"

اجاگر نے چرن کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

☆

چرن دفتر میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا جارہا تھا۔ دل دھک دھک ہورہا تھا۔ آنکھوں میں نیند کی گھٹن تھی۔ وہ اور دشینت کچھ دوسرے لڑکوں کو ساتھ لے کر ساری رات اشتہار لگاتے رہے تھے۔ وہ چھ بجے صبح گھر پہنچا تھا۔ دو ڈھائی گھنٹے ہی سو سکا تھا۔ پھر جلدی جلدی تیار ہو کر باہر نکل آیا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لوگ اشتہار پڑھ رہے ہیں یا نہیں۔ گلی کے سرے پر اپنے ہاتھوں جو اشتہار اس نے لگایا تھا اسے چار پانچ لوگوں کو پڑھتے دیکھ کر دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ وہ خود بھی پاس جا کھڑا ہوا۔ جٹو دوسالیہ کہہ رہا تھا۔" اندھیر سائیں کا پولیس بھی ایسے دوشت کرم کرنے لگ پڑی ساتھ ہی فتا میناری والا کھڑا تھا۔ تیسری بار سارا اشتہار پڑھ کر بولا" بھئی لکھنے والے نے بھی کمال کر دیا جیسے رسالہ بیسویں صدی کی کوئی کہانی ہو۔" مالک رام داتن چبا رہا تھا۔ اشتہار پڑھ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پاس ہی کھڑے چرن سے دھیرے سے پوچھنے لگا۔" کیوں بھئی یہ چودھری فرنگی مل وہی رہاڑی والا ہی ہے نا یا کسی اور کا نام لکھا ہے ہوا ہے؟" چرن نے" مجھے پتہ نہیں" کہا اور آگے چل دیا۔ بھلے کی دکان کے سامنے بھی لوگ اشتہار پڑھ رہے تھے چرن نے بھلے سے سگریٹ کی ڈبی مانگی۔ ڈبی دیتے ہوئے بھلے نے پوچھا" چرن جی اشتہار پڑھا؟"

"میں نے نہیں پڑھا۔ کیا لکھا ہوا ہے۔"

"پڑھا تو میں نے بھی نہیں۔ دوپہر کو فرصت ملنے پر پڑھوں گا۔ لیکن سنا ہے کہ چودھری فرنگی مل کے سارے ہی پردے اٹھ گئے ہیں اس اشتہار میں۔"

چرن کو محسوس ہوا کہ وار خالی نہیں گیا۔ بڑا خوش ہوا اور جوش میں بھرا وہ چپ چاپ اپنے دفتر میں آ کر بیٹھ گیا۔ چنڈیاں اور پرویز نے بھی کچھ ایسی باتیں کیں۔ چرن نے بڑی مشکل سے اپنا راز چھپائے رکھا۔ اسے رانی کی یاد آرہی تھی۔ آج چار دن ہو گئے تھے اسے ہسپتال میں داخل ہوئے۔ وہ روز ہی جاتا تھا۔ لیکن زیادہ دیر عورتوں کے وارڈ میں بیٹھنے نہیں دیتے تھے۔

بملا کچھ زیادہ ہی ہمدرد ہے۔ وہ نہیں ہوتی تو نہ جانے رانی کا کیا ہونا تھا۔ سردار ڈاکٹر بھی بھلا مانس ہے۔ بملا کے ساتھ بڑا پیار کرتا ہے۔ اسی ناتے اس نے رانی کے علاج میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ لیکن وہ ابھی بھی کہہ رہا تھا کہ رانی کے دل کی یہ بیماری لمبی چلے گی۔ ہسپتال سے جانے کے بعد

بھی دیکھ بھال کرنی پڑے گی۔

چار بجے بھی وہ دفتر سے باہر آ گیا۔ خیال آیا کہ پرویز بسوہلی سے آ گیا ہوگا لیکن اس سے ملنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ مدن اور گوپال سے ملنے کا من بھی نہیں ہو رہا تھا۔ انہیں یہ سنانے کا کیا فائدہ کہ دیکھو یہ اشتہار میں نے لگایا ہے۔ اشتہار تو انہوں نے بھی پڑھ لیا ہوگا۔ وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ ہنگامہ کس نے کیا ہے۔ انہیں سوچوں میں پڑا چرن ہسپتال کی طرف چل دیا۔ راستے میں کئی جگہ لوگ ابھی بھی اشتہار پڑھ رہے تھے۔ فتو کے چوگان میں اس نے دیکھا ایک آدمی پانی لگا لگا کر اشتہار اتار رہا تھا۔ چرن آگے ہو کر اسے روکنے لگا لیکن رک گیا۔ پھر جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا گیا اسے اشتہار نظر آنے بند ہو گئے۔ سمجھ گیا کہ دشمنوں نے اپنا بچاؤ کرنا شروع کر دیا ہے اور بچاؤ کے ساتھ وہ حملے کا جواب بھی دیں گے۔ چرن خوش تھا۔ یہ ساری ہلچل اسی کے سبب ہو رہی تھی۔

وہ ہسپتال پہنچا۔ بملا وارڈ کے دروازے پر جیسے اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ چرن کو دیکھتے ہی اسے آپریشن تھیٹر کے پاس ایک خالی جگہ پر لے گئی اور بولی۔ ''اشتہار لگا کر آپ نے بڑا خراب کام کیا۔ یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ رانی ہسپتال میں پڑی ہے؟ لوگ دھڑا دھڑ اسے دیکھنے آنے لگے.. سارے ہسپتال میں شور مچ گیا۔ سپری ڈنٹ اوپر سے کوئی فون بھی آیا۔ کہتے ہیں کسی منسٹر کا فون تھا۔ اس نے فوراً سردار جی کو بلا کر کہا کہ رانی کو ہسپتال سے نکال دو۔ آپ کا مجھے پتہ نہیں تھا۔ میں خود اسے ٹانگے پر بیٹھا کر چھوڑ آئی۔ دوائیاں بھی ساتھ دے آئی ہوں خوراک کا خیال رکھنا۔ زیادہ کام نہیں کرنے دینا۔''

چرن چپ چاپ ہسپتال سے باہر نکل آیا سیدھا دشینت کے پاس پہنچا لیکن وہ گھر میں نہیں تھا۔ ٹی اسٹال پر مل گیا۔ اسے باہر بلا کر رانی کے بارے میں بتایا۔ پھر یہ بھی سنایا کہ اشتہار کس طرح اتارے جا رہے تھے۔ دشینت بولا ''مجھے پتہ ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ کل ان اشتہاروں کی جگہ انہوں نے اپنے اشتہار چپکانے ہیں۔ کرنے دو انہیں جو کرتے ہیں۔ لڑائی بھی تو تبھی تیز ہوگی۔ میں تو صرف ایک بات سوچ رہا ہوں۔''

''وہ کیا؟''

''اگر انہیں پریس کا پتہ لگ گیا تو بیچارے بھٹ صاحب کا کونڈا ہو جائے گا۔ کام کاج ٹھپ ہو جائے گا اور ساتھ ہی ہم آگے سے اشتہار نہیں چھپوا سکیں گے۔''

''شہر میں شور تو مچ گیا ہم یہی چاہتے تھے۔'' چرن نے کہا

''اتنی بات ہی کافی نہیں۔ جن لوگوں کے پول ہم نے کھولنے ہیں وہ کافی پہنچ والے ہیں

سرمایہ دار ہیں اور ان کی پیٹھ کے پیچھے سرکار کی ساری طاقت ہے۔ ہمیں ایک دو دن دیکھنا پڑے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' چرن نے کہا'' کل ملوں گا آپ سے'' وہ رانی کے پاس پہنچا تو وہ لیٹی ہوئی تھی۔ چٹخنی چڑھا کر وہ پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔'' رانی بولی

''میری وجہ سے تمہیں ہسپتال سے نکال دیا حرام زادوں نے۔'' چرن نے کہا۔

''میں نے شکر کیا وہاں سے چھوٹ کر۔ میں اب پوری طرح ٹھیک ہوں۔ اب تو میں نے تمہارے لیئے کھانا بنا دینا تھا۔ آ کر دیکھا تو پکانے کے لیئے کچھ بھی نہیں تھا۔''

''بملا کہہ رہی تھی تمہیں ابھی کام نہیں کرنے دینا۔''

''وہ تو پگلی ہے۔''

''نہیں تمہیں آج روٹی بنانے کی ضرورت نہیں۔''

''کیوں؟''

''میں بازار سے روٹی لے کر آتا ہوں۔''

''نہیں بازار سے روٹی لانے کی ضرورت نہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے بھوک ہی نہیں۔ اتنی تو دوائیاں کھائی ہیں ابھی۔ میں صبح روٹی بنا کر کھالوں گی۔''

''نہیں میں نے آج تمہارے ساتھ روٹی کھانی ہے۔ ابھی لے کر آتا ہوں۔''

ڈھابے میں پہنچ کر چرن نے دیکھا جیب میں صرف پانچ روپے تھے۔ پانچ کا جو کچھ آ سکتا تھا وہ لے کر لوٹا۔ رانی نے اس کے ہاتھ سے چیزیں لے کر تھالی میں ڈالیں۔ کچھ سوکھی سبزی تھی کچھ سوکھا گوشت سات آٹھ روٹیاں۔ چرن ساتھ بیٹھ گیا ایک ہی تھال میں کھانے لگے۔ اچانک ہی رانی کی آنکھیں چھلک آئیں۔ وہ دھیرے دھیرے سسکنے لگی۔

''کیا ہوا تمہیں۔؟'' چرن نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' رانی نے الٹے ہاتھ سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''تم روتی ہو تو میرا دل کانپ اٹھتا ہے۔''

رانی بولی'' سوچتی ہوں۔ میں سب کے لئے گئی گذری بالکل اکیلی ٹوٹی ہوئی پھر بھی تم میرے ہمدرد کیسے بن گئے؟''

''تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ دنیا میں تمہارا کوئی ہے۔''

''میری بات چھوڑو مجھے تمہارا خیال آتا ہے کہ میری وجہ سے تم پر کوئی مصیبت نہ آپڑے۔''

''خراب باتیں مت سوچو۔ لو روٹی کھاؤ۔''

دونوں کھانا کھانے لگے۔ کھانے بعد چرن نے اُسے دوا پلائی اور خود گھر جانے کیلئے اٹھا۔ کھاٹ پر لیٹے لیٹے رانی بولی۔

''ایک بات کہوں؟''

''کہو''

''میرے لیئے اس طرح اپنی زندگی خراب مت کرو۔''

لمحہ بھر کے لئے چرن نے اس پر نظر جمائے رکھی۔ پھر بولا۔ ''اتنی بڑی دنیا میں تمہیں اکیلی نہیں چھوڑ سکتا۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

☆

موٹی موٹی فحش گالیاں بکتے ہوئے چودھری فرنگی مل نے لالہ ہردیال کو ایسا ڈانٹا پھٹکارا کہ بیچارے کا کچھ رہنے نہیں دیا۔ ساتھ شراب پلاتا جاتا تھا اور ساتھ ہی جوتے مارتا جاتا تھا۔ ''یہ پیگ تو اٹھاؤ ہردیال اور لو یار۔ کون سی سوچوں میں پڑے ہو۔ ہم نے تو کسی کو ایک بار یار کہا تو کہا۔ تم چاہے کھا پی کر تھالی میں چھید کرتے جاؤ ہم نے کیا کہنا ہے لوگ ہی کہتے ہیں کہ احسان فراموش کے ساتھ کی گئی نیکی اور ریت میں کیا گیا پیشاب ایک برابر ہوتا ہے۔ تمہارے ہی بیٹے نے ہماری عزت اتارنی تھی۔ اسے کوئی اور نہیں ملا؟''

ہردیال روہانسا ہو کر بولا۔ ''مجھے قسم ہے آپ کی چوہدری صاحب مجھے اس بات کا بالکل پتہ نہیں تھا۔ میرے جیتے جی میرا ہی لڑکا آپ کی عزت پر ہاتھ ڈالے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے اسے گھر سے نہیں نکال دیا تو کہنا۔'' رام دیال اتنا شرمسار ہورہا تھا کہ اسے شراب کا نشہ بھی نہیں چڑھ رہا تھا۔

پنڈت رام سروپ کے آج پو بارہ تھے۔ دشمن ہتھیار ڈال چکا تھا اور اس کے سامنے میدان خالی تھا۔ تگڑا وار کرتے ہوئے بولا۔ ''بھئی ہردیال تمہاری اولاد کیسی ہے تمہیں یہ بھی معلوم نہیں؟ اسے بھی وہی رانڈ ملی جسے بلانے کے تم اس روز اندر گئے تھے۔ اگر اس وقت وہ بھی وہاں ہوتا تو؟'' بات سن کر ہردیال کانپ اٹھا۔ سمیال بھی آج محفل میں شریک تھا دھت ہو چکا تھا۔ بولا۔ ''لالہ جی آپ تو پی ہی نہیں رہے۔ لو ایک اٹھاؤ شیر بنو اپنے لڑکے کو سیدھے راستے پر ڈالو۔ اسے اس رانڈ کے چکر سے نکالو۔ کان ہاتھ لگواؤ اور چودھری صاحب کے سامنے ناک رگڑواؤ۔ اسے کہو کہ اس پرلیس کا نام

بتائے جس میں اشتہار چھپا تھا۔''
''میں ابھی جاتا ہوں۔'' ہردیال اٹھ کھڑا ہوا۔'' ابھی پکڑتا ہوں اسے۔'' کہہ کر باہر آ گیا۔ دل میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ چرن کے تیور تو پہلے سے ہی اسے معلوم تھے۔ لیکن وہ ایسی فتنہ انگیزی کرے گا اس نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ ماں کے لاڈ نے ہی اسے اتنا بگاڑ دیا ہے۔ کتنا منع کیا تھا کہ ڈرامے اور چنڈال چوکڑیاں چھوڑ دے لیکن کسی نے اس کی بات نہیں مانی۔ اب بھگتو آپ ہی اسے ساوتری پر غصہ آ رہا تھا۔ گھر پہنچا تو اسے اتنی جلدی لوٹ آنے پر ساوتری کو کچھ حیرانی ہوئی۔
''کھانا لگاؤں؟'' ساوتری نے پوچھا۔
''کھانا اب کیا کھانا ہے۔ کھالیا جتنا کھانا تھا۔'' رام دیال نے کہا۔
''کیا ہوا؟''
''یہ پوچھو کیا نہیں ہوا۔ سر پر خاک پڑ گئی۔''
ساوتری پاس آ گئی۔ ''یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔''
''میں کیا سارا شہر کر رہا ہے۔''
''سارا شہر تو فرنگی مل کی باتیں کر رہا ہے۔''
چوکنے ہو کر ہردیال نے بیوی کو دیکھا۔'' تمہارے پاس بھی پہنچ گئی بات؟ ادھر آؤ تمہیں بتاؤں تمہارے چراغ نے کیا گل کھلائے ہیں۔''
باپ کی آواز سن کر چرن اپنے کمرے کی کھڑکی میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ آخری بات اس نے سن لی تھی۔ وہ حیران تھا کہ اس کے بارے میں باؤجی کو کیسے بھنک پڑی۔ باؤجی اپنے کمرے میں چلے گئے پیچھے پیچھے ماں بھی۔ پھر بھی چرن کھڑکی میں سے نہیں ہٹا۔ وہ ان کی باتیں سننا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے بعد کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ اندر آ کر ہردیال نے ساوتری کو بتایا کہ فرنگی مل کے خلاف جو اشتہار لگے ہوئے ہیں وہ سارے چرن کے ہی لگائے ہوئے ہیں اور جس عورت کی کہانی بیان کی گئی ہے اس کے ساتھ چرن کے ناجائز تعلقات ہیں سن کر ساوتری کے منہ سے ''ہائے ہائے'' نکلا اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
''میں تمہیں کہتا تھا کہ لڑکے کے لچھن خراب ہیں لیکن تم مانتیں تب نا۔'' ہردیال کھاٹ پر بیٹھ گیا اور پھر بولا۔'' بیٹا نہیں آفت کا پرکالہ پیدا کیا ہے تم۔ سارے شہر میں بدنامی پھیل جائے گی کہ فلاں کا بیٹا رنڈی کا حمایتی بنا ہے۔ باہر منہ بھی کیسے نکالنا؟ جوان لڑکی کو بھی آگے کیسے دھکا دیتا؟ سوچا تھا بے وقت فرنگی مل ہی کام آئے گا اب وہ بھی سلسلہ نہیں رہا۔''

''ہماری قسمت ہی خراب ہے۔''

ادھر چرن اندازے لگا رہا تھا کہ باؤجی کو خبر کیسے لگی۔ ضرور اجاگر نے فرنگی مل کو بتایا ہوگا۔ اسے یہ بھی خیال آ رہا تھا کہ اگر انہیں پتہ لگ ہی گیا ہے تو وہ ضرور جوابی حملہ کریں گے۔ انہیں سوچوں میں پڑے کب اس کی آنکھ لگ گئی اسے کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔ آنکھ کھلی تو باؤجی سامنے کھڑے تھے۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا باؤجی غصے بھری آنکھوں سے اسے گھور رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔

''کل فرنگی مل کے خلاف اشتہار تم نے لگائے تھے۔؟''

''ہاں'' وہ دھیرے سے بولا۔

''کیوں؟''

چرن نے جواب دیا۔ ہردیال اور پاس آ گیا۔ ''کیا ضرورت تھی تمہیں اشتہار لگانے کی؟ کون سے پریس میں اشتہار چھپے تھے؟''

مجھے پتہ نہیں۔ دشمنیت نے چھپوائے تھے۔''

''دشمنیت کون؟''

''اسٹوڈنٹ لیڈر ہے۔''

''تم اس جھنجٹ میں کیوں پڑے؟'' ہردیال کی آواز کانپ رہی تھی چرن کو کچھ بولتے نہ دیکھ کر پوچھنے لگا۔ ''تمہیں کیا ضرورت تھی اس رانڈ کا حمایتی بننے کی؟ اچھا نام روشن کیا ہے تم نے ماں باپ کا۔ خاندان کی ناک ہی کٹوا ڈالی۔ کان کھول کر سن لو اگر تم نے یہی کرتوتیں کرنی ہیں تو اس گھر میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' کہہ کر ہردیال کمرے سے نکل گیا۔ چرن بت بنا بیٹھا رہا۔

آج مندر سے آ کر ساوتری نے نہ تو چرن کو جلدی اٹھنے اور تیار ہونے کے لئے کہا نہ ہی پرساد دیا اور نہ ہی کھانا کھانے کے لئے آواز دی تیار ہو کر چرن جانے لگا تو توشی نے آواز دی ''بھیا تمہارا کھانا لگا دیا ہے۔'' وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ باؤجی کے بارے میں پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ کھا چکے ہیں یا نہیں۔ توشی کو کسی بات کا پتہ نہیں تھا۔ ماں اور بھائی دونوں کے پھولے ہوئے منہ دیکھ کر وہ اتنا سمجھ گئی تھی کہ کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔ جلدی جلدی دو روٹیاں کھا کر اس نے کتابیں اٹھائیں اور باہر کو دوڑی ساوتری نے چرن کی تھالی میں پھلکا پھینکا۔ ''بس اور نہیں'' چرن نے کہا بغیر اس کی طرف دیکھے ساوتری نے پوچھا۔ ''تمہارے باؤجی نے جو کچھ بتایا وہ سچ ہے؟''

چرن کا دل پگھلنے لگا۔ نوالہ نگلنا بھی مشکل ہو گیا۔ آنکھیں بھر آئیں تو اٹھ کھڑا ہوا ہاتھ دھو کر باہر نکل گیا ماں کی بات کا کیا جواب دیتا؟ ساوتری اسے باہر جاتے دیکھتی رہی توے پر رکھی روٹی کو بھی

وہ بھول گئی۔

چرن گلی کے سرے پر پہنچا تو دیکھا اشتہار کے اوپر ڈبل بڑا اشتہار لگا ہوا ہے موٹے موٹے حروف والا اور بہت سے لوگ اسے پڑھ رہے ہیں پہلی ہی سرخی تھی۔ سماج کے دشمنوں نے شریف لوگوں کی پگڑیاں اچھالنی شروع کر دیں دوسری سرخی تھی۔ ''فرض شناس اور ایماندار پولیس افسر پر جھوٹی تہمت تیسری سرخی سب سے موٹے حروف میں لکھی ہوئی تھی۔ ''خبردار؟ ہوشیار!'' پھر نیچے جو مضمون تھا اس کا لب لباب تھا۔ یہ ساری شرارت فرقہ پرست اور موقع پرست لوگوں کی ہے جو سیکولر نیشنل اور دیش بھگت لوگوں کو بدنام کرنا چاہتے ہیں جموں واسیوں اپنے ملک اور قوم کو بچاؤ ان غداروں کے بہکاوے میں مت آؤ پھر سب سے نیچے یہ بھی لکھا تھا۔ جموں کی گلیوں بازاروں میں جو اشتہار لگا ہوا تھا وہ کچھ ایسے غنڈے اور بدمعاش لوگوں کی کارستانی ہے جو ڈرپوک ہیں اور نام بھی ظاہر کرنا نہیں چاہتے جموں کشمیر کی نیشنل سرکار کو چاہئے کہ وہ سماج کے ان دشمنوں کو پکڑنے کی پوری کوشش کرے اور انہیں کڑی سزا دے۔''

چرن کا دل اور بھی بجھ گیا۔ پل بھر کے لئے محسوس ہوا کہ سارے منصوبے پر پانی پھر گیا ہے۔ جس دشمن کو اس نے للکارا ہے وہ بڑی توفیق والا ہے۔ اس کی طاقت کے بازو بہت لمبے ہیں جتو اشتہار پڑھ کر کہہ رہا تھا'' زمانے کی ہوا ہی خراب ہوگئی ہے کسی کی عزت اتارنا کتنی آسان بات ہوگئی ہے اشتہار چھاپو اور چپکا دو دیوار پر۔'' فقا میناری والا بولا۔'' کل کی کہانی تو کسی رسالے سے نقل کی گئی تھی۔ چرن چپ چاپ وہاں سے چلتا ہوا بھلے کی دکان پر آ کھڑا ہوا بھلے نے سگریٹ کی ڈبی پکڑاتے ہوئے کہا۔'' چرن جی وہ اشتہار آپ نے پڑھا کہ نہیں؟''

''نہیں میں نے پڑھا نہیں؟''

''فرنگی مل نے اپنے سارے پردے ڈھک لئے۔''

چرن دفتر آ کر بیٹھ گیا۔ چنڈیال اور روزیر بھی وہی باتیں کر رہے تھے چنڈیال کہہ رہا تھا۔ آج کے اشتہار میں فرنگی مل نے کرارا جواب دیا ہے لوفر بازوں کی ماں مر گئی ہوگی۔ وزیر بولا۔'' کل والا اشتہار تو کہیں نظر ہی نہیں آیا میں نے سوچا تھا آج پھر اسے پڑھوں گا۔''

''کسی نے اچھی کہانی گھڑی ہوئی تھی۔''

چرن سوچ رہا تھا کہ لوگوں کی رائے کتنی جلدی بدلتی ہے۔ اب دشینت کے ساتھ ملنا ضروری تھا کہ کچھ تو کاروائی آگے کرنی پڑے گی۔ باؤ جی کے سامنے اس کے منہ سے دشینت کا نام نکل گیا تھا اسے اپنی غلطی محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن یہ لوگ دشینت پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ اس کے پیچھے اسٹوڈنٹس

کی طاقت ہے۔اس کے منہ سے بھی اسی وجہ سے اس کا نام نکلا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ ڈر جائیں۔

کوئی تین بجے دفتر بند ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا سپرنٹڈنٹ نے چرن کو اپنے کو کمرے میں بلایا۔ چرن اس کے سامنے پہنچا۔

''چرن جی یہ کیا جھنجھٹ ڈال لیا آپ نے؟ سپرنٹڈنٹ نے کہا۔

''کیا ہوا جناب؟ چرن نے پوچھا۔

''ابھی اوپر سے آرڈر آیا ہے آپ کی معطلی کا۔ بات کیا ہوئی ہے؟

چرن کو دھکا سا لگا۔ اس نے آرڈر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' اس میں بھی تو کچھ لکھا ہوا ہوگا نہ؟

''اس میں بس اتنا ہی لکھا ہے کہ آپ کی سماج مخالف سرگرمیوں کے سبب آپ کو سسپنڈ کیا جارہا ہے۔ اصل بات کا تو آپ کو ہی پتہ ہوگا۔ کچھ ہمیں بتاؤ کیونکہ یہ عجیب بات ہم پہلی بار ہی دیکھ رہے ہیں۔ اچانک اس طرح اوپر سے کسی کی معطلی کا آرڈر آتے ہم نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔''

چرن انہیں کچھ نہیں بتا سکا کہ بات کیا ہوئی ہے معاملہ اتنی جلدی یہاں تک پہنچ جائے گا اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ سپرنٹڈنٹ چنڈیال وزیر سب پوچھتے رہے لیکن وہ کچھ بولا نہیں صرف اتنا ہی کہہ سکا۔'' جناب میری تنخواہ؟

سپرنٹڈنٹ نے جواب دیا۔'' آج تو چھبیس تاریخ ہے۔ پہلی کو آنا۔ ویسے اب اس کے لئے بھی اوپر سے پوچھنا پڑے گا۔''

چرن چپ چاپ دفتر سے باہر نکل گیا۔

منڈی کی ڈیوڑھی میں آکر وہ کھڑا ہوگیا۔ اس کا من ہوا کہ وہ گوپال کے پاس جاکر اسے بتائے کہ اس کی نوکری چھن گئی ہے۔ پھر خیال آیا اسے بتا کر کیا کرنا ہے؟ اس نے یہی کہنا ہے کہ میں پہلے ہی کہتا تھا۔ پھر پرویز اور مدن کے پاس جانے کا خیال آیا لیکن دل نہیں مانا۔ اسے یقین تھا کہ ان دونوں نے اس معاملے میں کچھ نہیں بولنا پھر وہ کسے جاکر بتلائے؟

ماں کو بتائے گا تو رونے بیٹھ جائے گی۔ باؤ جی کو پتہ لگے گا تو آگ بگولا ہوجائیں گے اسے رانی کی یاد آئی لیکن وہ تو بیمار پڑی ہے سن کر اور بھی دکھی ہوجائے گی۔ چرن کو محسوس ہوا کہ وہ ساری دنیا میں اکیلا ہوگیا ہے ڈیوڑھی میں بہت لوگوں کا آنا جانا تھا لیکن اسے پوچھنے والا کوئی نہیں تھا اتنی اونچی بڑی ڈیوڑھی میں اسے اپنا آپ گم ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ وہاں سے چلا تو اسے سدھ نہیں تھی کہ وہ کہاں جارہا ہے۔ ہوش آیا تو رانی کے گھر کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے دروازہ کھولا اور اندر آ گیا۔ رانی اندر نہیں تھی اندروٹی کا دروازہ کھول کر دیکھا وہاں بھی نہیں تھی کھاٹ پر بیٹھ گیا پھر لیٹ گیا وہ کچھ بھی سوچ نہیں رہا تھا۔ دماغ بالکل خالی تھا۔ دروازے پر آہٹ ہوئی تو دیکھا رانی کچھ چیزیں ہاتھ میں پکڑے اندر آ رہی تھی۔ چٹخنی چڑھاتے ہوئے بولی۔ تمہارے آنے کا سوچ کر دروازہ کھلا چھوڑ گئی تھی۔'' پھر وہ چرن کے پاس آ کھڑی ہوئی۔'' کیا بات ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

چرن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیٹا لیٹا اسے دیکھتا رہا۔

رانی نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیزیں چولہے کے پاس رکھیں اور چرن کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ '' آج جلدی آ گئی جلدی چھٹی ہو گئی؟ چرن کو خاموش دیکھ کر رانی اور پاس آ گئی۔ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔'' اتنا اداس تو تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔ میری قسم ہے بتاؤ کیا ہوا ہے؟'' چرن نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے دیکھتے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کھینچا۔ رانی اس کے اوپر آ پڑی۔ چرن نے اسے بانہوں لے لیا۔ اور اس کے ہونٹوں کو اپنے دانتوں میں۔ پھر اور کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا اور بولا۔'' رانی آج مجھ سے دور مت جانا۔''

'' یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ رانی نے پوچھا۔

'' مجھے تمہاری ضرورت ہے رانی۔'' چرن اور آگے دھنستے ہوئے بولا۔'' میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھ سے دوری بنا کر مت رکھو۔'' رانی نے کس کر اسے اپنی بانہوں میں لے لیا اور پھر اس کے ماتھے پر گالوں پر اور گلے پر اور سینے پر تپتے ہونٹوں کا سینک دینے لگی۔ دونوں اپنا آپ بھول گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب چرن زور زور سے سانس لے رہا تھا تب بھی رانی نے کس کر اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے رکھا تھا اور آنکھیں میچے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔'' مجھ سے جو کچھ چاہئے لے لو لیکن پھر کبھی اسطرح اداس نہیں ہونا تمہیں آج اداس دیکھ کر میرا دل گھٹ رہا ہے مجھے تو ویسے بھی جینے کی چاہ نہیں تمہاری خاطر ہی سانس لے رہی ہوں اگر تم نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تو میرے جینے کا کیا فائدہ؟ پھر اپنے دونوں ہاتھوں میں چرن کا چہرہ اٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ '' تمہیں میری قسم ہے بتاؤ کیا ہوا؟''

چرن دھیرے سے بولا رانی مجھے آج محسوس ہوا کہ میں اس دنیا میں اکیلا ہوں۔ میرا کوئی نہیں۔''

رانی نے اسے پھر سے بانہوں میں کس لیا۔ آنکھیں بھر آئیں کانپتی آواز میں بولی۔'' یہ تم نے کیسے سوچ لیا؟ میں مر گئی ہوں کیا؟

''تب ہی تو سیدھا تمہارے پاس آیا ہوں۔'' چرن نے کہا ہم دونوں مل کر بھی اکیلے ہیں۔ کل تمہیں ہسپتال سے نکال دیا۔ آج مجھے نوکری سے جواب مل گیا۔''

''کیا؟'' رانی ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ تھوڑا ہٹ کر چرن کپڑے پہننے لگا۔ رانی بھی کپڑے پہنتے پہنتے اٹھی ''سچ کہہ رہے ہو نوکری چھین لی انہوں نے؟''

''ہاں'' چرن نے جواب دیا رانی اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ''میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا۔ جان بوجھ کر اس جھنجھٹ میں نہ پڑو۔'' چرن بولا ''تم میرے ساتھ ہو تو مجھے کوئی فکر نہیں۔'' چرن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر رانی بولی۔ ''میرے ساتھ ہونے سے تو روٹی کا سلسلہ نہیں بن جاتا۔''

''مجھے تمہاری ضرورت ہے رانی اس وقت مجھے سچ مچ ہی تمہاری ضرورت ہے۔''

دونوں چپ چاپ کھڑے رہے پھر چرن نے پوچھا۔ ''یہ چیزیں تم کہاں سے لائیں۔ تمہارے پاس تو پیسے نہیں تھے؟''

''ادھار لائی ہوں۔''

''تم کھانا بناؤ میں آٹھ نو بجے آؤں گا۔ اگر میں نہیں آیا تو تم کھا لینا۔ ضرور کھانا تمہیں میری قسم میں کل دوپہر کو آؤں گا'' چرن چلا گیا لیکن پریشان ہوئی رانی کو کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

☆

دشینت کے پاس بہت سے لڑکے بیٹھے ہوئے تھے چرن کو دیکھتے ہی اس نے کہا۔ ''آؤ چرن جی میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ میں آپ کے گھر بھی ہو آیا ہوں۔''

''میں گھر گیا ہی نہیں۔'' چرن نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تب تو آپ اپنے دوسرے گھر میں ہونگے۔'' دشینت کی بات سن کر سب ہنس پڑے ساتھ میں چرن بھی۔ چرن نے بتایا۔ میں آج جلدی دفتر سے نکل آیا۔ کیونکہ مجھے سسپینڈ کر دیا ہے۔''

دشینت اور دوسرے سارے لڑکے خاموش ہو گئے۔

''اس کا مطلب ہے دشمنوں نے حملہ کر دیا ہے۔ صبح اشتہار لگائے دوپہر کو آپ کو سسپینڈ کر دیا۔ اگر انہیں چھاپے خانے کا پتہ چل جاتا تو اب تک انہوں نے پریس کے مالک کو اگلا گھر دکھلا دینا تھا۔''

دشینت کے ایک خاص کا مریڈ رتن لعل نے پوچھا۔ ''اب ہم چپ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟'' دشینت نے جواب دیا۔ ''یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کیا کچھ کرتے ہیں۔''

''انہوں نے جو کچھ کرنا تھاوہ کر دیا۔''

'' ٹھیک ہے اب ہم بھی سوچ لیتے ہیں سب سے پہلے سوچنے والی بات یہ ہے کہ کچھ بھی کرنے کے لئے پیسے کی ضرورت ہوگی اور پیسہ کہاں سے آئے گا۔'' دشینت کی بات سن کر چرن کو خیال آیا کہ آج اس کی جیب میں کچھ بھی نہیں اور رانی ادھار چیزیں لائی ہے دشینت کہہ رہا تھا۔'' پہلا اشتہار تو ہم نے کسی طرح چھاپ لیا اب انکے اشتہار کے جواب میں اشتہار چھاپنے کے لئے پیسے کہاں سے آئیں گے؟''

رتن بولا'' اب ہم اشتہار چھاپ بھی کیسے سکتے ہیں۔ پولیس نے پہلے ہی سارے چھاپے خانے والوں کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔'' دشینت نے کہا۔'' چرن جی میں سوچ رہا ہوں ایک بہت بڑا جلوس نکالا جائے۔ اس جلوس میں ہم فرنگی مل اور سمپال کے خلاف نعرے لگائیں گے۔ اور اگر جلوس کامیاب رہا تو سٹی تھانے اور سیکریٹریٹ کے باہر دھرنا بھی دیں گے لیکن یہ جلوس کامیاب تب ہی ہوسکتا ہے اگر رانی ہمارا ساتھ دے۔ ہم اس کو جلوس کے آگے رکھیں گے۔ عورت کو دیکھ کر لوگ ہماری بات کا یقین کریں گے۔ اور اگر لوگ ہمارے ساتھ آ ملے تو سمجھو ہم نے میدان مار لیا۔''

'' آپ نے بڑی دور کی سوچی ہے ہمیں ابھی جلوس کی تیاری شروع کر دینی چاہئے۔'' ایک لڑکے نے کہا۔ دوسرے سارے لڑکے بھی دشینت کے دماغ کی تعریف کر رہے تھے لیکن دشینت چرن کی طرف دیکھ تھا۔ چرن کے چہرے سے ہی لگ رہا تھا کہ اس کے دل میں تذبذب ہے۔'' آپ کو یہ بات جچی نہیں؟'' دشینت نے پوچھا۔

''نہیں۔'' چرن نے جواب دیا۔

'' کیوں؟''

'' رانی کو جلوس کے آگے آگے رکھ کر ہم پورے طور پر اُسی کا جلوس نکال دیں گے۔''

'' کیا مطلب؟''

'' اسے جلوس کے آگے رکھنے کا یہی مطلب ہے نہ کہ ہم لوگوں کو کہیں کہ یہی وہ عورت ہے جس کا ریپ ہوا ہے۔ دشینت جی جلوس کے بعد رہنا تو اسی شہر میں ہے ہر کسی کو پتہ لگ جائے گا کہ یہی وہ عورت ہے تو کوئی اس کے ہاتھ چھوئے گا بھی نہیں آتے جاتے لوگ پھبتیاں کسیں گے اور بچے گالیاں نکال نکال کر پتھر ماریں گے ہوسکتا ہے ہم جلوس نکال کر سمپال کو سسپنڈ کرا دیں فرنگی مل کو کونسل کا ممبر نہ بننے دیں لیکن سمپال پہلے بھی سسپنڈ ہوا تھا مہینے دو مہینے بعد وہ پھر بحال ہو گیا۔ فرنگی مل آج ممبر نہیں بنے گا کل بن جائے گا۔ انہیں کسی بات کا کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن رانی کہیں منہ

دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔'' چرن کی بات سن کر سب چپ ہو رہے۔ دشینت بولا'' لوگوں کو سچائی اور انصاف کا طرفدار بنانے کے واسطے کچھ قربانی تو کرنی پڑے گی۔''

چرن نے جواب دیا۔'' بلیدان میں دے سکتا ہوں آپ دے سکتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ سچائی اور انصاف کیا ہے جنہیں کسی بات کا کچھ پتہ ہی نہیں ان کا بلیدان دے کر ہم ایک معصوم کو ذبح کریں گے اور کچھ نہیں۔''

بڑی دیر کوئی نہیں بولا۔ آخر دشینت نے دھیرے سے کہا۔'' ٹھیک ہے کوئی اور سبیل سوچتے ہیں۔'' لیکن کسی کو کوئی سبیل نہیں سوجھی۔ چرن وہاں سے اٹھ آیا تو دل اور بھی بجھ گیا تھا۔

☆

وہ خود پر حیران ہو رہا تھا کہ آج وہ اتنی باتیں کیسے کر گیا اتنی ہمت اس میں کیسے آئی۔ پہلے کبھی اتنے لوگوں میں بیٹھ کر اس کا منہ نہیں کھلتا تھا لیکن دشینت نے بات بھی تو ایسی کر دی کہ جواب دینا ضروری ہو گیا۔ یہ کہاں کی سیاست ہے کہ نردوش لوگوں کا بلیدان دیا جائے۔ کیسی حیرانی کی بات ہے۔ چرن سوچ رہا تھا۔ ظالم تو ظالم ظلم کی مخالفت کرنے والے بھی نردوش کو ہی بلی کا بکرا بناتے ہیں۔

وہ گھر پہنچا تو ساوتری دیکھتے ہی بولی۔'' اتنی دیر کہاں لگائی تم نے؟ چلو آؤ کھانا کھاؤ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ چرن رسوئی کے باہر اسٹول پر بیٹھ گیا۔ وہ بار بار ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صبح تو اس نے اسے بلایا بھی نہیں تھا اس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ آج وہ جلدی گھر آیا ہے پھر بھی کہہ رہی ہے۔'' اتنی دیر کہاں لگائی۔'' وہ بڑے غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا ساوتری کھانا ڈالتے ڈالتے بولتی جا رہی تھی۔'' توشی تیری چھوٹی بہن ہے۔ اسے کچھ سمجھایا کر۔ آج بھی چینچل کے ساتھ سینما دیکھنے گئی ہوئی تھی۔ باہر کی ہوا لگ رہی ہے۔'' چرن کے ہاتھ میں تھالی پکڑاتے ہوئے بولی میں نے تو آج تمہارے باؤ جی سے کہہ دیا ہے کہ جلدی کوئی لڑکا دیکھو اور آگے دھکیلو اسے۔ اور کتنی پڑھائی کرنی ہے اس نے؟''

ماں کی چستی پھرتی دیکھ کر چرن کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا اسے محسوس ہو رہا تھا کہ ماں بس باتیں کرنے کے لئے باتیں کر رہی ہے۔

'' اچار لینا ہے؟''

'' نہیں۔''

'' سبزی اور دوں؟''

'' نہیں اور نہیں چاہیے۔''

''شام کو تمہارے باؤ جی دفتر سے آئے تو بہت گھبرائے ہوئے تھے۔''

''کیوں؟'' چرن نے چونکتے ہو کر پوچھا۔

''انہیں کسی نے بتایا کہ تمہیں نوکری سے جواب مل گیا ہے۔ ان کے ہوش حواس اڑے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ وہ نہیں تو کوئی اور نوکری مل جائے گی۔ ایسے دل چھوٹا کرنے سے کیا فائدہ۔''

چرن حیرانی سے ماں کو دیکھ رہا تھا اب اس کی سمجھ میں آیا کہ ماں چستی پھرتی کے ساتھ خاص جتن کر کے بے ربط باتیں کیوں کر رہی تھی۔ اس کا من پسیج گیا۔ وہ سوچنے لگا کتنا درد ہوا ہو گا ماں کو جس نے اتنے بہانوں سے دلاسا دینا شروع کیا ہے۔

''کوئی اور نوکری تلاش کر واب۔'' ساوتری کہہ رہی تھی۔ ''چھوڑو ساری الٹی سیدھی باتیں۔ ان باتوں میں پڑ کر آدمی کبھی اونچا نہیں اٹھتا۔'' چرن کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ ماں نے رانی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ روٹی کا نوالہ ہاتھ میں ہی پکڑا رہ گیا۔ ساوتری پھر بولی۔ ''سوچوں میں نہیں پڑو۔ روٹی کھاؤ اور جاؤ سو جاؤ۔''

چرن نے ہاتھ کا نوالہ منہ میں ڈالا۔ وہ سوچ رہا تھا ماں کتنی سیانی ہے۔ کتنا بڑا دل ہے اس کا اور کتنا سلیقہ ہے بات سنبھالنے کا۔

روٹی کھا کر وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ کھاٹ پر بیٹھ کر ابھی بوٹ کھولنے ہی لگا تھا کہ باؤ جی کی آواز آئی۔ ''چرن آیا ہے؟''

''ہاں'' ساوتری نے جواب دیا۔

''کہاں ہے؟''

''اپنے کمرے میں۔''

چرن سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ہر دیال نے اندر آتے ہی بوچھار کر دی ''تم نے بتایا کیوں نہیں کہ تمہیں نوکری سے نکال دیا گیا ہے؟''

''کب بتاتا۔ آپ ابھی تو ملے ہیں۔'' چرن نے کھاٹ پر بیٹھے ہوئے جواب دیا۔

''دفتر سے گھر نہیں آ سکتے تھے؟ اس رانڈ کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی؟''

چرن سکتے میں آ گیا۔ حیرانی کی بات تھی باؤ جی کو کیسے پتہ لگا کہ وہ دفتر سے نکل کر سیدھا رانی کے پاس گیا تھا۔ ہر دیال طیش میں آ کر کہہ رہا تھا۔ ''میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم نے یہ آوارگی نہیں چھوڑی تو گھر میں گھسنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن تمہیں شرم حیا ہو تب نا۔''

ساوتری دروازے کے پاس کھڑی تھی آگے آ کر بولی۔ ''آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ وہاں گیا تھا۔''

''اس کے پیچھے سی آئی ڈی لگی ہوئی ہے۔ مجھے ابھی سمیال نے بتایا کہ یہ دفتر سے نکل کر سیدھا وہاں گیا تھا۔ تین گھنٹے وہاں بیٹھا رہا۔ بے شرم بے حیا کہیں کا پھر وہاں سے نکل کر یہ اس سانپ کے بچے سنپولیے کے پاس گیا جس کا نام دشینت ہے اور پھر وہاں سے گھر آیا۔''

چرن چپ تھا۔ ساوتری بھی چپ ہوگئی لیکن ہردیال کو جنون چڑھا ہوا تھا۔ وہ اسی وقت آخری فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ چرن کے اور پاس آ کر بولا'' کان کھول کر سن لو اس گھر میں یہ کنجر خانہ نہیں ڈالنے دوں گا۔ بہت ناک میں دم کر دیا تم نے۔ سیدھے راستے پر آؤ نہیں تو اپنا راستہ پکڑو'' کہہ کر ہردیال باہر نکل گیا۔

ساوتری آہستہ آہستہ چرن کے پاس آئی اور اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔ گردن جھکائے بیٹھے ہوئے چرن کو یاد آیا کہ شام کو رانی نے بھی ایسے ہی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا بالکل اسی طرح۔

ساوتری بولی'' بیٹا آدمی غلط راستے پر بھی پڑ جاتا ہے لیکن جب عقل آتی ہے تو راستہ بدل لیتا ہے۔ تمہیں اپنے گھر کی بھی سوچنی چاہئے ہم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔'' چرن کی آنکھیں جلنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد ساوتری چلی گئی تو وہ سبک سبک کر رونے لگا۔

دوسرے دن وہ دوپہر تک گھر میں ہی بیٹھا رہا۔ جاتا بھی کہاں؟ جہاں بھی جاتا سی آئی ڈی والوں نے پیچھا نہیں چھوڑنا تھا اور جس کے پاس جاتا اسے بھی لپیٹنے والی بات تھی۔ بہت دیر تو وہ رضائی میں ہی لیٹا پڑا رہا۔ توشی آ کر پوچھ گئی تھی۔ ''بھیا طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا'' ٹھیک ہے؟'' توشی اب زیادہ باتیں نہیں کرتی تھی۔ دو دن سے وہ بھی گھر میں کچھ تناؤ محسوس کر رہی تھی۔ لیکن کسی سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

نہا دھو کر وہ پھر رضائی میں لیٹ گیا۔ ماں تھالی میں روٹی ڈال کر چھوڑ گئی۔ وہ کھا کر سو گیا۔ اٹھا تو دل پوری طرح تھک چکا تھا۔ باہر جانے کو من کر رہا تھا۔ آخر اس نے ایک ترکیب سوچی اور چپکے سے چھت پر چڑھ گیا۔ دیوار پھلانگ اور پڑوسی کے گھر کے راستے دوسری گلی میں آ گیا جلدی قدم اٹھاتا وہ بھلے دوکان پر پہنچا۔ سگریٹ کی دو ڈبیاں لیں اور ساتھ ہی پندرہ روپے ادھار لئے۔ پھر چوکس ہو کر آگے پیچھے دیکھا وہ گلی سے دوسری گلی میں ہو کر گزرتا گوپال کے گھر پہنچا۔ اندر جانے سے پہلے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پیچھے کوئی نہیں تھا۔

گوپال نے چرن کو دیکھا تو اسے تھوڑی حیرانی ہوئی۔ اتنے دن کہاں رہے بھئی؟ گوپال نے پوچھا۔ چرن نے کوئی جواب نہیں دیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ پتہ نہیں کیوں بیٹھتے بیٹھتے ایکدم اس کے من میں خیال آیا کہ وہ یہاں نہیں آتا تو اچھا تھا۔ گوپال نے اسے کچھ بولتے نہ دیکھ کر پھر سے پوچھا۔ ''معاملہ کہاں تک پہنچا اب؟''

''کون سا معاملہ؟''

''وہی چودھری فرنگی مل اور سمیال والا۔''

''مجھے انہوں نے نوکری سے نکلوا دیا ہے۔''

''کیا؟'' گوپال کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ''سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہاں''

گوپال کہنا چاہتا تھا میں نے تمہیں ہی کہا تھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔ اسے پتہ تھا کہ اس وقت ایسی کوئی بھی بات چرن کو زہر محسوس ہوگی۔ اس کا بس چلتا تو چرن کو اس جھنجھٹ میں پڑنے ہی نہیں دیتا۔ بلکہ چرن نے جو گل کھلایا ہے اس سے گوپال کو بھی ٹھیس لگی ہے۔ ایک پوری رات وہ سو نہیں سکا۔ چرن کے اشتہار سے فرنگی مل کی جو بدنامی ہوئی ہے اس کے ڈر سے آج دو دن ہو گئے وہ شکنتلا سے ملا ہی نہیں۔ اسے لکھی ہوئی چھٹی بھی اس نے پھاڑ ڈالی ہے۔ وہ سوچ رہا ہے کہ اس سے تعلقات بنائے رکھے یا نہیں۔ گوپال کو چپ دیکھ کر چرن بولا۔ ''مجھے تنخواہ بھی نہیں ملی۔ کیا پتہ ملے گی بھی یا نہیں۔ اس وقت مجھے کام کی سخت ضرورت ہے۔ میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ چلو ریڈیو اسٹیشن چلیں۔ کوشش کرتے ہیں کوئی کانٹریکٹ مل جائے؟''

چرن کی بات سن کر گوپال پھر سوچوں میں پڑ گیا۔ چرن کے بارے میں بہت سے لوگوں کو پتہ چل چکا ہوگا۔ اگر انہوں نے مجھے چرن کے ساتھ دیکھا تو ہو سکتا ہے مجھے بھی اس معاملے میں پھنسا لیں۔ اگر کہیں فرنگی مل نے ہی دیکھ لیا تو۔ اس نے چرن کو ٹالتے ہوئے کہا۔ ''کھجوریا آج چھٹی پر ہے آج وہاں جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔'چرن بولا۔'' رانی بہت اچھا گاتی ہے۔ کیا اسے ریڈیو پر گانے کا چانس مل سکتا ہے؟''

رانی کا نام سن کر گوپال کو اور بھی جھٹکا لگا۔ جھٹ بولا۔

''ریڈیو پر گانے کا چانس اتنی آسانی سے نہیں ملتا۔ یہ بڑا لمبا پروسیجر ہے۔ پہلے تو درخواست دینی پڑتی۔ پھر کئی مہینوں کے بعد وہ آڈیشن لیتے ہیں اور پھر اس کے کئی مہینے کے بعد فیصلہ کرتے

ہیں۔ میری بات مانو تو مدن کے پاس جاؤ۔ اس وقت وہی تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ وہ بہت سے کلچرل شو کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ اسے ڈراموں میں تمہاری ضرورت تو ہے، ہی ورائٹی پروگراموں میں رانی کو لوک گیت گانے کا چانس دے سکتا ہے۔ وہاں کسی آڈیشن یا ٹیسٹ کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

یہ بات چرن کو ٹھیک لگی۔ مدن کو لوک گیت گانے والوں کی ضرورت ہے اور رانی لوک گیت ہی تو گاتی ہے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر مدن کے پاس پہنچا۔

مدن بڑی شان سے اپنی کیبن میں بیٹھا ہوا تھا۔ سوٹ بوٹ اور نیک ٹائی پہنے ہوئے۔ سامنے بیٹھے ہوئے دو تین ماتحتوں کو ڈانٹ پھٹکار رہا تھا۔ چرن کو دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور ماتحتوں کو باہر نکالا۔

''کیا بات ہے یار تم اتنے دن نظر ہی نہیں آئے؟''

چرن کچھ بولا نہیں۔ مسکرا کر چپ ہو رہا۔ مدن نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو چائے کا آرڈر دیا۔ پھر سگریٹ کی بڑی ڈبی چرن کے آگے کی۔ ''لو سگرٹ پیو۔'' دونوں نے سگرٹ سلگائے۔ مدن بولا۔ ''بھئی تمہارا اشتہار تو زبردست تھا۔ بڑوں بڑوں کے چھکے چھوٹ گئے ہوں گے۔ معاملہ کہاں تک پہنچا؟''

چائے پیتے پیتے چرن نے اسے ساری بات بتادی۔ یہ بھی بتایا کہ وہ آج کیوں آیا ہے۔ مدن سوچنے لگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد بولا'' چرن میرے ہر پرگراموں میں تم کام کر سکتے ہو۔ تمہارے جیسا آرٹسٹ تو ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتا۔ رانی بھی ورائٹی پروگراموں میں لوک گیت گا سکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ میرے جتنے پروگرام ہوں گے ان میں شہر کے سارے جانے مانے لوگوں نے آنا ہے۔ ان میں فرنگی مل بھی ضرور ہوگا۔ سیکرٹری نیشنل کانفرنس تو سب سے آگے ہوگا اور منسٹر صاحبان ہوں گے تمہیں اور رانی کو دیکھ کر سارے آگ بگولا ہو جائیں گے۔ میری جواب طلبی ہو جائے گی۔ اور ہو سکتا ہے میرا پتہ بھی کٹ جائے۔''

چرن خاموش بیٹھا رہا۔ کہتا بھی کیا؟ بات یہاں تک پہنچ سکتی ہے اسے پتہ نہیں تھا۔ دل ڈوبنے لگا۔ ایش ٹرے میں سگرٹ بجھاتے ہوئے مدن بولا۔ ''کتنی بھاگ دوڑ کے بعد تو یہ نوکری ملی ہے اگر یہ بھی ہاتھ سے نکل گئی تو اپنا کونڈا ہو جائے گا۔'' چرن کچھ بولا نہیں۔ خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مدن بھی اٹھا اور تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ''تم فکر نہ کرو میں کوئی سبیل لڑاتا ہوں جس سے تمہیں چپ چاپ فائدہ بھی پہنچے اور کسی کو پتہ بھی نہ لگے۔'' چرن کیبن سے باہر نکلنے لگا تو مدن نے پھر سے آواز دی۔ ''چرن تم پرویز سے ملے یا نہیں؟ اس کے ساتھ بھی کمال ہوا۔'' چرن دھیان سے سننے لگا۔ مدن

نے بتایا۔

"پرویز کو آج ہی پتہ چلا ہے کہ میڈم نے اس کی ترقی کے آرڈر رکوا دیئے ہیں۔"

"وہ کیوں؟" چرن نے پوچھا۔

"اگر اس کی ترقی ہو جاتی تو اسکی تبدیلی ڈائریکٹر ایجوکیشن کے دفتر میں ہو جاتی۔ میڈم نے سوچا اگر پرویز اس دفتر میں چلا گیا تو وہ اسے اپنے ساتھ دورے پر کیسے لے جائے گی۔ چپ چاپ اس نے اسکی ترقی رکوا دی مگر پرویز کو ڈائریکٹر کے دفتر سے خبر مل گئی۔ بڑا غصہ آیا تھا اسے اور وہ میڈم کو گالیاں نکال رہا تھا۔"

چرن مسکرا کر باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہی اس کی مسکان غائب ہو گئی۔ مدن اور پرویز دونوں کو بھول کر وہ پھر اپنی دنیا میں لوٹ آیا جہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا گھٹن ہی گھٹن تھی۔ سیڑھیاں اترتے ہی خیال آیا۔ باہر کوئی سی آئی ڈی کا آدمی اس پر نظر نہ رکھے ہو۔ پل بھر رک کر وہ جلدی جلدی باہر نکلا اور چوروں کی طرح آگے پیچھے دیکھتے گھر آ گیا۔ ساوتری اسے باہر سے آتے دیکھ کر حیران ہوئی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ چرن اپنے کمرے میں ہے۔ پھر بھی اس نے چرن سے کچھ نہیں پوچھا کہ وہ کس طرح باہر نکلا اور کہاں گیا ہوا تھا۔ چرن نے بھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

شام کو لالہ ہردیال گھبرایا ہو گھر آیا ساوتری کو "ادھر آؤ" کہہ کر ہردیال اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ساوتری رسوئی میں سے نکل کر وہاں آئی۔ ہردیال نے بتایا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے میں فرنگی مل کی بیٹھک میں داخل ہونے لگا تو اندر سے تھانیدار رسمیال کی آواز سنائی دی۔ میں باہر ہی کھڑا ہو گیا اور کان لگا کر ان کی باتیں سننے لگا۔ سمیال کہہ رہا تھا کہ اس نے کل تک چرن کو پکڑ کر اندر کر دینا ہے۔ کل تک ساری جھوٹی گواہیاں تیار ہو جائیں گی"

"ہائے ماں کیا ہو گا اس لڑکے کا۔" ساوتری کے منہ سے چیخ سی نکلی۔

جیتے جی مار دیا اس نے تو ہم کو۔" ہردیال نے ٹھنڈی سانس نکالتے ہوئے کہا۔ دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔

"اسے ابھی کسی دوسری جگہ بھیج دو۔"

"کہاں بھیجنا ہے؟ جہاں جائے گا مصیبت ہی کھڑی کرے گا۔"

"میری بہن کے پاس بھیج دو۔ پٹھانکوٹ"

"کیا کرے گا وہاں جا کر؟"

"کچھ بھی کرے گا۔ پولیس سے تو بچے گا۔"

''اس وقت کون سی بس جاتی ہے۔''

''صبح منہ اندھیرے ہی نکل جائے گا۔''

پھر ساوتری نے چرن کے پاس جا کر ساری بات بتائی اور صبح سویرے پہلی بس سے پٹھانکوٹ چلے جانے کے لئے کہا۔ چرن کچھ بولا نہیں۔ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ ساری رات وہ سو نہیں سکا۔ جموں سے جانے میں اسے اچھائی نظر آ رہی تھی لیکن وہ رانی کو چھوڑ کر کیسے جائے گا؟ اس کے بغیر وہ کیسے کہیں جا کر رہے گا اور رانی کا یہاں کیا بنے گا؟ وہ پھر اس دلدل میں پھنس جائے گی۔ ''نہیں میں اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔'' چرن نے پکا فیصلہ کر لیا۔ ''اگر جاؤں گا تو اسے ساتھ لے کر جاؤں گا۔''

صبح جب ساوتری اسے اٹھانے آئی تو وہ جاگ رہا تھا۔ جھٹ اٹھ کر نہا دھو بیٹھا۔ پھر چھوٹے ٹرنک میں کپڑے ڈال کر تیار ہو گیا۔ ساوتری نے اسے پچاس روپے دیئے تو دونوں کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ ماں کے پیر چھو کر باہر آنگن میں آ گیا۔ توشی اور باؤجی اسے روانہ کرنے کے لئے کھڑے تھے توشی کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ اتنی جلدی بھیا کے جانے کی صلاح کیسے بن گئی۔ وہ ماں کے کہنے پر لوٹے میں پانی ڈال کر لے آئی۔ ہردیال نے کہا۔ ''تمہیں چھٹی لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہم خود ہی تم سے ملنے آئینگے۔''

اس نے آگے جا کر باؤجی کے پیر چھوئے۔ پھر توشی کے ہاتھ میں پکڑے لوٹے میں اٹھنی ڈالی اور ٹرنک اٹھا کر چھت پر چڑھ گیا۔ دیوار پھلانگی اور پڑوس کی سیڑھیاں اتر کر باہر نکل گیا۔

صبح سویرے ہی چرن کو ٹرنک اٹھائے اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر رانی کو حیرت ہوئی۔

''کیا بات ہے کہیں باہر جا رہے ہو؟ رانی نے پوچھا۔'' ہاں۔'' چرن جواب دیا اور ٹرنک ایک طرف رکھ کر کھاٹ پر بیٹھ گیا۔'' سنا ہے کہ پولیس والے مجھے پکڑنے کی سوچ رہے ہیں۔ گھر والوں نے مجھے جموں سے نکل جانے کے لئے کہا ہے۔''

''جان بوجھ کر مصیبت گلے ڈال لی تم نے۔'' رانی کھڑے کھڑے بولی'' پہلے نوکری گنوائی۔ اب شہر سے بھی نکلے۔''

''تم میرے ساتھ چلو گی؟'' اچانک ہی چرن نے پوچھ لیا۔ رانی حیرت سے بت بنی اسے دیکھنے لگی۔ چرن تھوڑا مسکرا کر بولا۔'' حیران کیوں ہو گئی؟ میں نے کوئی عجیب بات کی ہے؟'' رانی کو بولتے نہ دیکھ کر چرن پھر کہنے لگا۔'' اگر میں اکیلا چلا گیا تو تمہارا گذارہ کیسے ہو گا؟ رانی نے ایک ٹک اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔'' مجھے لے کر کہاں جاؤ گے؟''

''جہاں بھی پیر رکھنے کو جگہ ملے گی۔''

''تم اپنے پیر جمانے کی کوشش کرو گے یا میرا بوجھ سنبھالو گے؟''

''تم میرے ساتھ رہو گی تو میرا بوجھ ہلکا ہوگا۔'' چرن اس کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا۔'' رانی یہ تو اچھا ہوا جو یہاں سے جانے کا سبب بن گیا۔ اب یہاں ہمارا گذارہ بھی نہیں ہوسکتا میں نے کل سب جگہ خوار ہو کر دیکھ لیا۔ مجھے یہاں کام ملنا مشکل ہے۔ باہر نکل کر میں کچھ بھی کر لوں گا۔ مزدوری کرنی پڑی تو وہ بھی کو لوں گا۔ لیکن میں تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ تمہیں چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جاسکتا۔'' بات سن کر رانی نے ایکدم اسے اپنی بانہوں میں لیا۔ پھر جھٹ چھوڑ بھی دیا اور تھوڑا پیچھے ہٹ کر بولی۔ ''میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی۔''

''کیوں؟''

''میری بہت سی باتیں تمہیں معلوم نہیں۔''

''اور کیا باقی رہ گیا ہے؟''

''چرن۔'' رانی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔'' جیسے ایک گائے کھونٹے سے بندھی اتنا ہی ادھر ادھر جاسکتی ہے جتنی لمبی رسی اس کے گلے میں پڑی ہو۔ میرے گلے میں پڑا رسا بھی یہاں تک ہی لمبا ہے جہاں میں کھڑی ہوں۔''

''تم کون سے کھونٹے سے بندھی ہو؟''

''میرا گھر والا ابھی زندہ ہے۔ بیمار پڑا ہے۔ ڈاکٹروں نے اسے جواب دے دیا ہے۔ اس کے پاس میرے دو بچے بھی ہیں۔ سات سال کا لڑکا پانچ سال کی ایک لڑکی۔ ان تینوں کی خاطر ہی میں اس نرک میں پڑی ہوئی ہوں۔''

چرن کو محسوس ہوا کہ اس کی رگوں میں بہتا خون جم گیا ہے۔ وہاں کھڑے ہونا بھی مشکل ہوگیا۔ رانی کہہ رہی تھی۔ ''کبھی میں بھی عزت دار اور شریف گھر والی تھی۔ خصم نوکری کرتا تھا۔ بچے گود میں کھیلتے تھے لیکن وقت نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ۔'' پھر اس نے چرن کو اپنی ساری کہانی سنا ڈالی۔ چرن بہت دیر بعد بولا۔'' اگر میرے ساتھ چلو گی تو ہمیشہ کے لئے اس نرک سے نکل جاؤ گی۔ فرق تو اتنا ہی پڑتا ہے کہ ہم کسی اور شہر میں جا کر رہنے لگیں گے۔ جہاں جائیں گے تمہارے گاؤں پیسے بھیجتے رہیں گے۔''

لیکن رانی نہیں مانی۔ وہ اسے سمجھا رہا تھا اور وہ اسے۔ آخر رانی اٹھتے ہوئے بولی۔'' تم پیٹھ موڑ کر بیٹھو۔ میں نے نہانا ہے۔'' کھاٹ پر لیٹ کر چرن نے آنکھیں بند کر لیں۔ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ کر نہاتے ہوئے رانی سوچنے لگی۔ سجانو کو اس نے کبھی پیٹھ موڑنے کے لئے نہیں کہا۔

پرانے پڑ گئے اور نئے آدمی میں کتنا فرق ہوتا ہے۔

نہا کر وہ روٹی پکانے بیٹھ گئی۔ پھر دونوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ چرن ابھی بھی اسے سمجھا تا جا رہا تھا اور وہ اپنی دلیلیں دیتی جا رہی تھی۔ آخر چرن نے کہہ دیا۔ ''اگر تم نے نہیں جانا تو میں بھی نہیں جاتا۔ بھلے ہی مجھے سپاہی پکڑ کر اندر ہی کیوں نہ کر دیں۔''

''اگر تمہیں انہوں نے پکڑا تو میں سالوں کو گولی سے اڑا دوں گی۔'' رانی غصے سے بولی تو چرن ہنس پڑا۔ کہنے لگا۔ ''نہ تمہارے پاس کوئی بندوق ہے نہ گولی۔ اگر تم مجھے سچ ہی بچانا چاہتی ہو تو میرے ساتھ چلو نہیں تو مجھے تمہاری قسم ہے میں نہیں جاؤں گا۔''

رانی چرن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگی۔ ہولے سے بولی۔ ''اچھا پھر لے چلو مجھے بھی۔ میں تیار ہوتی ہوں۔'' چرن نے اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور پیار کرنے لگا۔ رانی الگ ہوتے ہوئے بولی۔ ''اب تو ہمیشہ ساتھ ہی رہنا ہے۔ صبر کرو تیار ہونے دو مجھے!''

''جلدی کرو۔ بارہ بج گئے ہیں۔'' چرن نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''کپڑے تو سارے ہی لے جانے پڑیں گے۔ میلے بھی اور دھلے ہوئے بھی وہ کھونٹی سے کپڑے اتارتے ہوئے بولی۔ پھر اچانک ہی اس کے ہاتھ رک گئے۔ چرن کے پاس آ کر پوچھنے لگی۔ ''ہم نے لوٹ کر تو یہاں نہیں آنا نا؟''

''نہیں۔'' چرن نے جواب دیا۔

''پھر تو سارا کچھ ہی لے جانا پڑے گا۔ برتن بھی؟''

''ہاں۔''

''تب تم برتن سمیٹ کر بوری میں ڈالو میں کپڑے سنبھالتی ہوں۔''

دونوں جلدی جلدی سامان سمیٹنے لگے۔ اچانک ہی رانی نے پوچھا۔ ''ہمیں جانا کہاں ہے؟'' چرن نے کہا۔ ''پہلے بس میں بیٹھ جائیں پھر سوچیں گے۔''

اچانک کسی نے زور سے دھکا دے کر دروازہ کھولا۔

دونوں نے ڈر سے کانپتے ہوئے دیکھا تو کبے کبے رہ گئے۔ ایک پولیس انسپکٹر اور تین سپاہی کھڑے تھے۔ انسپکٹر نے اندر گھستے ہوئے رعب سے پوچھا۔ ''تمہارا نام چرن ہے؟''

''ہاں۔'' سہمے ہوئے چرن نے کہا۔

''تمہارے وارنٹ لے کر آیا ہوں میں۔ تھانے چلو۔''

''میں نے کیا کیا ہے؟

"یہ وہاں جاکر بتائیں گے۔"

چرن سمجھ گیا۔ اب بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے رانی کی طرف دیکھا وہ خوف سے بے دم ہو کر رونے کو ہو رہی تھی۔ چرن نے فوراً اسے سنبھالا اور سہارا دے کر کھاٹ پر بٹھایا۔ انسپکٹر آگے بڑھ کر ہتھکڑی لگانے لگا تو چرن بولا۔ "ایک منٹ ٹھہر جاؤ" اس نے جیب سے ماں کے دیئے ہوئے پچاس اور ادھار لیئے ہوئے پندرہ روپے نکال کر رانی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ رکھ لو۔ گھبرانا نہیں۔ میں جلدی لوٹ آؤں گا۔" لیکن رانی نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔ وہ سکتے میں تھی اور پتھرائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ چرن نے نوٹ اس کی جھولی میں پھینک دیئے۔ انسپکٹر نے اسے ہتھکڑی لگا لی اور باہر لے چلا۔ پیچھے پیچھے سپاہی بھی چل دیئے۔ ابھی انہوں نے دروازہ پار کیا ہی ہوگا کہ رانی نے زور سے چیخ ماری اور رونے لگی....

☆

یہ 1955 کے آس کا پاس واقعہ تب یہاں تک ہی ظہور پذیر ہوا تھا۔

لیکن ناول لکھنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ اس کے کردار کہیں بیچ میں ہی رہ گئے ہیں اور ناول کا آخری باب لکھنا ابھی باقی ہے۔ یہ سوچ کر میں نے جو آخری باب لکھا اس میں میں نے بتایا کہ دس سال بعد رانی سلائی مشین چلا رہی ہے۔ اس کی لڑکی راجی روٹی بنا رہی ہے۔ اس کا لڑکا ریشم گھر میں مزدوری کرتا ہے۔ وہ ماں کے لئے دوائی لے کر آتا ہے اور تنخواہ میں سے بچے ہوئے پیسے اس کے آگے رکھتا ہے۔ تب ہی دشمینت وہاں آ کر بتاتا ہے کہ چرن جموں آیا ہوا ہے اور آج شام کو اس کے ساتھ پیر کھوہ مندر کے پیچھے چٹان کے پاس اُس سے ملنا چاہتا ہے۔ اصل میں چرن جیل سے چھوٹ کر ایک نکسل وادی بن چکا ہے۔ وہ پولیس کی نظروں سے بچ کر جموں آیا ہے رانی کو اور اپنی ماں کو ملنے کے لئے۔ باب کے آخر میں رانی اور چرن ملتے ہیں اور پھر ہمیشہ کے لئے بچھڑ جاتے ہیں۔

یہ ساری باتیں میں نے لکھ تو دیں لیکن ایک سچی کہانی کا یہ انجام مجھے بڑا ہی مصنوعی لگا۔

یہ ناول میں نے 1962 میں بمبئی میں رہتے ہوئے لکھنا شروع کیا اور ایک چوتھائی لکھ کر چھوڑ دیا۔ یہاں کی جہد بھری زندگی نے مجھے اس کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں دی۔ دوسرا چوتھائی حصہ آٹھ نو سال کے بعد لکھا اور باقی کا آدھا حصہ اور آٹھ نو سال کے بعد 1980 میں لکھ کر پورا کیا۔ آخری باب جس کی بات میں نے اوپر کی ہے ڈوگری "شیرازہ" میں چھپ بھی گیا۔ لیکن ہمیشہ یہ محسوس ہوتا رہا کہ ناول کا خاتمہ بڑا غیر فطری ہے اس ناول کے لئے یہ آدرش وادا یکدم غیر موزوں اور نازیبا ہے۔

1989 کے ستمبر کے مہینے میں ایک ٹی وی سیریل ڈائرکٹ کرنے کے لئے میں سرینگر گیا۔ وہاں شوٹنگ کرتے ہوئے روز کوئی نہ کوئی ٹیکسی سارے دن کے لئے کرائے پر لینی پڑتی تھی۔ ایک دن ٹیکسی میں بیٹھ کر میں شنکر آچاریہ پہاڑی کے اوپر پہنچا اور شوٹنگ میں مصروف ہو گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ ٹیکسی ڈرائیور بار بار مجھے گھور رہا ہے۔ میں نے بھی اسے کئی بار دیکھا۔ دھیرے دھیرے مجھے اس کا چہرہ جانا پہچانا محسوس ہونے لگا۔ سر کے سفید بالوں اور ٹیڑھی میڑھی جھریوں کے سبب میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ کون ہے۔ بہت دیر بعد میں ایک طرف بیٹھ کر چائے پی رہا تھا تب اس نے میرے پاس آکر کہا۔ ''آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں چرن ہوں۔''

اسکی شکل اتنی بدل گئی تھی کہ نام سن کر بھی تھوڑی دیر لگی اسے پہچاننے میں۔ میں اس سے گرمجوشی کے ساتھ ملا اور شام کو شوٹنگ ختم ہونے کے بعد اسے اس ہاؤس بوٹ میں لے آیا جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ادھر ادھر کی بہت سی باتیں کرنے کے بعد اس سے میں نے رانی کے بارے میں پوچھا اس نے مجھے جو کچھ بتایا میں آپ کو سناتا ہوں۔

جس روز پولیس چرن کو پکڑ کر لے گئی رانی سارا دن سسک سسک کر روتی رہی۔ اسکا دل کررہا تھا کہ وہ خودکشی کرلے لیکن کر نہیں سکی تڑپتی رہی۔ اسکا بس چلتا تو ساری دنیا کو جلا ڈالتی۔ رات کو جب فرنگی مل کے ڈرائیور نے اسکا دروازہ کھٹکھٹایا اور اسے ساتھ چلنے کے واسطے کہا تو اس نے اتنی گالیاں دیں کہ وہ منہ چھپا کر بھاگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سمیال آپہنچا۔ اسے دیکھتے ہی رانی آپے سے باہر ہوگئی بے تحاشہ گالیاں نکالتے ہوئے وہ ڈنڈا لیکر اسے مارنے دوڑی۔ سمیال بھی طیش میں آ گیا۔ اس نے اسے دھکے گھونسے مار مار کر بیدم کر دیا۔ جب وہ اچھی طرح نڈھال ہوگئی اور بے ہوش سی ہو کر ڈھیر ہوگئی تو اس نے اس کے ساتھ زبردستی کی۔ پھر اسے اٹھا کر جیپ میں بٹھایا اور فرنگی مل کے پاس لے آیا۔ وہاں وہ منسٹر نشے میں چور بیٹھا ہوا تھا رانی کو پچھاڑ کر اس نے بھی اپنے من کی مراد پوری کی۔ رانی کیلئے ان لوگوں نے اور کوئی راستہ نہیں رہنے دیا۔ مجبور ہو کر اسے پھر اسی دھندے میں جانا پڑا۔

ادھر چرن پر مقدمہ چلا تو جھوٹی گواہیاں پیش کر کر کے جھوٹے الزام کو سچا ثابت کر دیا گیا اسے تین سال قید بامشقت دی گئی۔

رانی کبھی کبھی اسے سینٹرل جیل میں ملنے آتی تھی۔ اس کی طرف دیکھ دیکھکر صرف روتی رہتی۔ اس کا رونا چرن کو بڑا دکھی کرتا تھا۔ وہ اسے کوئی اور بات کرنے کیلئے کہتا۔ لیکن رانی جب کوئی اور بات کرنے لگتی تو بے ساختہ سسکنے لگتی آنسو ایک تار بہنے لگتے۔ پھر دھیرے دھیرے آنکھوں کی ندیاں سوکھنے لگیں۔ نظریں سنسنان ہوگئیں۔ اب وہ منہ میں ہی کچھ بڑبڑ کرنے لگی۔ چرن نے کوشش

کی اسکی باتیں سننے کی۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ پاگل ہوتی جا رہی ہے۔

تین سال بعد جب چرن جیل سے چھوٹا تو رانی پوری طرح پاگل ہو چکی تھی۔ ہوش و حواس گم ہو گئے تھے۔ زندگی خوار ہو چکی تھی۔ تن بدن کھوکھلا ہو چکا تھا۔ چرن اسے اسپتال لے گیا۔ بڑی کوشش کی لیکن حالت اور بھی خراب ہوتی گئی۔ چرن اسے دیکھ دیکھ کر روتا۔ وہ کچھ نہیں کر سکا اور رانی اسکی آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ مر گئی۔

یہ سب کچھ سناتے سناتے چرن کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ میں نے دیکھا وہ بے چین ہو گیا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے قمیض کا گلا اسطرح مل رہا تھا جیسے اسکا دم گھٹ رہا ہو۔ اچانک ہی وہ اٹھا اور باہر چلا گیا۔ میں اسے روک نہیں سکا مگر خیال آیا ہو سکتا ہے وہ باہر کھڑا ہو۔ میں بھی اٹھ کر باہر آ گیا۔

باہر اندھیرا تھا۔ زوردار ہوا چل رہی تھی۔ پانی کے تیز تھپیڑے کنارے سے سر ٹکرا ٹکرا کر بڑی ڈراونی آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ چرن پانی کے پاس کھڑا چھپٹپاتی لہروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پرچھائیں کی طرح دم بخود کھڑا وہ کوئی بھوت لگ رہا تھا۔ اچانک میرے دل میں شک پیدا ہوا کہ وہ کہیں پانی میں چھلانگ ہی نہ لگا دے۔ میں نے دھیرے دھیرے اس کے پیچھے جا کر ہولے سے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ پھر چپ چاپ سیڑھیاں چڑھ کر وہ سڑک پر پہنچا اور اپنی ٹیکسی میں بیٹھ کر چلا گیا۔

■■

ویدراہی ۲۲ مئی ۱۹۳۳ء کو جموں میں پیدا ہوئے۔
صرف بیس سال کی عمر میں ڈوگری کے شعراء اور
ان کی شاعری پر تنقیدی مضامین کی کتاب شائع ہوئی۔
گذشتہ پچاس برسوں سے ڈوگری اردو
اور ہندی میں فکشن نگاری کر رہے ہیں۔ ڈوگری میں کہانیوں کے
دو مجموعے اور پانچ ناول اور ایک شعری مجموعہ شائع ہو چکے ہیں۔
ہندی میں افسانوں کے تین مجموعے
اور زیر نظر ناول 'اندھی سُرنگ' شائع ہو چکا ہے۔
۱۹۸۳ء میں ڈوگری کہانیوں کے مجموعے
'آلے' پر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازے گئے۔
پچیس فلمیں لکھیں، پانچ فلموں کی ہدایت دی اور
کشمیر پر کئی ڈاکومینٹری فلمیں بنائیں۔
ٹی وی سیریل 'گل گلشن گلفام' بنا کر عالمی سطح پر مقبولیت حاصل کی۔
'اندھی سُرنگ' اردو میں پہلا ناول ہے۔